قرآن شریف میں اللہ نے حکم دیا

سیر کرو زمین کی

اس حکم کی تعمیل میں پاک زمین حجاز کے

مکے مدینے کا

سفرنامہ

از مسیح الزماں حکیم عبدالغنی انصاری خسرو شاہ نظامی

فرزند لقمان الملک حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری عرف حکیم نابینا صاحب

(مئی ۱۹۳۹ء میں)

شمس العلما خواجہ حسن نظامی دہلوی

نے دوبارہ شائع کیا

قیمت چار روپے

اردو علوم عالم کی ایک لاکھ اردو کتابوں کا سلسلہ

از شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی

معلومات حج و زیارت

یعنی

مکے مدینے کا سفر نامہ

لقمان الملک حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری عرف حکیم نابینا صاحب مرحوم کے فرزند حکیم عبدالغنی انصاری عرف مسیح الزماں حکیم خسرو شاہ نظامی نے دید و شنید کے نام سے اپنے سفر حج کا تذکرہ شائع کیا تھا۔ میں نے اس سے پہلے بہت سے حاجیوں کے سفر نامے پڑھے ہیں۔ اور ان کی خوبیوں اور فائدہ رسانیوں کا اچھی طرح اندازہ کیا ہے لیکن جب حکیم خسرو شاہ نظامی کا سفر نامہ دیکھا تو اس میں رواجی سفر ناموں کے علاوہ ایک خاص خوبی یہ پائی کہ جو ذوق اور محبت ان کے نامور والد حکیم نابینا صاحب کو مکے مدینے سے تھا۔ اور خاص کر انصاری ہونے کے سبب جو محبت ان کو مدینہ منورہ اور اس کے آثار و برکات سے تھی اس کو حکیم خسرو شاہ نظامی نے اپنے اس سفر نامے میں پوری طرح ملحوظ رکھا ہے خصوصاً تصاویر ایسی فراہم کی ہیں جو بہت کم سفر ناموں میں پائی جاتی ہیں مثلاً حجر اسود کی ایسی تصویر اس سفر نامے میں ہے جو اس سے پہلے میں نے نہیں دیکھی تھی اور گنبد خضرا کی رنگین تصویر بھی بالکل نئے انداز کی ہے جو اس کے دیکھنے سے ناظرین کے دلوں پر بہت زیادہ اثر ہو گا ہے۔

حج کا سفر حاجی لوگ ایک مقررہ فرض ادا کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کے پانچ

یارب کجاست محرمِ رازے کہ یک زماں
دل شرح آں کند کہ چہ دید و چہا شنید

حرمین شریفین

کی

دید و شنید

(از)

الحاج فقیر دعا گو حکیم عبد الغنی انصاری خسرو شاہ نظامی

طبیب شاہی و مہتمم دواخانہ سرکارِ عالی

(خلف)

لقمان الملک حکیم نابینا صاحب مرحوم و مغفور

فہرستِ مضامین

آغازِ سفر

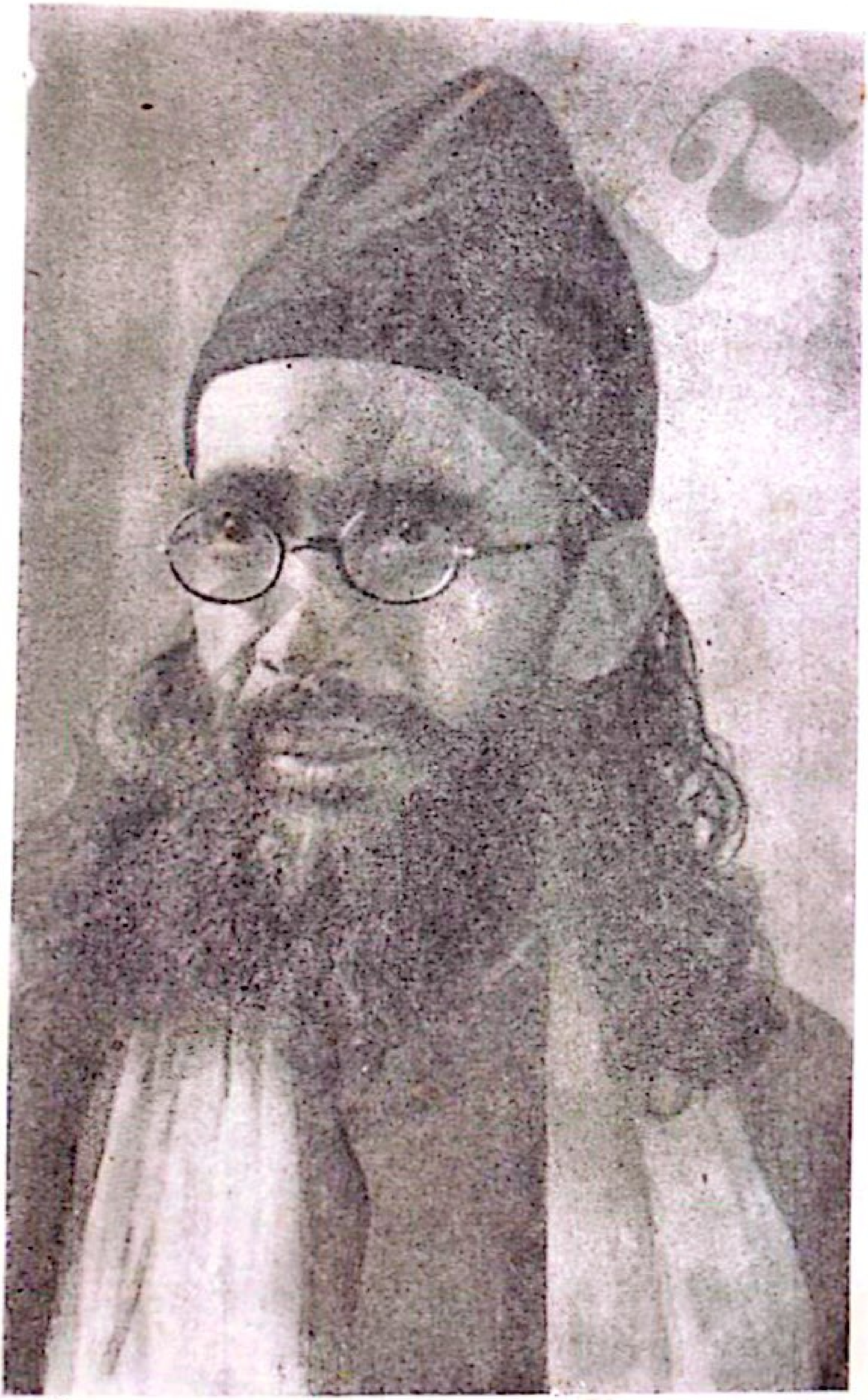
از صفحہ ۱ تا صفحہ ۲۵۸

صفحات

صفحات

فہرستِ تصاویر

مقابل صفحہ



شمس العلماء حضرت مولنا خواجہ حسن نظامی

انتساب

سفرنامہ ہذا کی شمسِ ضُوفشاں سپہرِ معرفت وحقیقت ناظمُ الملّتِ وَالدّین آمانُ الہند سیّدی و مُرشدی ومولائی شمسُ العُلماء حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے نام نامی واسمِ گرامی سے معنون کرنے کا افتخار حاصل کیا جاتا ہے۔

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرّہ آفتاب تابانیم

ذرّہ ناچیز

غلام غلامانِ آل محمد عسکر رسول اللہ انصاریوں کا نام لیوا
رسچل بیسخی فقیر دعاگو خسرو شاہ نظامی

پیش لفظ

احباء۔ اقرباء۔ مریدین و معتقدین کا اصرار تھا کہ ہم حرمین شریفین کے جو حالات و کیفیات کا مشاہدہ اور معائنہ کریں اس کو قلمبند کرلیں تاکہ سفرنامہ کے طور پر شایع کیا جاسکے۔

ہم کو اس فرمایش کی تعمیل میں اس لئے کافی سے زیادہ تامل تھا کہ ہم ٹھیرے طبابت پیشہ اور درویش و فقیر انسان۔ یہ کام اہلِ قلم حضرات کا ہے مگر قیام مکہ معظمہ کے دوران میں جبکہ ہم ڈبل نمونیا میں مبتلا ہو کر فریش ہو گئے تھے اور امیدِ زیست گویا منقطع ہو چکی تھی۔ علالت سے اِفاقہ ہوتے ہی بتاریخ ۲۹، ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ سفرنامہ ہذا لکھنے کے لئے اُسکی طرف سے ماموراور مجبور کیا گیا جس کے حکم کے بغیر ذرہ وجود بھی مجالِ حرکت نہیں رکھتا۔ روحِ فلکی نے امر بی روح پر پرتوہ ڈالا۔ روحِ نے

قلب پر انعکاس کیا۔ دل کی دنیا متحرک ہو گئی۔ ہمارے بطون۔ ہمارے شعور و تحت الشعور میں ایک زلزلہ مچ گیا۔ ہم بے اختیارانہ و قلم برداشتہ سفرنامۂ ہذا خاص حرم بیت اللہ شریف میں لکھنے لگے اور اس کا اکثر حصّہ حرم شریف ہی میں لکھا گیا ہے۔ سفرنامہ ہذا کے اکثر مقامات عالمِ جذب و کیف میں قلمبند ہوئے ہیں۔

ہم نے حرمین شریفین میں جو کچھ نظر ظاہر و باطن سے دیکھا یا سُنا بے تکلفانہ اس کو اپنی بھدی زبان میں لکھ دیا ہے۔ ادبی ذوق رکھنے والے حضرات کو نہ تو اس میں کوئی لطف آئے گا نہ استعارات و تشبیہات ملیں گے نہ لطائف کا چٹخارا ہوگا اور معلومات کے نقطۂ نظر سے بھی کوئی ٹھوس اور کارآمد چیز شاید اس سفرنامہ میں نہیں ہے سیدھا سادھا بیان ہمارے وطنی حیدرآباد دکن کی زبان میں ہے البتہ اہل ذوق و اہل دل حضرات شاید بعض مشاہدات و والہانہ جذبۂ بے اختیار شوق کی واردات کو پسند فرمائیں۔ رفع غلط فہمی کے لئے سفرنامہ ہذا میں سے دو بیانات پیش لفظ میں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سفرنامۂ ہذا کے ناظرین کو فطرتاً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا

لکھنے والا اس قدر بد بیں کیوں واقع ہوا ہے کہ لوگوں کی عیب جوئی
اور عیب چینی۔ بد گوئی پر ہر وقت کمر بستہ نظر آتا ہے۔ اور ہجو کرنے میں
صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالتا ہے۔ مگر راقم ہذا اس تحریر کے وقت حرم محترم
بیت اللہ شریف میں بیٹھا ہوا ہے اور جو جسم و مکاں سے پاک و منزہ ہے
اس کا گھر کعبۂ محترم روبرو اور سامنے ہے اس عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ
دلوں کے تمام رازوں سے آگاہ کو شاہد و گواہ کر کے لکھتا ہوں کہ میرا ارادہ
ہرگز ہرگز لوگوں کی عیب جوئی اور بدگوئی اور بیجا ہجو کرنے کا نہیں ہے
محض عبرت و بصیرت و اصلاح کے خیال سے میں نے گلوں کے ساتھ یہ
یہ چند خار بھی مصلحتاً لگا دیئے ہیں تاکہ مغز کے ساتھ چند استخواں بھی ہیں
اب جس کا جی چاہے میٹھے کو حپ حپ کر لے اور کڑوے کو تھو تھو۔
اس سے زیادہ میں اور کوئی صفائی کرنا نہیں چاہتا اور نہ اسکی ضرورت
سمجھتا۔ ہاں اور اتنا اشارہ کر دیتا ہوں کہ صرف ایسے حالات کی ہجو
کی گئی ہے جو طریقت یا شریعت کے نقطۂ نظر سے درحقیقت مذموم ہوں۔
ہر انسان کے داہنے اور بائیں جانب دو غیر مرئی مخلوق مشیت
ایزدی سے جبتک وہ بقید حیات رہے علاوہ کراماً کاتبین کے جن کا کام

قلب پر انعکاس کیا۔ دل کی دنیا متحرک ہوگئی۔ ہمارے بطون۔ ہمارے شعور و تحت الشعور میں ایک زلزلہ مچ گیا۔ ہم بے اختیارانہ و قلم برداشتہ سفرنامۂ ہذا خاص حرم بیت اللہ شریف میں لکھنے لگے اور اس کا اکثر حصہ حرم شریف ہی میں لکھا گیا ہے۔ سفرنامہ ہذا کے اکثر مقامات عالم جذب و کیف میں قلمبند ہوئے ہیں۔

ہم نے حرمین شریفین میں جو کچھ نظر ظاہر و باطن سے دیکھا یا سنا بے تکلفانہ اس کو اپنی بھدی زبان میں لکھدیا ہے۔ ادبی ذوق رکھنے والے حضرات کو نہ تو اس میں کوئی لطف آئے گا نہ استعارات و تشبیہات ملیں گے نہ لطائف کا چٹخارا ہوگا اور معلومات کے نقطۂ نظر سے بھی کوئی ٹھوس اور کارآمد چیز شاید اس سفرنامہ میں نہیں ہے سیدھا سادھا بیان ہمارے وطنی حیدرآباد دکن کی زبان میں ہے البتہ اہل ذوق و اہل دل حضرات شاید بعض مشاہدات و والہانہ جذبۂ بے اختیار شوق کی واردات کو پسند فرمائیں۔ رفع غلط فہمی کے لئے سفرنامہ ہذا میں سے دو بیانات بیش لفظ میں نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سفرنامۂ ہذا کے ناظرین کو فطرتاً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا

لکھنے والا اس قدر بد بیں کیوں واقع ہوا ہے کہ لوگوں کی عیب جوئی اور عیب چینی۔ بدگوئی پر ہر وقت کمر بستہ نظر آتا ہے۔ اور ہجو کرنے میں صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالتا ہے۔ مگر راقم ہذا اس تحریر کے وقت حرم محترم بیت اللہ شریف میں بیٹھا ہوا ہے اور جو جسم و مکاں سے پاک و منزہ ہے اس کا گھر کعبۂ محترم رو برو اور سامنے ہے اس عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ دلوں کے تمام رازوں سے آگاہ کو شاہد و گواہ کر کے لکھتا ہوں کہ میرا ارادہ ہرگز ہرگز لوگوں کی عیب جوئی اور بدگوئی اور بیجا ہجو کرنے کا نہیں ہے محض عبرت اور بصیرت و اصلاح کے خیال سے میں نے گلوں کے ساتھ یہ یہ چند خار بھی مصلحتاً لگا دیئے ہیں تا کہ مغز کے ساتھ چند استخواں بھی ہیں اب جس کا جی چاہے میٹھے کو حپ حپ کر لے اور کڑوے کو تھُو تھُو۔ اس سے زیادہ میں اور کوئی صفائی کرنا نہیں چاہتا اور نہ اسکی ضرورت سمجھتا۔ ہاں اور اتنا اشارہ کر دیتا ہوں کہ صرف ایسے حالات کی ہجو کی گئی ہے جو طریقت یا شریعت کے نقطۂ نظر سے درحقیقت مذموم ہوں۔

ہر انسان کے داہنے اور بائیں جانب دو غیر مرئی مخلوق مشیتِ ایزدی سے جبتک وہ بقید حیات رہے علاوہ کراماً کاتبین کے جن کا کام

نامۂ اعمال کا لکھنا ہے رہتی ہے۔ بائیں طرف والی مخلوق ناری ہے اور نوع شیاطین میں سے ہے اس کا نام خنّاس اور وہ مدام وسوسے ڈالنے اور بُرائی کی طرف رغبت دلاتے رہنے کے لئے مامور کیا گیا ہے اور جانب یمین یا داہنی طرف کی مخلوق قطعی نوری اور ملائکہ کی جنس سے ہے ان کا نام نفس فلکی سمجھ لیجئے۔ وہ ہمیشہ خنّاس کے وسوسوں کا توڑ کرتے رہتے ہیں اور انسان کو نیکی کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ ذکر الٰہی سے نفس فلکی کو تقویت ہوتی رہتی ہے اور خنّاس مضمحل ہو جاتا ہے اور جو غافلین ارحمُ الراحمین کے ذکر سے اعراض کرتے ہیں تو خناس مضبوط ہو جاتا ہے قریب سے قریب تر ہو جاتا ہے اور بالآخر نعوذُ باللہ انسان پر بالکلیہ مسلط ہو کر اپنی من مانی کروانے لگتا ہے۔

وَمَن یَعشُ عَن ذِکرِ الرَّحمٰنِ فَانَ الشیطانَ لَهٗ قَرِین

نص قطعی کلام پاک کی ہے۔ بہرحال میرے بائیں طرف والے نے سفر نامہ ہٰذا کے متعلق اپنی یہ رائے پیش کی کہ اس کتاب میں بجز بر خویش خود بینی خود ستائی اور بر غیر بد بینی و ہجو گوئی کے اور دھرا ہی کیا ہے۔ نہایت لغو تحریر ہے۔ فوراً نفس فلکی نے بآواز بلند اسکی بات کاٹ کر کہا کہ یہ

بکتا ہے علیم بذات الصدور صرف نیت اور اخلاص کو دیکھتا ہے۔
تمام اعمال کی بنیاد اصلی اور حقیقی محض نیت ہے۔ آپ کی نیت ہرگز خود ستائی
اور خود نمائی کی نہیں ہے۔ اور جس چیز کو یہ بدگوئی اور ہجوگوئی سے تعبیر
کرکے لغو بتلا رہا ہے وہ تو اصلاحی نشتر ہے تاکہ اس سے رستے اور بہتے ہوئے
ناسور اور زخم برہنہ ہوکر سامنے آنے کے علاوہ قلم کا نشتر مواد فاسد کو خارج
کرا دے۔ یں آپ کو تاکید کرتا ہوں اور وضاحت سے بتلا دیتا ہوں کہ
آپ اس سفرنامے کے لکھنے پر مامور کئے گئے اور آپ کو مِن وعَن حالات
کیفیات۔ مشاہدات اور انعامات جو فضل ربانی سے سفرِ حرمین شریفین میں
عطا ہوئے ہیں سب لکھنا چاہئے اور ضرور لکھنا چاہئے۔ اس داخلی گفت وشنید
کے بعد میرا قلم اب آزاد ہے اور میں بعونہٖ تعالیٰ میرے مالک
میرے ارحم الراحمین کے جملہ انعامات کو نہایت آزادی وبیبا کی
سے قلمبند کروں گا۔ مجھے اس بات کا ذرہ برابر کوئی خیال نہیں ہے کہ
اس کے سامعین اور اگر کبھی یہ کتاب شایع ہوگئی تو اس کے محترم
ناظرین اس کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ خناس کی ہمنوائی
کی جائے گی یا نفس فلکی کی رائے سے توافق ہوگا۔ مجھے تو بس

ایک ہی کی رضا اور ایک ہی کی خوشنودی درکار ہے۔

خادم خلق اللہ
فقیر دعاگو حکیم عبد الغنی انصاری
خسرو شاہ نظامی
مہتمم دواخانہ سرکار عالی و طبیب شاہی
محلات مبارک

رحمت باغ
کاچی گوڑہ حیدرآباد دکن

باسمہٖ تعالیٰ و عزّ اسمہٗ

تمہید

مکۂ معظمہ۔ ۲۹ر ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ م ۲۳ر نومبر ۱۹۴۵ء یوم یکشنبہ۔

بارہ یوم کی شدید نمونیائی علالت سے فریش رہکر اور مسلسل تین دن کے فاقے کے بعد آج جبکہ بحمد اللہ بخار نارمل ہو کر تغذیہ ہو سکا ہے۔ ضعف کا یہ عالم ہے کہ چند منٹ بیٹھنے کے بعد تمام جسم پسینہ سے تر بتر ہو جاتا ہے اور سر چکرانے لگتا ہے۔ کسی اشد شدید حکم اور داخلی تقاضے سے مجبور ہو کر اس تحریر کا اس مکین لامکاں کے نام سے آغاز کر رہا ہوں جو زبان و مکان۔ وہم و گمان سے بالا و برتر ہے۔ کھڑکی سے کعبۂ محترم کی چھت نظر آ رہی ہے اور رحمت کی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔

دوست احباب۔ اعزا، اقربا۔ حتیٰ کے ہم خود سخت متحیر ہیں کہ پہلے سے کوئی ارادہ۔ کوئی تیاری۔ کوئی خاص عزم نہ تھا۔ البتہ آرزو اور شدید آرزو

ضرور تھی کہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوں۔ پھر یکایک کیسے سب سامان مہیا ہو گئے۔ کیسے کیسے مشکلات کے پہاڑ حائل ہوئے اور محض فضل ربی سے سرمہ ہو کر اڑ گئے۔ اس کی طرف جانے کے دو راستے مقرر ہیں ایک راستہ اجتبیٰ کا ہے اور دوسرا طریقہ انابت کہلاتا ہے۔ پہلے راستے میں محض اوپر سے کشش ہے اور دوسرے طریق میں ادھر سے ممکنہ داد و دوش ہے

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ۔

اجتبیٰ والے طلبیدہ جاتے ہیں۔ انابت والے مجاہدہ سے یہ راہ طے کرتے ہیں باقی رہے ہم ہمارا شمار تو کسی میں بھی نہیں ہے۔ البتہ بقول ؎

کیا تھا عشق نے کاہیدہ مثل کاہ مجھے
کشش کسی کی اڑا لے گئی ہوا ہو کر

تاثیرِ دُعا

ہمارے ایک محب اد ھم بے پیش امام مسجد جو تھے۔ نہایت متقی۔ خوش اوقات۔ بہترین قاری نسلاً ترک۔ متوطن مدینۂ پاک اور حال وارد حیدرآباد دکن۔ کبھی مجاہدین میں سے تھے۔ پھر قائدین میں شامل ہو کر مدینۂ پاک کو وطن بنا لیا۔ گردشِ زمانہ نے حیدرآباد پہونچا دیا۔ جمعہ کا خطبہ اس قدر بہتر۔ فصیح و بلیغ فی البدیہہ

آیات و احادیث سے مزین پڑھتے تھے کہ روح وجد کرتی۔ خصوصیت سے جہاد کے فضائل پر خطبہ میں بہت زور دیا کرتے اور حالات حاضرہ سیاسی پر بھی مذہبی نقطۂ خیال سے تبصرہ بھی ہوتا۔ شاہ گنج میں عرصہ سے ہمارا قیام تھا۔ اور پیش امام صاحب سے راہ ورسم خوب تھی۔ ہم تو ہمیشہ ان کے لئے یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ ان کو ان کے پرجوش جہادی ترغیب کے خطبوں کے وجہ سے چشم اعداء سے مامون ومحفوظ رکھے اور جب کبھی ہم ان سے استدعاء دعا کیا کرتے تو وہ یہ دعا دیتے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اور ہم کو مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر نبوی ارواحنا فداہ میں یکجا فرمائے۔ غالباً اپنی روشن ضمیری سے انہوں نے ہماری زندگی کی سب سے بڑی آرزو روضۂ پاک کی حاضری کو پہچان لیا۔ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ پنجشنبہ کو حسب معمول ہفتہ واری برائے عزت تعمیل فرمان مبارک حضرت ظل اللہ حضرتہ عمارہ بیگم صاحبہ کا معائنہ کرنے چوِ محلہ مبارک جا رہا تھا کہ لاڈ بازار میں ادھم بلے صاحب پیش امام نظر آئے۔ ہاتھ سے اشارہ کیا۔ میں نے موٹر رکوا دی۔ ملاقات ہوئی۔ پہلے تو عرصہ سے نہ ملنے کا گلہ کیا۔ معذرت کیگئی۔ چونکہ مستقل مکان رحمت باغ کاچی گوڑہ میں منتقل ہو جانے سے فاصلہ بہت ہو گیا ہے اس لئے

اس طرف جمعہ کی نماز کو مسجد چوک آنا نہ ہو سکا۔ اس کے بعد ادھم بے صاحب نے خوش خبری سنائی کہ اعلیحضرت بندگان عالی نے ازراہ مرحمت خسروانہ پچاس روپیئے ماہانہ وظیفہ ان کے نام جاری فرما کے اجازت مدینہ منورہ دیدی ہے۔ ہم نے مبارکباد دی اور کہا کہ خداوند تعالیٰ نے ہماری دعا قبول فرمائی کہ آپ کو ایسے پُرآشوب نازک زمانہ میں چشم زخم اعدا سے محفوظ رکھکر مراجعت وطن کا سامان مہیا فردیا۔ اب ہمارے لئے دعا فرمائیے مسکرا کر کہا کہ انشاءاللہ ہم لوگ مدینہ منورہ میں ضرور ملیں گے۔

ظہور فضل ربی

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا فَھَیَّأَ اَسْبَابَھَا۔ بظاہر ہمارا سفر حرمین شریفین مختلف وجوہات سے ایک امر محال معلوم ہوتا تھا۔ شرط اولین اس سفر کی استطاعت ہے اور یہاں یہ حال کہ جب سے ملازمت سرکاری کی حکبرِ بندیوں میں آئے حد درجہ کامیاب خانگی مطب جسکی اوسط ماہوار آمدنی ڈیڑھ دو ہزار سے کم نہ تھی تقریبًا ملیامیٹ ہو گئی وجہ یہ کہ تعصبات ہم پیشگی کی کند چھری نے ہمارے حقوق کی گردن کو ریتنا اپنا مطمح نظر بنا کر سررشتۂ طبابت کے ایک ایسے گھٹیا مقام تیسرے درجہ کے دواخانہ کی مہتممی پر لا بٹھایا جو واقعی ہمارے تلامذہ کے بھی

شایاں نہ تھا۔ بحمد اللہ ہم سے سند حاصل کئے ہوئے بعض تلامذہ اس وقت
صوبہ مدراس۔ بمبئی اور ایسٹ افریقہ۔ کینیا جیسے دور دراز مقام پر کامیاب
مطب کر رہے ہیں اور درجہ اول کے اطباء ہیں ان کا نام رجسٹر ہو چکا ہے۔ ریاست
ابد مدت کے سب سے عالی مقام عہدہ دار یعنے صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی
نے جن کو پانچسو روپیہ تک تقرر کا خود اختیار تھا ہمارے لئے حسب ذیل الفاظ
میں حکم نافذ کیا تھا کہ "جس قدر اطباء حیدر آباد دکن میں موجود ہیں اگر حکیم
خسرو شاہ نظامی کو ان سب سے زیادہ سربر آوردہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا
ایسے طبیب کی ہماری ریاست کو سخت ضرورت ہے ان کیلئے باب حکومت
کی جانب سے بارگاہِ اقدس و اعلیٰ میں معروضہ کیا جائے۔" مگر سب احکام
دھرے رہ گئے اور تعصب و عداوت کام کر گئی۔ چوبے صاحب چھبے تو
کیا ہوتے دوبے بھی نہ رہے۔ ایسے سفرنامۂ مذہبی میں دنیا داری کے
ایسے ذلیل تذکرے اور رگڑے جھگڑے لکھنا بہت نامناسب معلوم ہوتا ہے،
مگر برسبیل تذکرہ سات سالہ ہدفِ سہام مظالم دل سے ایک آہ بے اختیار
نکل گئی ہے۔ ہمارے حد درجہ کامیاب مطب کی آمدنی میں چونکہ دو ثلث سے
زاید حصہ بطور افضل الاشغال خدمت الناس روزانہ تقریباً چار سو سے

چھ سو تک غریب و بیکس غربا کو قیمتی اور بیش بہا ادویات مفت دینے میں صرف ہوتا تھا افسوس کہ وہ صورت باقی نہ رہی اس ارحم الراحمین ذوالقوت والمتین کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہماری کوئی ضرورت رُکی نہ رہی اور ہمیشہ غیب سے بروقت بلکہ اکثر ضرورت سے قبل اس کا سامان مہیا ہو جاتا تھا مگر عرصہ سے اتنا کبھی جمع نہ ہو سکا کہ آج کل کے گراں مصارف کا حج فرض ہو جاتا۔ استطاعت کا تو حال آپ نے سن لیا۔ دوسری بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ تقریباً دو ڈھائی سال سے جبکہ ہم نے رحمت باغ کا چیکوڑہ میں مستقل مکان خرید کر کے رہائش اختیار کر لی۔ تمام اقربا مقیم حیدرآباد سے کافی فاصلہ پر ہو گئے۔ بعض اوقات کئی کئی ہفتے تک کسی کو ایکدوسرے کی خبر تک نہ ہوتی۔ ایسی صورت میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو تن تنہا چھوڑ کر ہم کیسے ایسا طویل سفر اختیار کر سکتے تھے۔ اس مشکل کا حل پردۂ غیب سے یہ ہو گیا کہ ہمارے چچازاد بھائی اور برادر نسبتی قاضی انعام الحق صاحب انصاری جرنلسٹ یکایک اپنی ہمشیرہ کو دیکھنے دہلی سے تشریف لے آئے ہم سے ان کو جدید رشتہ کی وجہ سے نہیں بلکہ تقریباً پچیس سال سے جبکہ وہ جامعہ ملیہ میں بی اے۔ جرنلزم میں پڑھ رہے تھے اور ہم قاضی حوض

دہلی میں مطب کرتے تھے ازحد خلوص محبت و یگانگت ہے۔ مجموعہ صفات حسنہ ہیں۔ بظاہر دیکھنے تو کلین شیو مگر سچے اور پکے مسلمان۔ بلکہ اعلیٰ درویشی صفات سے مزین۔ میں نے شدید جاڑے کی طویل راتوں میں جبکہ لوگ لحافوں میں دبکے ہوتے ہیں ان کو اپنے باغ کے غریب بڈھے مالی کی تیمار داری کرنے اسکی جھونپڑی میں جاتے دیکھا ہے۔ خلوص و محبت میں تو بلاکی کشش ہے۔ جس سے یہ ایک بار ملتے ہیں وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا ہے پابندیٔ مذہب کا یہ عالم ہے کہ اس سال سالم رمضان ساتھ رہا۔ ایک روزہ قضا نہ ہوا اور نصف دن تک مسلسل قرآن خوانی کرتے دیکھا۔ ماشاءاللہ یوسف پورا ور معصوم پور کے آبائی و پشتنی جاگیردار زمیندار ہیں۔ شکاری ایسے زبردست کہ کبھی نشانہ خطا نہیں کرتا۔ شدید بارش میں کافی فاصلہ پر گیدڑ کی آنکھ چمکی انہوں نے فائر کیا اور جانور کا خاتمہ ہوگیا۔ نشانہ حدِ کمال کو پہونچا ہوا۔ خدمت خلق کے جذبہ کا یہ عالم کہ کسی کو چاہے وہ کیسا ہی کمتر درجہ کا ہو کسی طرح کی تکلیف میں دیکھ نہیں سکتے اور ممکن طریقے سے اسکی تکلیف دور کرنے کی سعی کرتے ہیں مزاج میں بیحد انکسار ہے۔ مگر اقرباء ان میں ایک عیب بھی بیان کرتے ہیں حالانکہ

وہ عیب نہیں کمال انسانیت ہے، وہ یہ کہ حد درجہ خوددار و حساس انسان ہیں چنانچہ خود صاف دل ، سیدھے مخلص آدمی ہیں۔ اگر کوئی اکڑ فوں کرے یا اپنی امارت کے کسی پہلو کو جتلانا چاہے تو وہ اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں حتیٰ کہ ملنا جلنا ترک کر دیتے ہیں۔ برادرم قاضی انعام الحق صاحب کا یہ کیا کٹر میں نے برسبیل تذکرہ اس لئے قلمبند کر دیا تاکہ سفر ملک کے ساتھ یادگار رہے بہرحال بھائی صاحب کے تشریف لانے اور یہ وعدہ فرمانے سے کہ میرے سفر حرمین شریفین سے واپسی تک میرے بال بچوں میں بخوشی رہینگے میری دوسری مشکل بالکل حل ہو گئی اور پہلی مشکل سفر خرچ مہیا ہونے کی فضل ربی سے اسطرح دور ہوئی کہ میں معمولاً تقریباً ہر جمعہ کو اپنی والدہ ماجدہ مدظلہا کی قدمبوسی حاصل کرنے کاچی گوڑہ سے خیریت آباد جایا کرتا تھا۔ اس سال والدہ ماجدہ بعزم ہجرت مدینہ طیبہ تشریف لے جارہی تھیں اور منجلے بھائی حکیم عبدالقادر صاحب انصاری ان کو لیجانے والے تھے۔ ماہ شعبان ۱۳۶۲ھ ایک جمعہ کو میں نے والدہ سے عرض کیا کہ اگر آپ مجھے سفر خرچ مرحمت فرما سکیں اور ہمراہ لیجانے راضی ہوں تو میں بھی دوگونہ سعادت حاصل کرونگا۔ ایک آپ کی خدمت اور معیت۔ دوسرے حج و زیارت۔ والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ رقم جمع ہے اس میں سے تمہارا

پورا سفر خرچ دونگی۔ اس طرح محض فضل ربانی سے خرچ راہ مہیا ہو گیا۔
منجھلے بھائی صاحب کو خط لکھا گیا تو انہوں نے ایک بہت ہی قوی وجہ
ہمارے حجاز نہ جا سکنے کی یہ لکھدی کہ کسی جہاز میں کوئی جگہ خالی نہیں ہے
اور کسی طرح اب ہمارا نام حج کمیٹی دہلی جس کے افسران ہرگز کوئی رورعایت
نہیں کرتے ہیں داخل فہرست نہیں کر سکتے۔ دل پر یاس و حرماں کے
بادل چھا رہے تھے۔ مگر روح و قلب پوری صمیمیت سے لبیک
اَللّٰھُمَّ لبیک پکار رہے تھے کہ یکایک برادر محترم بڑے بھائی حکیم
عبدالحی صاحب کا تار دہلی سے ہمارے نام آیا کہ تمہارے لئے ڈک پر
جگہ محفوظ کرا دی گئی ہے۔" اے خدا قربان احسانت شوم"

دین و دنیا کی کشمکش

خدا جزائے خیر دے ہمارے سابق
ناظم طبابت نواب غوث یار جنگ بہادر کو
کہ انہوں نے ہماری سات سالہ مظلومی اور دانستہ حق تلفیوں کو اچھی
طرح محسوس کرنے کے بعد ایک درجہ دوم کے مہتمم دواخانہ کی جائداد پر
ہماری ترقی کے لئے بہت مدلل اور زوردار تحریک فرمائی۔ مگر کیا تھا
ہم پیشہ بزرگوں کی جماعت جن کا مقصود شب و روز سازش اور ریشہ

ایزارسانی جن کی طبیعت ثانی ہے برسرکار ہوگئی اور ایڑی چوٹی تک کا
زور لگاکر ترقی کے جیسا خفیف معاملہ جو صرف محتاج منظوری صدارت عظمیٰ
تھا اتنا طول کھینچ گیا کہ اس کشاکش میں تقریبًا ایک سال گذر گیا۔ بحمداللہ
موجودہ صدر اعظم باب حکومت سر سعید الملک بہادر نواب صاحب چھتاری
نے حق وانصاف کا ساتھ دیا اور فقیر دعاگو کے موافق رائے دی۔ مگر جلد یہ
صدرالمہام طبابت کی رائے کے لئے مثل واپس کی گئی۔ مختصر یہ کہ معاملہ
اس نزاکت پر آپہنچا جس کو عام اصطلاح میں "نہ جائے رفتن نہ پائے
ماندن" کہتے ہیں۔ ہم کو دو ٹوک فیصلہ ایک جانب فوراً کرنا تھا۔
ایک طرف دنیا کی نمایاں ترقی۔ گرید بڑھ جانے میں یقینی طور پر تھی
زمانہ دراز کے بعد حق رسی ہو رہی تھی۔ دوسری طرف ٹھہر جانے میں
سفر حرمین شریفین سے محرومی ہوجاتی تھی۔ نفس شیطان نے بہت
بہکایا کہ آئندہ سال بھی جاسکتے ہو۔ ٹھہر جاؤ۔ ترقی ہو جانے دو۔
بال بچوں کو آسائش ہوگی۔ مگر الحمد اللہ ہم نے نفس شیطان کو ٹھکرا
دیا کہ اگر قسمت میں ہوگا تو ضرور پھر کبھی ترقی ہو جائے گی۔ ہم اسی سال
یقینًا قریب الاختتام ترقی کے معاملہ کو اللہ و رسول کے لئے معلق

چھوڑ کر حرمین شریفین جائیں گے۔ والدہ ماجدہ کی معیت و خدمت جیسی نعمت پھر کیسے حائل ہو سکتی ہے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر۔ الحمد للہ کہ دین نے دنیا پر فتح مبین پائی یہ بھی اس کا فضل ہے۔

کچھ اور رکاوٹیں

اب سب سے زیادہ ضروری مرحلہ اپنے آقائے ولی نعمت حضرت ظلِّ سبحانی آیتہ رحمانی سے حصول اجازت سفر حرمین شریفین کا تھا اس لئے کہ ازراہ مکرمت خسروانہ سرکار نے فقیر دعاگو کو متعلقات شاہی کے طبیب ہونے کا افتخار مرحمت فرمایا ہے۔ تداخل موسمی کے باعث دیوڑھیات مبارک میں امراض موسمی کا زور تھا اور حویلی قدیم مبارک میں بعض مرضاء کی دیکھ بھال کے لئے بعض اوقات دن میں متعدد بار حاضر ہونا اور کیفیت مزاجی کا پرچہ بذریعہ پولس نگرانی محلات مبارک راست حضرت بندگانعالی کی حضوری میں ارسال کرنا پڑتا تھا۔ ٹھیک اسی زمانہ میں متعلقات شاہی میں سے امتہ الزینب بیگم صاحبہ، علی حسین صاحب مرحوم کی صاحبزادی کو بخار آگیا اور آٹھ یوم تک نارمل نہیں ہوا۔ قوی احتمال

تھا کہ خدانخواستہ میعادی بخار نہ ہو اور حالت یہ تھی کہ دہلی سے اطلاع آچکی تھی۔ غالباً ۱۱ را کتوبر کو جہاز کراچی سے روانہ ہو جائے گا یعنے اگر ہم ایک ہفتہ کے اندر حیدرآباد سے روانہ نہ ہو گئے تو پھر کوئی امید جہاز ملنے کی نہ تھی۔ عقل چکرا گئی۔ پسینے آگئے۔ اللہ اکبر۔ ہم صاحبزادی کے ذمہ دار معالج اور دن میں کئی مرتبہ دیکھنے حاضر ہو کر اس کی اطلاعات سرکار میں گزران رہے ہیں۔ اب کس طرح اسکی جسارت کی جا سکتی ہے کہ علیل لڑکی کا علاج قبل صحت یابی معلّق چھوڑ کر آقائے ولی نعمت سے اجازت سفر طلب کی جا سکے۔ بڑی کشمکش اور نازک کشاکش کا سامنا تھا اس لئے صمیم قلب سے شافی مطلق سے دعا کی گئی کہ ارحم الراحمین تو نے جیسے محض اپنے فضل خاص سے بے وہم و گمان سامان سفر مہیّا فرما دیئے ہیں اس نازک مرحلہ سے بھی پار اُتار دے اور شفائے عاجل وکامل مرحمت فرما دے۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کا فوری ظہور ہوا اور بخار جو آٹھ دن تک نارمل نہ ہوا تھا اور میعادی ہونے کا احتمال تھا بحمد اللہ نویں دن بالکل نارمل ہو گیا۔ بارگاہ خدا ان اقدس و اعلیٰ میں خوشخبری بخار نارمل

ہونے کی پیش کرنے بعد دوسرے دن اجازت سفر حرمین شریفین کیلئے
عرض کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ محبوب المسلمین امیرالمومنین میرے سلطان کو
صدوسی سال سلامت باکرامت رکھے فوراً بخوشی اجازت سفر مرحمت
فرمائی گئی اور ارشاد ہمایونی ہوا کہ

"سابق میں جب کبھی خسرو شاہ نظامی رخصت پر گئے تھے حکیم
بڑکمر نے ان کی جگہ دیوڑھیات کا کام کیا تھا اب بھی وہی
علاوہ آمد رہے گا اور اس بارے میں ناظم طبابت رحمت یار جنگ سے
بھی کہدیا جائے گا۔"

الحمد اللہ آقائے ولی نعمی کی اجازت کا مرحلہ تو صد درجہ خوش اسلوبی سے
پورا ہو گیا۔ اب رہا ہمارے مہتمم دواخانہ سرکار عالی ہونیکی حیثیت سے
سررشتہ کی جانب سے منظوری رخصت و اجازت سفر کا مرحلہ۔ یہ بھی
بہت ہی معمولی بات اور بظاہر کوئی ایسی الجھن اور پیچیدگی اس میں پیدا
ہونا نہیں چاہئے تھا اس لئے کہ ضابطہ کے اعتبار سے ہمکو تین ماہ میں یوم
رخصت خاص کا استحقاق حاصل تھا مگر کئی وجوہات سے ایسی سیدھی سی
بات بھی پیچیدہ ہوگئی۔ سررشتہ نظامت طبابت یونانی میں چند

حضرات ایسے بھی ہیں جن کو ہماری طرف سے کبھی کوئی ضرر کیا علاج کا نہیں پہونچا
مگر مقتضائے طبیعت سے مجبور ہو کر ہم سے بغض للّہی رکھتے ہیں ان ہی میں سے
ایک منتظم صاحب ہیں جبکہ ہم ۱۳۴۶ف میں پرسنل مددگار افسر الاطباء تھے
اور سررشتہ کے سیاہ و سفید کا ہم کو اختیار تھا۔ منتظم صاحب خوش آمدیں
بچھے جاتے تھے۔ ہم نے ان کو ہمیشہ نفع ہی حتی الوسع پہونچایا۔ ضرر کا
گماں و شائبہ تک نہیں مگر انقلاب حالات نے ان کو علانیہ بیوجہ و بے سبب
ہماری مخالفت پر کمر بستہ کردیا۔ عبرت میں عبرت بہرحال جب ہم نے
دیکھا کہ ہمارے اشد ضروری میں استدعائے رخصت کے مراسلہ کا کوئی
جواب نہیں مل رہا ہے اور وقت از حد کم رہگیا ہے تو مجبوراً خلاف عادت
مزاج و طبیعت خود نظامت طبابت درخواست لیکر جانا پڑا۔ حالانکہ
ہماری طبیعت اس درجہ غیور ہے کہ بارہا باوجود احباب کے شدید اصرار
کے کبھی اپنی ترقی تک کے لئے کہنے سننے خود نظامت طبابت ہرگز
نہیں گئے۔ ہمیشہ صدر شفاخانہ اور نظامت اسی وقت جاتے رہے
جبکہ کسی مریض مقیم دواخانہ رہائشی کے خاص معائنہ اور علاج کیلئے فرمان
حضرت ظل اللہ شرف صدور لایا گیا۔ بہرحال راہ خدا و رسول میں

خودداری کی قربانی بھی تو ضروری تھی۔ سنا یہی تھا کہ جو لوگ عزم سفر حج کرتے ہیں تو دوسرے مسلمان ہر طرح ان کو سہولت بہم پہونچاتے ہیں، مگر جبکہ ہم نے درخواست ناظم صاحب کے سامنے پیش کی ہمارے محبّ منتظم صاحب نے برائے حصول ثواب دارین فوراً یہ نیش زنی کردی کہ اس رخصت کی منظوری نظامت کے اختیار میں نہیں ہے معتمدی کی اختیاری ہے۔ جلّ جلالہٗ۔ غلط بیانی کی حد ہو گئی۔ ہر طرح کی رخصت کی منظوری کا اختیار نظامت کو ہے اور ہم نے بارہا حاصل کیا ہے مگر ان صاحب کا مقصد تو دراصل معاملہ کو طویل کرکے ہم کو محروم سفر حرمین شریفین کرنا تھا۔ ہم نے ۲۱ مرآبان کو بذات خود یہ درخواست پیش کی تھی اور اگر ۲۵ مرآبان کو ہم حیدرآباد سے روانہ نہ ہو جاتے تو جہاز نہیں ملسکتا تھا۔ ہم نے کہا کہ بہت اچھا نظامت سے مراسلہ ہم کو خود دیا جائے۔ ہم براہ راست بذات خود معتمدی لے جاکر منظوری لادینگے۔ چنانچہ سفر دیار حبیب۔ کے لئے ہم چپراسی بھی بنے اور مراسلہ لیکر سیدھے اپنے محب قلبی اور محسن، و کرمفرما سیادت مآب و محترم نواب قطب اللہ خاں صاحب کے پاس پہونچے اور ان کو ہمراہ لیکر

فوراً دفترِ معتمدی جا کر نواب قدرت نواز جنگ بہادر سے فوری منظوری کا مراسلہ خود حاصل کر لیا۔ دوسرے دن جب نواب رحمت یار جنگ بہادر ناظم طبابت کے سامنے پیش کیا تو پھر از راہِ کرمت ہمارے محترم ناظم صاحب نے اُن کی شرارت چلنے نہ دی اور اپنے قلم سے تحریر فرمادیا کہ فوری احکام رخصت جاری کئے جائیں اس کے بعد بطور زجر و سرزنش چند کلمات منتظم صاحب کو فرما کر سخت تاکید کی کہ مراسلہ منظوری ہمارے حوالہ کر دیا جائے اس طرح روانگی سے صرف تین دن پہلے رخصت خاص سہ ماہ سرکاری طور سے بحمد اللہ منظور ہو گئی۔

داخلی جنگ کا معرکہ

خارجی مشکلات و عوائق کا حال تو آپ نے سنا اب ذرا داخلی سب سے بڑے دشمن نفس لعین اَمّارۃٌ بِالسُّوٓءِ کی شیطنت بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں اور بظاہر بڑی دلسوزی و ہمدردی سے فرماتے ہیں کہ میاں اپنے حال پر رحم کرو۔ تم ٹھہرے سالہا سال سے قلب کے مریض حالت یہ ہے کہ ذرا سی نقل و حرکت کریں دم پھولنے لگتا ہے۔ پانچ منٹ مسلسل بغیر سہارے اور ٹیکے کے بیٹھ نہیں سکتے درنہ اعضاء

اکڑنے لگتے اور سُن ہو جاتے ہیں۔ اکثر یکایک قلبی دورہ ہونے لگتا ہے۔
اسی لئے جیب میں ہر وقت مقوی دل ادویات لئے پھرتے ہو کہ وقت
بے وقت دورہ پڑنے پر کام آجاتی ہیں۔ مکان سے کہیں دور شہر میں
جانا ہو تو تنہا نہیں جاتے۔ کسی کو اس لئے حتی الامکان ہمراہ رکھتے ہو کہ
حرکت قلب رک جائے تو میت بآسانی گھر پہونچ سکے۔ البتہ دماغی قوت
میں بجائے انحطاط کے اور ترقی ہو گئی ہے اور مسلسل بغیر تکان کے دماغی کام
انجام دیتے ہو۔ اب آپ نے اتنے بڑے سفر کا ارادہ کر لیا ہے اور پھر
فرایہ ہے کہ جہاز کے ڈیک کا سفر جو اکثر بصورت سفر ہی ہوا کرتا ہے یقین
مانو کہ تم ڈیک کی شدت تکلیف کو ہرگز برداشت نہیں کر سکو گے۔ مر جاؤ گے
اور سمندر تمہاری قبر بنے گا۔ تمہارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے تمہارے
بعد یتیم ہو جائیں گے جن کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔ اس لئے سفر کے ارادے
سے باز آجاؤ۔ یہ تمہاری حد برداشت سے ہزار گنا زیادہ بھاری ہے۔
ہم نے کہا کہ بدمعاش و خبیث خوب حق بہکانے کا تو نے گویا پورا کیا
جس ڈیوٹی پر تو مامور کیا گیا ہے۔ تیرا فرض اور تیری طینت یہی ہے کہ
اس کو بجالائے مگر سن تو۔ تو یہ سب کس سے کہہ رہا ہے۔ کس کو

سنا رہا ہے، کس کو ڈرا رہا ہے۔ بات یہ ہے کہ تو سخت بے حیا بے غیرت
اور بد ذات ہے۔ تجھے یاد نہیں کہ طے سلوک کے موقع پر چوبیس سال قبل
سنہ ۱۳۲۴ھ میں ہم نے نہایت سخت کھردرے موٹے کمبل کا کرتہ مسلسل ڈیڑھ
سال تک پہنا ہے۔ بستر کی بجائے سانبر کے چمڑے پر بغیر تکیہ کے سوئے
ہیں۔ غذا میں موٹے جَو کا ستو پانی میں گھول کر پیا ہے۔ بد ذات تو ان
سختیوں کو سب بھول گیا۔ تجھے یاد نہیں کہ دس سال قبل ایکبار مئی کے
مہینہ میں جبکہ شدید لُو چل رہی تھی اور ہم بکثرت نکلتے ہیں تجھے تو نے خواہش کی
کہ سر میں تیل ملا جائے۔ ہمنے اس کے جواب میں تجھے مجبور کیا کہ نصف گھنٹہ
ننگے سر دھوپ میں ٹہل۔ اور سناؤں بھول گیا ہے تو یاد دلاؤں۔
اکیس سال قبل دہلی میں قاضی حوض کے مکان پر ایک ایسے قبر نما کمرہ میں
بند ہو کر ہم شغل میت حبس دم کے ساتھ کئی کئی گھنٹے کرتے تھے جس کا دروازہ
بند کرنے کے بعد ہوا و روشنی کا اندر گزر محال تھا اور کوئی شخص جو حبس دم کا
عادی نہ ہو چند منٹ سے زیادہ اس کمرہ میں ٹھیر نہیں سکتا تھا۔ ورنہ
ہلاکت کا احتمال تھا۔ یہ سب سنکر بے غیرت خوب قہقہا مار کر ہنسا
اور ڈھٹائی سے بولا کہ حضرت سلامت " یہ باتیں ہیں جبکی کہ آتش جوان تھا"

اس وقت آپ کی جوانی کا عالم تھا۔ تمام قویٰ مضبوط اور محفوظ تھے۔ اب
متاہل ہو۔ گرہست ہو چکے۔ ضعیفی کا نقارہ زور و شور سے بج رہا ہے۔ سب سے
بڑھکر یہ کہ قلب کے مرض نے جو خاندانی ہے آپ کو کسی کام کا نہیں رکھا
اور نہ اعضا میں اب وہ سکت اور کس بل ہے۔ ہم تو عرصہ سے آپ کے
مطیع ہیں۔ ہم آپ کی خیر خواہی سے منع کرتے ہیں۔ ہم نے بہت زور سے
جھڑکا' خبردار! زیادہ ایک لفظ نہیں۔ تمہاری خیر خواہی خوب معلوم ہے
اگر ایک منٹ کے لئے بھی کوئی (تمہارے) خیر خواہی کو مان جائے تو فوراً
اس کو صراط مستقیم سے بہکانے اور اونچے منزل سے گرانے کسر اٹھا نہ رکھو
اگر اسی طرح ہمارا مرنا مقدر ہے تو یہی سہی۔ کسی نادیدہ پکارنے والی کی
پکار پر ہماری روح' ہمارا قلب' لبیک لبیک لا شریک لک لبیک
کہہ رہا ہے تو مردود حائل ہونا چاہتا ہے اگر مر جائیں گے تو حشر کے دن
اسیطرح لبیک لبیک پکارتے ہوئے جاگیں گے، اور مقصد اعلیٰ کو پالیں گے
ایسی شدید زجر و جھڑکی سے مردود نفس کی شیخی تمام ہو گئی۔ اور
قلب نیلوفری گردنا ت اپنے مخصوص مقام پر دیک کر جا بیٹھا اور خاموش
ہو گیا۔ اسکی شدید جد و جہد لگائی بجھائی سے عاجز آ کر ہم نے بنظر احتیاط

تہلکہ سے اب مولوی سنکر تعبیر کرتا ہے۔ جا جا ہمنے تجھے پہلے ہی سنا دیا کہ
ہم بدل وجان اس راستہ میں اگر جان دینی پڑی تو دیار حبیب کے لئے
بخوشی تصدق کردیں گے اور سن میرا ارحم الراحمین میرے رگ و جاں سے
زیادہ قریب رہنے والا۔ ہر لمحہ و ہر آن میرے ساتھ ہے اور وہ بندہ
نوازی سے میرے سنتا بھی ہے اس کا فضل ضرور بالضرور ہر ہر قدم پر
میرے ساتھ رہے گا اور محض اس کے فضل عظیم کے بھروسہ پر میں ضرور
بالضرور یہ سفر ڈک ہی پر کروں گا۔ اب تو مارد م بریدہ کی طرح پیچ وتاب
کھا کر پھر اپنے ٹھکانے اپنا سا منہ لیکر جا بیٹھا اور الحمد اللہ۔ ثم الحمد للہ
کہ داخلی جہاد میں ہم کو فتح مبین ہوئی روح نے اپنی تجلی قلب پر ڈالی
اور قلب نے اپنا پر تو نفس کی طرف کیا اور ہم نے اس کو کامل طور پر
نہ صرف مغلوب کر لیا بلکہ یہ بشارت بھی سنا دی کہ میاں صاحب اس
سفر حجاز کے تمام راستہ قدم قدم پر تمہاری ایسی ایسی گت بناؤں گا
اور اس اس طرح تم کو سرکشی کا مزا چکھاؤں گا کہ سب بھول جاؤ گے
بھول گئے تھے کہ بائیس سال قبل نماز صبح کے بعد کو ٹھی دریا گنج سے
درگاہ اعلیٰ حضرت سلطان السلاطین سلطان المشائخ سلطان نظام الدین

تہلکہ ہے اب مولوی سنکر تعبیر کرتا ہے۔ جا جا ہمنے تجھے پہلے ہی سنا دیا کہ
ہم بدل و جان اس راستہ میں اگر جان دینی پڑی تو دیار حبیب کے لئے
بخوشی تصدق کردیں گے اور سن میرا ارحم الراحمین میرے رگ و جاں سے
زیادہ قریب رہنے والا۔ ہر لمحہ و ہر آن میرے ساتھ ہے اور وہ بندہ
نوازی سے میرے سنتا بھی ہے اس کا فضل ضرور بالضرور ہر ہر قدم پر
میرے ساتھ رہے گا اور محض اس کے فضل عظیم کے بھروسہ پر میں ضرور
بالضرور یہ سفر ڈیک ہی پر کروں گا۔ اب تو مار دم بریدہ کی طرح پیچ و تاب
کھا کر پھر اپنے ٹھکانے اپنا سا منہ لیکر جا بیٹھا اور الحمد اللہ۔ ثم الحمد للہ
کہ داخلی جہاد میں ہم کو فتح مبین ہوئی روح نے اپنی تجلی قلب پر ڈالی
اور قلب نے اپنا پرتو نفس کی طرف کیا اور ہم نے اس کو کامل طور پر
نہ صرف مغلوب کرلیا بلکہ یہ بشارت بھی سنادی کہ میاں صاحب اس
سفر حجاز کے تمام راستہ قدم قدم پر تمہاری ایسی ایسی گت بناؤں گا
اور اس اس طرح تم کو سرکشی کا مزا چکھاؤں گا کہ سب بھول جاؤ گے
بھول گئے تھے کہ بائیس سال قبل نماز صبح کے بعد کو ٹھی دریا گنج سے
درگاہ اعلیٰ حضرت سلطان السلاطین سلطان المشائخ سلطان نظام الدین

اولیا، محبوب الہیؒ کی طرف پیدل جا رہے تھے۔ پیدل اس لئے کہ
باوجود عم محترم ڈاکٹر انصاری صاحب مرحوم کی کوٹھی پر موٹر۔ گھوڑا
گاڑی موجود ہوتے ہوئے ان کے منیجر یا مختارکل غالب صاحب نے
باوجود باصرار استدعا دکے کرایہ کا تانگہ تک منگوا کر دینا گوارا نہ کیا
تھا۔ درگاہ شریف جانا ضروری تھا۔ حال یہ تھا کہ جسم پر کشمیری کام کا
ایکہزار روپیہ قیمت کا بیش بہا چغہ بغل میں قلمی کتب۔ حضرت پیرومرشد
قبلہ سیدی ومرشدی ومولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کو
نذر دینے کے لئے اور ایک ہاتھ میں رسیاول کی ہانڈی وہ بھی
نذر گزراننے۔ پیدل چلنے کی عادت نہیں پرانے قلعہ تک پہونچے تھے
کہ اعضاء شل ہوگئے۔ دم لینے فرش خاکی پر ایک درخت ببول کے
نیچے بیٹھ گئے۔ اتنے میں ایک کمہار۔ بہت سے گدھے لئے ہوئے جن میں
اکثر پر اینٹ تھی اور بعض خالی تھے۔ سامنے سے گزرا اور نفس لعین
تو نے ہزار ہا احتجاج۔ فریاد و فغاں کی۔ مگر ہم نے ایک نہ سُنی۔
گدھے والے سے دو آنے اجرت چکا کر ایک گدھے پر سامان رکھا
دوسرے پر خود پالتھی مار کر بیٹھ گئے! اور اس طرح محض تجھے ذلیل کرنے

گدھے پر سوار ہو کر درگاہِ معلےٰ تک پہونچے وہاں جاکر باتباع حکم فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی جوتیاں سڑک پر چھوڑ دیں اور پھر ڈیڑھ دو سال کے بعد جب کمبل کا کرتا اتارا تو دوبارا انہیں پہنا۔ بہرحال آگے بڑھ کر جب ہم حضرت قبلہ کے مکان پر پہونچے تو دیکھا کہ مزدور حسین خانہ کی تعمیر کر رہے ہیں۔ ہمنے اپنا بیش بہا چغہ مزدوروں کو دے ڈالا اور خود بیٹھ گارا مزدوروں کے ساتھ اُٹھانے لگے۔ جب کچھ سامان تعمیر جمع ہو لیا اور ہم ساتویں اینٹ جما رہے تھے۔ انہماک میں پتہ بھی نہ چلا۔ حضرت قبلہ نہ معلوم کب سے تشریف لا کر سب حال ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ساتویں اینٹ جمانے پر حضرت کی آواز سنائی دی کہ شاباش۔ حضرت امیر خسرو ترک اللہ نے بھی حضرت سلطان جی کے مکان کی تعمیر میں ایسا ہی حصہ لیا تھا پلٹ کر دیکھا حضرت اپنے دست مبارک میں لوٹا پانی سے بھرا ہوا لئے ہوئے تھے تعمیل ارشاد کرنی پڑی۔ حضرت نے خود ہمارے ہاتھ پیر اپنے دست مبارک سے دہلائے۔ پھر کمرۂ خاص میں لے جاکر کامل تخلیہ میں پوری شدت و طاقت سے توجہ اتحادی باطنی دی اس کے بعد ظاہری دسترخوان پر جو پہلے سے تیار کیا تھا خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا دوسرے روز لقب

خسرو شاہ اور خلافت و اجازت بیعت بسلسلۂ چشتیہ نظامیہ و قادریہ مرحمت ہوئی اور اس موقع پر حضرت والد ماجد قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم صاحب آپ کے صاحبزادے نے ہماری پچیس سالہ پکی پکائی روٹی ایک لحظہ میں لے لی اور کھا گئے۔ والد ماجد نے جو آیا کہا کہ حضرت وہ آپ کا دلی شیدائی اور عاشق صادق بھی تو ہے۔

توسن اے نفس لعین یہ پرانی باتیں اس لئے یاد دلا رہا ہوں کہ تو ان مرحلوں سے گزر چکا ہے۔ اب سفر حجاز میں ہر منزل حجاز جو ایک منزل سلوک ہوگی تو ایسے ہی سالک کی مجھ سے توقع رکھ کہ میں کوئی کسر تیری ذلت اور اذیت دہی کی انشاء اللہ اٹھا نہیں رکھوں گا۔ یہ طول طویل سرزنش سنکر نظر باطن سے دیکھا تو توسن پڑے ہوئے ہیں اور بظاہر ایسے گربہ مسکین معلوم ہوتے ہیں جیسے مردہ ہیں۔ دم ہی باقی نہیں رہا۔ ہاتھ تیرے کی۔ کیا چست کیا ہے۔ یہ بھی مالک کا ایک فضل خاص تھا کہ اس نے معرکۂ جنگ داخلی اس خوش اسلوبی سے ختم فرما دیا۔

مجسم فضل رحمانی

میں تو اپنے ہر ذرۂ وجود پر فضل خداوندی کو محیط الکل پاتا ہوں۔ میرے ارحم الراحمین نے

بے حد و بے شمار فضل مجھے مرحمت فرمائے، مگر اس کا سب سے بڑا فضل خاص جو
مجھے عطا ہوا وہ حسان الہند حکیم الشعراء، سعدی ثانی حضرت امجد صاحب
اعلی اللہ مقامہ کا مجھ سے خصوصی تعلق اور ربط مودت بے پایاں ہے۔ آج
سے کوئی تقریباً چودہ سال قبل جبکہ میں دہلی حسب عادت شب برات
حضرت والد ماجد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ درگاہ معلی حضرت سلطان جی رضی اللہ عنہ
میں گزارنے گیا ہوا تھا۔ حضرت قطب وقت والد ماجد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ
علیہ نے خود بخود ارشاد فرمایا کہ حیدرآباد دکن میں امجد صاحب نامی ایک اجل
مغتنم ہستی ہے۔ وہاں کے جتنے مشائخ موجود ہیں وہ ان سب سے زیادہ
افضل ہیں۔ دربار دُربار حضرت رسالت پناہی میں ان کا ایک خاص مرتبہ ہے
تم ان سے ملکر تعلقات بڑھاؤ اور میری جانب سے سورۂ فاتحہ با موکل کا
عمل بھی ان کو تحفہ دیدینا۔ میں حضرت امجد صاحب کو غائبانہ سالہا سال سے
جانتا تھا اور ہندوستان میں اور بیرون ہندوستان جہاں اردو زبان
سمجھی جاتی ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا ہو جو امجد صاحب کو ان کے مقبول
خاص و عام کلام کی وجہ سے نہ جانتا ہو حضرت سعدی صاحب کو بھی
یہ خصوصیت حاصل ہو گئی تھی کہ ان کی زندگی میں ان کا کلام تمام دیار و

احصار میں قبول ہو گیا اور امجد صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ فضل مرحمت فرمایا ہے کہ "ہر چہ از دل آید بر دل نشیند" ان کا کلام انکی زندگی میں بیحد مقبول ہو چکا ہے۔ بہر حال چونکہ میں از حد دیر آشنا انسان ہوں اور اکی کچھ وجہ زندگی کے از حد تلخ تجربات بھی ہیں جن لوگوں پر میں نے انتہائی اعتماد کیا وقت آنے پر ان ہی لوگوں نے انتہائی نقصان پہونچایا بہر حال میرا حلقۂ احباب بہت ہی محدود۔ صرف میرے ہم مذاق لوگوں تک جو گنے چنے ہوئے ہیں منحصر ہے۔

خوش اقبال نظامی

میرے حلقۂ احباب میں سے برادر طریقت محمد یوسف صاحب خوش اقبال نظامی میرے پچیس سالہ رفیق، ہمدم قدیم، ہمنوالہ و ہم پیالہ۔ میرے دکھ سکھ کے شریک ہیں۔ ایک زمانہ میں جبکہ بعض حضرات نے جن کو وافی مالی امداد اپنی سادگی و غلطی سے حاجت مند اور کثیر العیال سمجھ کر دیجاتی تھی اور حقیقت حال ظاہر ہو جانے کے بعد امداد بند کر دی گئی۔ ہماری ممکنہ مخالفت وایذا رسانی پر کمر بستہ ہو کر ایک جتھا ہمارے خلاف تیار کر لیا اور وہی منافقین جو چھ سات سال تک ہماری تعریف کرتے نہیں تھکتے جاتے تھے طرح طرح کی



حج کو جاتے ہوئے جو تصویر لیگئی تھی

اہتمام تراشی کر کے اسکی تشہیر کرنے لگے۔ مگر الحق یعلوا ولا یعلیٰ۔ ان چھچھے
کے سرغنہ اور سربرآوردہ اصحاب نہایت قلیل عرصہ میں حد درجہ عبرتناک
موت کی آغوش میں جا سوئے اور بعض تائب ہو کر ہمسے موافق خواہ ہوئے
اس زمانہ میں خوش اقبال صاحب نے پورا حق رفاقت ادا کیا اور آجتک
انکی یہ وضعداریاں قائم ہیں کہ میرے تمام امور خانگی از جز تا کل وہی انتظام
کرتے ہیں۔ تمام دعوتوں کا اہتمام ان ہی کے سپرد رہتا ہے جس کو وہ از حد
خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔ تقریباً روزانہ مغرب کے قریب وہ میرے
گھر آجاتے ہیں اور رات کو دس گیارہ بجے واپس جاتے ہیں میرے بچے
ان سے ایسے مانوس ہیں جیسے وہ ان کے حقیقی چچا ہیں۔ سچ ہے روحانی
محبت کا رشتہ بعض اوقات حقیقی رشتوں سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے
بہرحال ذکر اس کا تھا کہ ہمارے بھائی خوش اقبال صاحب تقریباً نصف شہر
سے زیادہ اشخاص سے ذاتی واقفیت رکھتے ہیں۔ یہ جہاں گشت مجھسے
ہم نے ان کو دہلی سے واپس آ کر حضرت امجد صاحب سے ملاقات کرنے کا
اشتیاق ظاہر کیا۔ وہ ایک دن عصر کے وقت اس آفتاب خلوص
کو ہمارے یہاں لے آئے پھر کیا تھا اسکے بعد سے "او من شد من او شدم"

بڑی زبردست مجالس قوالی دھوم دھام سے ماہانہ منعقد ہوتی تھیں جب
میں امجد صاحب کی شرکت اشد ضروری ہوتی اور صرف امجد صاحب کا کلام قوالی میں
گایا جاتا۔ رابطہ رات دن قوی ہوتا گیا حتیٰ کہ یہ عالم ہوگیا اکثر عصر کے بعد
مخصوص احباب کی مجلس میں ہم کہدیتے کہ اب تھوڑی دیر میں حضرت امجد صاحب
تشریف لانے والے ہیں اس لئے کہ ہم نے ان کو کشش کیا ہے واقعی یہی ہوتا
کہ پندرہ بیس منٹ میں حضرت امجد صاحب پسینے میں شرابور بیکل لئے ہوئے
تشریف لاتے کہ واہ حضرت دیوان کی دیوڑھی تک چلا گیا تھا آپ کے
کشش کرنے اور یاد کرنے پہ واپس آنا پڑا۔

از ربطِ الفت دارد طپیدن ـــ آنجا دل او اینجا دلِ من

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت امجد صاحب نے جو رباعیات کے
سلسلہ شہنشاہ ہیں یہ رباعی لکھکر دی ہے

خسرو یہ ہے مہرباں اب امجد
امجد یہ ہے مہرباں بجد خسرو
اک ہے محبوب اک محب محبوب
خسرو سلطان جی ہیں امجد خسرو

حالانکہ حضرت امجد صاحب کا حلقۂ احباب از حد وسیع ہے بڑی بڑی شخصیتیں حیدر آباد کی ان کو سر آنکھوں پر واقعی معنوں پر بٹھلاتی ہیں اور از حد بزرگداشت کرتی ہیں۔ مگر انہوں نے سالہا سال سے اپنی یہ وضع قائم کر لی ہے کہ عیدین کی نماز وہ ہمیشہ ہمارے ہمراہ پڑھتے ہیں۔ جبتک ہم شاہ گنج میں تھے وہاں بھی یہی معمول رہا۔ رحمت باغ کاچی گوڑہ آ جانے کے بعد حالانکہ بہت بعد مسافت ہو گئی ہے۔ تقریباً چار پانچ میل سے وہ نماز عید ادا کرنے برابر تشریف لاتے ہیں اور میری حد تک میری عید کی خوشی کو دوبالا کر جاتے ہیں الاستقامت فوق الکرامت۔

۲۳ شوال المکرم ۱۳۸۳ھ یوم یکشنبہ ہماری روانگی حیدر آباد دکن سے والدہ ماجدہ کو ہمراہ لیکر مقرر ہو چکی تھی۔ مولوی حبیب اللہ صاحب ایک حیدر آبادی مشہور نعت خواں ہیں۔ اکثر ریڈیو پر جمعہ کے دن ان کا پروگرام ہوا کرتا ہے۔ آواز میں قدرتی درد۔ سوز و گداز ہے۔ ہم نے سوچا کہ ہجرت حجاز سے قبل حبیب اللہ صاحب کی نعت حضرتہ والدہ ماجدہ مدظلہا کو سنوا دیں اس لئے ۱۹ شوال یوم پنجشنبہ کو ہم نے اقربا کو خیریت آباد والدہ ماجدہ کی جائے قیام پر دعوت میلاد شریف دیدی

چنانچہ اُس روز اپنی ڈیوڑھیات مبارک کی ڈیوٹی بجالا کر ہم خیریت آباد جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت امجد صاحب جلتے ہوئے نظر آئے آواز دینے سے پہلے بہت تیزی سے سیکل دوڑاتے ہوئے چلدیئے جب ہم خیریت آباد پہونچے تو دیکھا کہ حضرت سلامت از سرتا پا پسینہ میں شرابور دروازہ پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ یہ واقعی ان کی صریح کرامت تھی اس لیے کہ اس سے قبل کبھی وہ خیریت آباد کے مکان پر تشریف نہیں لائے تھے اور اگر کسی شخص کو وضاحت سے پتہ نہ بتلا دیا جائے تو ہرگز ہرگز اس گلی در گلی مکان تک نہیں پہونچ سکتا تھا۔ بہرحال حضرت سلامت موجود خیراندیگئے۔ بجلی کے پنکھے کے نیچے بٹھلایا۔ معلوم ہوا کہ ہم کو تلاش کرتے پہلے دواخانہ کاچی گوڑہ سرکار عالی گئے وہاں سے رحمت باغ ہوتے ہوئے سیدھے خیریت آباد کو آرہے ہیں اور یہ تمام دادودہش اتنے کے لیئے کہ آج ہی بعد نماز صبح ایک عجیب وغریب استغفار ملا ہے اس کو دینا تھا۔ ہم نے فوراً اپنی نوٹ بک میں ان ہی کے قلم سے لکھوا لیا وہ یہ ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَلِیَّ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِہٖ مِنْ

کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

پھر روانگی کے دن ۲۳ شوال یوم یکشنبہ کو یہ رباعی تازہ بہ تازہ عطا کی :-

رُباعی

ساقی ترے در پہ تشنہ کام آتا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آتا ہے
خسرو پہ بھی اک چشمِ کرم ہو جائے
قدموں میں ترے تیرا غلام آتا ہے

بہر حال یہ از سرتا پا فضلِ رحمانی کی مجسم مورتی میرے مالک نے مجھ کو عطا فرمائی ہیں۔

دعوتوں کا سلسلہ ہم نے صرف اس مصلحت سے کہ عام مرضا پر ہماری روانگی حج کی اطلاع سے بڑا اثر ہوگا حتی الوسع اپنی روانگی کی خبر مشتہر نہ ہونے دی اگر مخصوص احباب کو اچھی طرح علم تھا۔ ان میں سے میرے محسن عالیجناب نواب قطب اللہ خاں صاحب نے بہت اصرار سے مدعو فرمایا۔ نواب صاحب ایک قدیم معزز و مفتخر خاندان امراء کے چشم و چراغ اور سادات گرامی قدر رفاعیہ میں سے ہیں۔ خود

نہایت ذی علم۔ صاحب تصانیف متعددہ اور خلوص ومحبت کی بولتی تصویر ہیں۔ دامے۔ درمے۔ قدمے۔ سخنے ہر وقت وہر لحظہ جس شخص کا کام ان سے نکل سکتا ہو ان کو کوئی دریغ نہیں۔ چوبیس گھنٹے میں شاید بارہ گھنٹے سے زاید نواب صاحب کے لوگوں کی کاربراری کے لئے سفارش خواہوں کے ہمراہ لئے پھرنے میں گزر جاتے ہیں میں نے تمام زندگی لوجہ اللہ خلق اللہ کی کاربراری میں اس درجہ مستعدی وانہاک سے مصروف طبقۂ امراء میں سے کوئی انسان کامل درحقیقت نہیں دیکھا۔ کسی وقت کوئی شخص ان کے پاس چلا جائے فوراً اس کا کام نکالنے ہمراہ چلنے تیار و مستعد باوجود دولت وثروت اور امارت وعلم وفضل کے مزاج میں بیحد انکسار سادات گرامی قدر کے ایثار کاملہ کے جو حالات کتابوں میں پڑھتے تھے نواب صاحب کو اس کی عملی تصویر پایا۔ ایک خاص مقام باطنی پر فائز اور خدمت خلق اللہ کے لئے مامور ہیں مگر اپنے مقام باطنی سے خود بےخبر ہیں۔ یہ بھی ایک خاص شان ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے اپنے مکتوبات شریف میں ایسے مقام اور ایسے لوگوں کی صراحت فرمائی ہے کہ وہ خود اپنے مقام سے بےخبر رہتے ہیں اور تمام عمر اسی مرتبہ کے

خدمتِ خلق اللہ کے تمام کام سرانجام دیتے رہتے ہیں اس عالم سے رخصت کے وقت ان کو اپنے مقام رفیع کی خبر ملجاتی اور اطلاع دیدیجاتی ہے ۔ بہرحال ہمارا مشاہدہ تو یہی ہے کہ نواب قطب اللہ خان صاحب مقام کے اعتبار سے کسی قطب الٰہی سے کم نہیں ہیں اور واقعی اسم بامسمیٰ ہیں اس تحریر کے وقت میں حرم محترم میں بیٹھا ہوا ہوں اور سامنے ھدیً للعٰلمین خانہ کعبہ نظر آرہا ہے اس مقدس اور محترم مقام پر یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میرا قلم کسی خلاف واقعہ مبالغہ سے خدانخواستہ ملوث ہوسکے ۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے حتی الوسع کمال دیانت سے میرے حد علم تک جو صحیح واقعات ہیں وہ قلمبند کئے جارہے ہیں تاکہ یہ سفرنامہ ان اہم شخصیتوں سے مزین رہے ۔ میری ذات کی حد تک میں، نواب صاحب کا ازحد ممنونِ احسان ہوں میری ترقی کے معاملہ میں نواب صاحب نے کوئی دقیقہ دوادوش ۔ کوشش و سعی ممکنہ کا اٹھا نہیں رکھا تھا ۔ خداوند تعالیٰ ان کو ترقی معانی کونین مرحمت فرمائے میری کمزوریوں میں ایک خاص الخاص کمزوری یہ بھی ہے کہ میں دعوتوں کا ازحد چور ہوں ۔ صدہا دعوتوں میں سے صرف ایک آدھ ایسی دعوت میں شامل ہوجاتا ہوں جہاں کامل خلوص و مودت کا رشتہ ہو اور ہر طرح کے

اشتباہ سے کھانا پینا مبرا ہو۔ مجھ سے بہت لوگوں نے اس بات کی سخت
شکایت کی کہ آپ دعوتوں میں نہیں جاتے۔ دعوت قبول کرنا تو سنت ہے
میں نے کہدیا کہ بھائی یہ باتیں مولوی حضرات سے کہو جو سنتوں میں سے چار
نکاح اور قبول دعوت کی سنت کے بڑے شوقین ہوا کرتے ہیں۔ مانا کہ قبول
دعوت مسنون ہے مگر اس زمانہ میں جبکہ رزق حلال اور صدق مقال
عنقا صفت ہو رہے ہیں۔ اس لئے اپنی شاقہ محنت سے ذکر و فکر کی چکی
پیسکر جو آٹا جمع کیا ہے اسکو لقمہ حرام کھاکر برباد کرنا نہیں چاہتے۔ بحمد اللہ
ہمارے سلسلہ نظامی خسروی میں اتنے اشخاص ہم سے دست بیع ہیں اور ہمارے
سلسلہ والے صرف صوبہ اودھ میں اتنی زیادہ کثیر تعداد میں بحمد اللہ ہیں کہ
ہمارے مریدوں کا سلسلہ گونڈا۔ اترولہ۔ ریاست بلرام پور سے لیکر
سرحد نیپال تک پھیلا ہوا ہے صرف اس ایک علاقہ میں بیس ہزار سے
زیادہ ہمارے مرید ہیں۔ اگر ہم پیشہ ور پیروں کی طرح سالانہ صرف ایک
ایک روپیہ ہر مرید سے نذرانہ لیا کریں تو ایک ہی علاقہ سے سالانہ صرف
بیس ہزار روپیہ آمدنی ہو سکتی ہے۔ مگر ہم نے اپنے بزرگوں کی روش کے
خلاف اگر کوئی مرید ہم کو نذر دیتا بھی ہے تو ہم فوراً واپس کر دیتے ہیں



نواب قطب اللہ خان صاحب جاگیردار

ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ نذرانہ مانگتے نہ تھے مگر کوئی خود بخود دے تو
لے لیتے تھے۔ ہم نے اس زمانہ کی حالت کا اندازہ کر کے بیشمار لوگوں نے اس کو
آسان ترین پیشہ سمجھکر پیری مریدی کے نذرانوں پر گزربسر شروع کر دی ہے
نذرانے واپس کر دینے کا طریقہ اختیار کیا ہے اور بحمداللہ حلال طبیب پیشہ
طبابت سے ہم کو بافراغت اللہ تعالےٰ اتنی روزی مرحمت فرما دیتا ہے کہ
باعزت طور پر دس کو کھلا کر کھا رہے ہیں تو حضرت سلامت ہم آج کل عموماً تو دینے
جو للاکثر حکم الکل۔ ہاں حرام و مشتبہ کی ہوا کرتی ہیں۔ احترازی اولیٰ
سمجھتے ہیں۔ ذکر اس کا تھا کہ ہماری روانگی سے دو روز قبل نواب قطب اللہ خاں صاحب جب
نے باصرار تمام بعد نماز مغرب دعوت پر یاد فرمایا۔ خاندان سادات کے گھرانے
کی دعوت بسر وچشم قبول کی گئی۔ اور نواب صاحب کے دولت خانہ واقع
دار الشفاء ہم گئے۔ نواب صاحب نے بہت سے معززین۔ حکام اور احباب خاص
کو اس موقع پر مدعو فرمایا تھا اور حد درجہ سیر چشمی سے نہایت پرتکلف اہتمام
فرمایا تھا۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ ہم نے باوجود علالت کی
ناتوانی کے نواب صاحب کے لئے دوران قیام مکہ معظمہ میں حسب عادۃ عمرہ
درستی کی۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔

سلیم صدیقی صاحب

اور بھی کئی اشخاص و احباب نے رجوع فرمانا چاہا مگر ہم نے عذر کر دیا البتہ عین روانگی کے

روز بتاریخ ۲۳ رشوال المکرم ۱۳۶۲ھ یوم یکشنبہ صبح کو ہم حسب وعدہ اپنے اخص الخاص مخلص سلیم صدیقی صاحب اسکلپٹر (مجسمہ ساز) ارٹسٹ پروفیسر آرٹس کالج کے گھر گئے۔ رحمت باغ کاچی گوڑہ مستقل طور پر مکان خرید کر کے منتقل ہونے کے بعد سلیم صدیقی صاحب جیسی نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ کے فضل نے ہم کو مرحمت فرمائی۔ اگر کوئی ہر جہتی اعتبار سے صحیح معنوں میں جوان صالح کو دیکھنا چاہے تو وہ سلیم صدیقی صاحب کو دیکھ لے۔ حد درجہ پابند صوم و صلوٰۃ خدمت خلق کا ایسا صحیح جذبہ جو درویشی کی سچی روحِ رواں ہے۔ صدیقی میاں ہر سانس خلوص و محبت، سچائی و صداقت کی فضا میں لیتے ہیں۔ ہم جیسا دیر آشنا جو اپنے دل کے قریب بہت کم کسی کو آنے دیتا ہے۔ حتیٰ کہ حقیقی اولاد کا بھی وہاں کم گزر ہے سلیم صدیقی صاحب کی بے لوث خدمات مخلصانہ و محبت، والہانہ نے زبردستی ہمارے دل کے بہت ہی قریب اپنا مضبوط قلعہ بنا لیا ہے۔ ہم کو اور ہمارے دل کو ان سے اتنا ربط قریب ہو گیا ہے کہ ہم اپنی حقیقی اولاد سے کسی طرح ان کو کم نہیں سمجھتے اور صمیم قلب سے ان کے لئے

ہر قسم کی ترقیات کی دعا کرتے رہتے ہیں اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یہ وعدہ الٰہی ہے، جب کبھی قبولیت دعا کا اس عالم ظاہری ناسوتی میں وقت آئیگا انشا اللہ ضرور اس کا ظہور ہو کر رہے گا۔ ہم حسب وعدہ سلیم صدیقی صاحب کے گھر معظم جاہی روڈ گئے دیکھا کہ ہمارے ہی کام میں منہمک ہیں اور ہماری بڑی برقی ٹارچ کی اصلاح کر رہے ہیں۔ ان کا زنانہ ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ ہم بھی مثل اپنی اولاد اور بچی کے سمجھتے ہیں۔ صد درجہ سلیقہ شعار۔ نیک کردار۔ صابر اور شاکر سلیم صدیقی کی اہلیہ ہیں۔ چھوٹا سا گھر سلیقہ اور پاکیزگی کی وجہ سے اچھی جنت نظر آتا ہے۔ ہم کو شیر قورمہ پلایا۔ چائے وغیرہ پیکر امام ضامن باندھ کر اور پھولوں کے ہار پہنکر گھر واپس آئے۔ سلیم صدیقی صاحب نے اپنی آجکی ڈیوٹی دریافت کی۔ کہدیا کہ اسباب جو سفر حج میں ساتھ جانے تیار کیا ہے، شام کو ہمراہ لیکر اسٹیشن آجائیے۔ یہ آپ کی خاص ڈیوٹی ہے۔

سامان سفر

اہلیہ نے جمعہ کے دن ہمارا تمام سامان جو ہمراہ جانے والا تھا مکمل اور تیار کر دیا۔ ایک اوسط اور ایک چھوٹا چمڑے کا سوٹ کیس جس میں چھ جوڑے کرتے پاجامے۔ دو جوڑے رنگین میل خورے جہاز کے لئے۔ ایک اٹاچی کیس جس میں کچھ ضروری

ادویات۔ ڈائری۔ فونٹن پن۔ ایک قینچی۔ ایک چاقو۔ ایک بجلی کا
مختصر سا ٹارچ۔ کنگھا۔ آئینہ۔ نوٹ بک وغیرہ ضروری اشیاء تھیں۔
ایک کیا نویس کا تھیلہ یعنے گڈ بیاگ۔ اس میں چترالی گرم عبا۔ تولئے
جدہ اور مکہ معظمہ میں از حد کام آنے والی چیز مچھر دانی تھی۔ ایک ہولڈال
جس میں ایک کریم نگر کا بنا ہوا سیاہ کمبل۔ دو رنگین سوتی چادر۔ ایک اونی
بڑی جائے نماز اور تکئے تھے باقی ایک ٹوکری جس میں اچار۔ چٹنی
ضروری ادویات تھیں۔ ایک لوٹا ایک جست کی پانی کی کپتی۔ یہ تھی تمام
کائنات ہمارے سامان سفر حجاز کی۔ اس سفر میں بجز ضروری اشیاء کے
جو ناگزیر ہوں بے ضرورت سامان لے جانا بہت تکلیف دہ ہو جاتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سفر

"ہر منزلِ حجاز ہے اِک منزلِ سلوک" (حضرت امجد اعلی اللہ مقامہ)

منزلِ اوّل از حیدرآباد تا دہلی | ۲۳ شوالِ المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۵ آبان ۱۳۵۴ف یوم یکشنبہ اپنا مکمل سامان سفر محب صادق سلیم صدیقی صاحب کے سپرد کرکے ہم بال بچوں سمیت حضرتہ والدہ ماجدہ مدظلہا کے جائے قیام خیریت آباد چلے گئے۔ بارہ بجے دن کو یتیم خانہ انیس الغربا کے یتیمی اداروں کی رُوحِ رواں خواجہ بدرالدین صاحب کے ہم لوگوں کو رخصت کرنے ایک موٹر لاری میں معہ بینڈ کے پہونچے۔ اور جائے قیام سے فاصلہ پر لاری روک کر بینڈ بجاتے ہوئے جائے قیام پر آکر دیر تک بینڈ نوازی کے بعد سلامی دی یتیموں کے ہمراہ ہمارے اُن کی روحی و قلبی حضرت امجد صاحب بھی تشریف لے آئے اور مندرجہ ذیل رباعی مرحمت فرمائی۔

رباعی

ساقی ترے در پہ تشنہ کام آتا ہے ٭ ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آتا ہے
خسرو پہ بھی اک چشم کرم ہو جائے ٭ قدموں میں ترے ترا غلام آتا ہے

اللہ اللہ ٹوٹے ہوئے دل والے دوسرے مصرعہ پہ جو واقعی ہمارے حسب حال تھا۔ ایسا تواجد ہم پہونچا کہ سبحان اللہ۔ دیر تک رقت طاری اور شدت سے اشکباری رہی۔ سلامی کے بعد یتیمی انیس العزبار نے میلاد شریف پڑھا۔ آثار مبارک کے حجرہ میں سلام پڑھنے کے بعد وہ لوگ رخصت ہوئے

حضرتہ والدہ ماجدہ ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف لے جا رہی ہیں۔ اللہ اکبر، حضرتہ کی یہ ہجرت صحیح معنوں میں ہجرت اور ترک و تجرید کی بمثیال صورت ہے۔ عموماً ان حالات میں لوگ ہجرت کرتے ہیں کہ تمام اقربار انتقال کر جاتے ہیں۔ کوئی نام لیوا باقی دیوا نہیں ہوتا۔ اس لئے آخری وقت حرمین شریفین میں گزارنے چلے جایا کرتے ہیں ماشار اللہ ہم چار بھائی اور تین بہنیں سب خدا کے فضل و کرم سے خوشحال اور اپنے اپنے گھروں میں آباد و شاد ہیں۔ اگر راحت

كلبهم باسط ذراعيه بالوصيد

ساقی ترے در پہ تشنہ کام آیا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لیے جام آیا ہے
حسرت یہ بھی اک چشم کرم ہو جائے
قدموں میں ترے ترا غلام آیا ہے

از حضرت امجد

۱

وآرام اِن ضعیفی میں جب کہ سِن شریف ستر سال سے کم نہ ہوگا۔ اور
کمال ضعف ونحافت طاری ہے مطلوب ہوتا تو کسی صاحبزادے
یا صاحبزادی کے پاس قیام فرما ہوجائیں۔ سرآنکھوں پر فلاح دارین
سمجھ کر خدمت ممکنہ کرتے ہوئے کمال راحت وآرام سے رکھا جاتا
مگر حضرت والد ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سے جس کو
اب تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہوتا ہے حضرتہ کا شدید تقاضا یہی تھا
کہ کسی طرح ان کو مدینۃ النبی۔ دیارِ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں
پہونچا دیا جائے۔ جنگ کی وجہ سے حجاج کا جہاز جانا تقریباً بند
ہوگیا تھا۔ سال گذشتہ سے پھر آمد ورفت شروع ہوئی ہے۔
مَلکُ الحجازِ وَالنجد سلطان ابن سعود جس وقت حضرت والد ماجد
صاحب قبلہ تشریف لیگئے تھے تو ان سے رجوع ہوچکے تھے۔ اور
نہایت ہی پابندی سے ہر سال ایک سالہ مکمل ادویات دہلی والد
ماجد صاحب قبلہ کے یہاں سے منگواتے رہتے تھے۔ حضرت کے
وصال کے بعد چونکہ برادرِ معظم حکیم عبدالقادر صاحب انصاری
ساکن لاہور حضرت کے ہمراہ سفر حجاز میں تھے۔ اِس لئے ان سے

سلطان سے ربط قائم ہوگیا اور اب تک ملک صاحب برادر معظم کے یہاں سے اپنی ادویات نہایت پابندی سے منگوایا کرتے ہیں۔ بھائی صاحب قبلہ نے اس سال ملک الحجاز سے والدہ ماجدہ کی ہجرت کرکے قیام مدینہ منورہ کی بذریعہ ٹیلیگرام خصوصی اجازت حاصل کی تھی۔ ہماری تینوں بہنیں حیدرآباد ہی میں رہتی ہیں۔ ان میں سے مجھلی اور چھوٹی دونوں حاملہ اور ایسی علیل تھیں کہ حالت سقیم تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ شاید جانبر نہ ہوسکیں۔ مگر یہ تمام امور دنیوی والدہ ماجدہ کے عزم ہجرت میں ذرہ برابر بھی سدّ راہ نہیں ہوئے۔ حضرتہ کے ہمراہ ان کی ایک منہ بولی بہن بسم اللہ بیگم صاحبہ بھی ہجرت فرمارہی ہیں۔ جن کو ہم لوگ خالہ پکارتے ہیں بہت عالی خاندان سادات گھرانے ہیں سے ہیں اور ماشاء اللہ کنبہ بھرا پُرا ہوا ہے۔ کئی صاحبزادیاں اور متعدد نواسیں ہیں اور صاحبزادیوں کی شادیاں بہت اعلیٰ زمینداروں کے خاندان میں ہوئی ہیں۔ خلافت کمیٹی کے زمانہ میں شریک میدان جہاد میں نکل آئیں اور ایسی قومی و ملکی خدمات تمام

طول و عرض ہندوستان کا دورہ کر کے بجا لائیں کہ بڑے بڑے مشاہیر رہنمایانِ قوم و ملت نے بے اختیار تحسین و آفرین کی ۔ صحاح ستہ ۔ احادیث شریف حضرت والد ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیں ۔ حد درجہ روشن دل ۔ ذاکر ۔ شاغل اور قلبِ سلیم رکھتی ہیں ۔ ہم مذاقی کی وجہ سے محض لِوجہ اللہ والدہ ماجدہ سے ربط محبت و خلوص قلبی ایسا ہو گیا کہ کئی سال سے اُنہوں نے اپنے تمام اقربا ۔ بال بچوں اور کنبہ کو قطعی چھوڑ کر والدہ ماجدہ کی رفاقت قبول کر لی اور بحمد للہ دونوں پاک دل ۔ پاک روح ۔ پاک باطن ۔ بیبیوں میں ایسا رابطۂ روحانی باہمد گر ہو گیا کہ ایک جان دو قالب صحیح معنوں میں کہا جا سکتا ہے ۔ اِس خود غرضی غلبۂ دنیوی کے زمانہ میں جب کہ تعلقات کی بنیاد اکثر دنیا کے عارضی فوائد ہوا کرتے ہیں ایسے اتحادِ روحانی کی مثال بہت ہی شاذ و نادر ہے ۔

بہر حال ذکر اس کا تھا کہ باپ کا سایۂ رحمت تو پانچ سال ہوا کہ ہم لوگوں کے سر سے اٹھ چکا تھا ۔ اب والدہ ماجدہ بھی ہجرت کر کے مدینہ پاک جا رہی تھیں ۔ بہنوں کی بیقراری ۔ گریہ و زاری اور اضطراب کا

کیا حال بیان کیا جائے۔ سامان بھی درست کیا جا رہا ہے۔ ساون بھادوں کی جھڑی بھی لگی ہوئی ہے۔ دہلی کی ٹرین شام کو سات بجکر بیس منٹ پر جاتی ہے۔ اسی عالم میں اسٹیشن جانے کا وقت قریب آگیا ہر طرف ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ بارے دل کڑا کر کے کسی طرح والدہ ماجدہ اور بسم اللہ خالہ کو موٹر میں سوار کیا گیا۔ موٹر میں بیٹھے اور سب کو اَرْحَمُ الرّاحِمِیْن خَیْرُ الحَافِظِین کے سپرد کر کے لبیک اللّٰھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لاشریک لک با آواز بلند پڑھتے ہوئے اسٹیشن چل دیے۔ باوجودیکہ ہم نے نہ تو اخبار میں اپنے جانیکی کوئی اطلاع شائع ہونے دی تھی۔ نہ دور دراز رہنے والے احباب کو کوئی خبر کر سکے تھے۔ مگر ایک کثیر مجمع مخلص حضرات کا رخصت کرنے جمع تھا۔ اتنے زیادہ امام ضامن باندھے گئے کہ داہنا ہاتھ ہلانا مشکل تھا۔ اور اتنے زیادہ پھول کے ہار پہنائے گئے کہ کئی بار اتار نیکے باوجود گردن کی جنبش مشکل تھی۔ باوجودیکہ پندرہ روز قبل سے زنانے اور مردانے میں ستّیں رزر وڈ کروائی گئیں تھیں۔ اور

درمیان میں برابر ریلوے اسٹاف کے ملازمین کو تاکید کی جاتی رہی مگر زنانہ درجہ میں جو صرف چار سیٹ کا تھا چھ مستورات اور دو خادمائیں بھر دی گئیں۔ آج کل ریلوے کی حالت ایسی ہی ابتر ہو رہی ہے اور سفر چاہے فرسٹ اور سکنڈ کلاس کا کیوں نہ ہو بہت ہی صبر آزما اور تکلیف دِہ ہو گیا ہے۔

ٹرین وقت پر آئی اور سلیم صدیقی صاحب نے جو ملازمین کے ہمراہ ہمارا سامان اپنی تحویل میں لے آئے تھے مردانہ سکنڈ کلاس میں رکھدیا گیا۔ زنانہ سکنڈ میں مسز کرمانی اور اُن کی ایک اور ساتھی کوئی محترمہ ہر دو جدید فیشن کے دلدادہ بے پردہ اور بے قیدہ قسم کی تھیں زنانہ درجہ میں سامان زیادہ دیکھکر مسز کرمانی بہت خفا ہونے لگیں ہم نے ان کو یہ سہولت ٹھنڈا کیا اور سامان کا زیادہ حصہ اپنے درجہ میں لے لیا۔ اِس صبر و تحمل کو دیکھکر پھر تو خدا کے فضل سے وہ ہر دو ایسی مطیع ہوئیں کہ تمام راستہ انہوں نے والدہ ماجدہ کی انتہا نہ صرف خاطر مدارات کی بلکہ ممکنہ خدمت اس طرح کرتی رہیں جیسے کہ کوئی سعادت مند بیٹی اپنی ماں کی خدمت کرے۔ واہ سبحان اللہ

"پاسباں مِل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے"

اب ایک خاص لطیفہ سنئے۔ ہمارے درجہ میں حیدرآباد دکن کے ایک بڑے بھاری پیرومرشد صاحب قبلہ بھی اپنے صاحبزادے اور بہو کو جوناگیور جارہے تھے رخصت کرنے سکندرآباد تک کے لئے سوار ہوئے۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بہ صحرا رفت ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

یہ فیل پیکر۔ تودۂ لحمی پیرومرشد اور ہم دونوں استاد بھائی ہیں جس زمانہ میں ہم حضرت مولانا نذیر حسن صاحب قبلہ محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی کامل کے نصاب کی آخری کتابیں پڑھ رہے تھے تو حضرت سلامت نے ابتدائی صرف ونحو شروع کی تھی۔ جسم کی غیر معمولی فربہی کے ساتھ عقل وادراک بھی واجبی ہی واجبی تھا۔ حضرت استاد محترم مرحوم از حد مغلوب الغیظ اور نازک دماغ تھے۔ پیرومرشد صاحب سے صرف کے صیغے دریافت فرماتے۔ جب ان کے بغلیں جھانکنے پر حضرت کو طیش آنے لگتا تو ہم حضرت کے آنکھوں کی معذوری سے

فائدہ اٹھا کر فوراً کاغذ پر جواب لکھ کر پیر و مرشد صاحب کو دیدیتے اور وہ سنا کر اپنی جان بچا لیتے۔ تمام ہندوستان میں یہ حد درجہ قابل اصلاح طریقہ مروج ہو چکا ہے کہ جن درگاہوں کے متعلق منقول جائدادیں ہوا کرتی ہیں گویا وہاں پیری مریدی بھی قطعی میراث پدری ہو کر رہجاتی ہیں۔ حالانکہ تمام طرق تصوف میں اجازت بیعت وخلافت ہرگز ہرگز میراث پدری نہ کبھی تھی نہ ہو سکتی ہے۔ جو شخص منزل سلوک کو طے کر لیتا تھا اس کو اجازت و خلافت مرحمت ہوا کرتی ہے۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں دیکھئے حضرت خواجہ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز ہند الولی دانا عطائے رسول معین الدین چشتی حسن سنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالانکہ متعدد صلبی اولاد تھی مگر اجازت وخلافت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوئی۔ اسی طرح حضرت قطب صاحب کی اولاد موجود ہوتے ہوئے خلافت حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کو مرحمت ہوئی۔ حضرت بابا صاحب کی اولاد موجود ہوتے ہوئے

خلافت حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کو ملی۔ بہرحال سلسلہ رشد و ہدایت اور منصب عالی خلافت تصوف ہرگز ہرگز بغیر طے سلوک و اجازت حصول بیعت میراث پدری نہیں ہوسکتی۔ مگر ہمارے وطن حیدرآباد دکن میں ایک نہیں متعدد ایسے پیرو مرشد حضرات موجود ہیں انکے والد بہت ہی کمسنی میں فوت ہو گئے اور انہوں نے نہ تو کسی مسلمہ شیخ طریقت سے خود بیعت کر کے سلوک طے کیا نہ اجازت و خلافت حاصل کی۔ اور جوان ہوتے ہی جھٹ پٹ مسند پیرو مرشدی پر بیٹھکر لوگوں سے بیعت بھی لینے لگے۔ اور گھڑے گھڑائے شاہ صاحب بادشاہ حضرت و پیرو مرشد خودبخود بن بیٹھے

"او خویشتن گم است کرا رہبری کند"

اب بھولے بھالے خوش عقیدہ مریدوں کے نذرانہ اور آباواجداد کی معقول جائداد پر دوکان مرشدی خوب چمک رہی ہے۔ ایک بادشاہ صاحب سے جو بڑے کلاں پیرو مرشد ہیں کسی نے ادباً دریافت کیا کہ حضرت کو بیعت لینے کی اجازت کس کی طرف سے ہے۔ ارشاد ہوا کہ میرے والد ماجد مرحوم نے جو میری کمسنی میں

فوت ہوگئے تھے۔ مجھے خواب میں اویسیہ طریقہ پر بیعت لینے کی اجازت دے دی ہے۔ سبحان اللہ سلف سے خلف تک کہیں کسی شیخ نے خواب کی اجازت پر سلسلہ جاری نہ کیا ہوگا۔ بہر حال تذکرہ اس بات کا تھا کہ وہ ہمارے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی فیل پیکر استاد بھائی صاحب جب سے قَسِیمُ النَّارِ وَالجَنَّۃِ پیرو مرشد بن بیٹھے ہیں انہوں نے بمصلحت ہم سے تنا سا ئی رکھنا بھی کبھی پسند و گوارہ نہ فرمایا۔ شاید اس لئے کہ یہ راز درون پردہ سے آگاہ اور پھر رندانہ مست منہ پھٹ ہے۔ کہیں خلوت یا جلوت میں کوئی بات ایسی نہ کہہ دے کہ دو کان پھیکی پڑ جائے۔ حالانکہ یہ ان کا خیال غلط ہے۔ ہم کو کسی کے کاروبار سے کیا سروکار۔ چو احمق در جہاں باقیمت مفلس کس نمی ماند۔ زنا اور لا مذہبیت کے رجحانات جو جدید نسل میں ایسے ہی مذہبی ٹھیکہ داروں کی بد اعمالیوں سے ترقی کر رہے ہیں خود ان کو کافی سبق پڑھا دیں گے۔

پیرو مرشد قبلہ کو اول تو اس بات پر بہت ہی تاؤ آیا اور چہرہ سُرخ ہوگیا کہ ہر طرح کی عزت افزائی یہ تو صرف مرشدوں کا حق ہے

ایک حکیم کے لئے اتنے لوگ کیوں جمع ہوئے ہیں اور اتنے پھولوں کے
ہار کیوں پہنائے جا رہے ہیں۔ مگر ہر درویش بر جانِ درویش۔ خود
ہی پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ ٹرین چلی۔ نماز مغرب کا وقت ہو گیا
تھا حضرت پیر صاحب نے شاید روحانی طور پر حرمین شریف میں جا کر
نماز مغرب ادا کی ہوگی۔ مگر ہم ظاہر بیں لوگوں کو وہ نماز مغرب ادا
کرتے مطلق نظر نہیں آئے۔ برادرم خوش اقبال صاحب سکندر آباد
تک ہم کو پہونچانے آئے تھے اور وہاں کئی چند مخلصین عازم سفر
حجاز کو رخصت کرنے پھولوں کے ہار لے آئے تھے۔ گیارہ بجے رات کو
جب ٹرین قاضی پیٹھ پہونچی۔ برادر محترم سمیع اللہ شاہ صاحب ناظم
تعمیرات جو ہمارے پھوپی زاد بھائی ہیں والدہ بابا ء کو رخصت
کرنے آئے ہوئے تھے۔ ہمارے مردانہ سکنڈ کا یہ حال تھا کہ صرف
فلور پر پانچ آدمیوں کے بستر لگے ہوئے تھے۔ پیر و مرشد کے
صاحبزادے صاحب اور اُن کے دو پوتے پوتیاں جو سب کے
سب شاید فقیر و درویشی خاندان ہونے کی وجہ سے اشرفیوں کے
بٹن لگائے ہوئے تھے۔ بنیوں پر دراز تھے۔ جوں توں کر کے

ہم قاضی پیٹھ پر اُترے ۔ اور بھائی صاحب قبلہ کو بیجا کر والدہ ماجدہ سے دُور سے ملا دیا ۔ پھر یہ کہہ کر جلد رخصت کر دیا کہ زیادہ ٹھیرنا بے سُود ہے ۔ زنانہ درجہ میں مرشد صاحب کی بہو ان کی منی ۔ دخادمائیں اور دوسری عورتیں بھری ہوئی ہیں ۔ بات چیت نہیں ہو سکتی ۔ بھائی صاحب کے تشریف لے جانیکے بعد ہم نے بارہ بجے رات کو تھوڑی سی غذا کھائی ۔ بانو نے بنظرِ احتیاط ہمارے ہمراہ گھر سے کچھ ناشتہ کا بندوبست کر دیا تھا ۔ ورنہ اگر زنانہ ڈبہ سے غذا کا انحصار ہوتا تو فاقہ کرنا پڑتا ۔ کیونکہ بھاری بھرکم پیر صاحب کی بہو اس ڈبہ میں کیا سفر فرما رہی تھیں کہ گویا پوری ٹرین پر ان ہی لوگوں کی حکومت تھی ۔ باہر کئی راسخ الاعتقاد مرید پہرہ دیتے تھے اور کوئی زنانہ درجہ کے قریب پھٹک نہیں سکتا تھا ۔ ریلوے نے جہاں اشرفیاں لُٹا کر کوئلہ پر اس زنانہ میں مہر لگائی ہیں وہاں اس کی حد درجہ تکلیف دہ مثال غسل خانہ میں تاریکی رکھنا اور روشنی بنظر کفایت غائب کر دینا ہے ۔ یہ عمل مسافروں کے لئے از حد اذیت و تکلیف کا باعث ہوتا ہے ۔

صبح ٹرین جب وارد ہا پہونچی تو ہم نے زنانہ ڈبے میں والدہ ماجدہ

کے لیئے وضو کا تازہ پانی بھروادیا۔ ناگپور پیر مرشد زادہ صاحب معہ اپنے زنانہ اور نصف درجن بچوں کے اتر گئے۔ ہم نے دوپہر کو ریلوے سفری ہوٹل سے کھانا منگوایا ازحد ناقص اور خراب کھانا تھا۔ روٹی جلی ہوئی۔ سالن نہایت برے اور بقدر اشتہا بلبل۔ دام معقول سے بھی بہت زائد۔ اس لیئے ہم نے اپنے لیئے تو رات کے کھانے کا یہ بندوبست کیا کہ ہوٹل والے سے چار توس مکھن انڈے کا آملیٹ اور چائے منگوالی اور والدہ ماجدہ کے لیئے تار دلواکر اٹارسی جنکشن پر مسلم ہوٹل سے عمدہ کھانا منگوالیا تھا۔ دوسرے روز صبح سویرے جب ٹرین آگرہ پہونچی تو بسم اللہ خالہ صاحبہ کی ایک ہمشیرہ اُن سے تقریباً بیس سال بعد ملنے تشریف لائیں والدہ ماجدہ کے اصرار پر وہ دہلی جانے ہمراہ ہوگئیں۔ ٹرین جلد چھوٹ گئی تھی۔ اس لیئے ہم نے متھرا جنکشن پر گارڈ کو بلا کر صورت حال بیان کی اور ٹکٹ دہلی تک بنانے کہدیا۔ اس نے شرارتاً ڈبل چارج کرکے دہلی تک کے ساڑھے سترہ روپیہ وصول کرکے ٹکٹ بنایا۔ آجکل ریلوے والے تو خدائی فوجدار بنے ہوئے ہیں

اور مارشل لا کے اقتدارات گورنمنٹ نے گویا اون کو دے رکھی ہیں۔ نہ قاعدہ نہ قانون جو اُن کی مرضی میں آئے کر گذرتے ہیں۔

۲۵ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ بروز شنبہ کو دہلی اسٹیشن پر جب ٹرین پہونچی تو بڑی حد تک یقین تھا کہ معظم الاخوان حکیم عبدالنبی صاحب انصاری بڑے بھائی صاحب قبلہ ضرور ہی دہلی پر والدہ ماجدہ کو لینے تشریف لائیں گے۔ مگر وہ وہاں نہیں ملے سمجھا گیا کہ ضرور بالضرور دہلی جنکشن بڑے اسٹیشن پر تشریف لائے ہوں گے۔ مگر جب ٹرین بڑے اسٹیشن پر پہونچی تو وہ وہاں بھی موجود نہ تھے۔ سناٹا آگیا مستورات کا ساتھ، سامان کا انبار، اور ہم اکیلے۔ ہم نے طے کرلیا کہ سامان تو اللہ توکل پر قلیوں کے سپرد کردیں۔ اور مستورات کو اپنے ہمراہ لے کے اسٹیشن کے باہر آکر بھائی صاحب کو ٹیلیفون کے ذریعہ اطلاع دیں۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔ والدہ ماجدہ ضعیفہ۔ سیڑھیاں چڑھ کر اور پل عبور کر کے باہر آنے تک تکان سے شل ہو گئیں اور نیم غشی کی حالت طاری ہونے لگی مجبوراً ہم نے فرش زمین پر اپنا حیدرآبادی رومال بچھا کر ان کو ایک گوشہ میں بٹھلا دیا

اور خود ٹیلیفون کرنے انکوائری آفس گئے۔ اللہ اکبر
ایک سے ایک بڑا چڑھا فرعون بے سامان وہاں موجود تھا۔
منت سماجت اور بہت ہی دشواری سے نصف گھنٹہ کے بعد
ٹیلیفون کرنے کی اجازت ملی۔ ابھی سلسلہ قائم بھی نہ ہوا تھا کہ
بڑے بھائی صاحب قبلہ آتے ہوئے نظر آئے۔ ہم لپک کر
پہونچے۔ معلوم ہوا کہ ان کو کسی ریلوے والے نے کہدیا تھا
کہ ٹرین دو گھنٹہ لیٹ ہے۔ حالانکہ ٹرین بالکل ٹھیک وقت
پر آئی۔ پہلے وہ باطمینان ٹرین لیٹ ہونے کے خیال سے دیر سے
نئی دہلی اسٹیشن گئے تھے۔ جب وہاں معلوم ہوا کہ ٹرین دیر ہو گئی
دہلی جنکشن جا چکی ہے تو وہاں سے وہ بہت عجلت میں مارامار
جنکشن آسکے۔ بہرحال کافی پریشانی اور حیرانی کے بعد راحت
میسر ہوئی اور ہم والدہ ماجدہ کو لیکر طیبہ منزل کناٹ پیالیس
نئی دہلی جائے قیام پر موٹر میں آگئے۔ اور اس طرح منزل اول
حجاز حیدرآباد تا دہلی بحمد للہ اتمام کو پہونچی۔

دہلی کی مصروفیات | جائے قیام طیبہ منزل پہونچکر غسل وغیرہ سے

فارغ ہوکر پہلا کام یہ کیا گیا کہ حضرت قبلہ مرشدی و مولائی خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی کو ٹیلیفون کر کے ملاقات کا وقت معین کیا گیا۔ حضرت نے اول تو مغرب کے بعد کا وقت مرحمت فرمایا پھر ٹیلیفون کے ذریعہ اسکو منسوخ کر کے دوسرے روز ۲۶ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ چہارشنبہ کو گیارہ بجے دن کا وقت عنایت کیا۔ چنانچہ ہم وقت معینہ پر حضرت کے یہاں پہونچ گئے۔ زیارت میں شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ پھر حضرت ہم کو ہمراہ لیکر رضا مند ہیا ہال میں تشریف لیگئے۔ کام مسلسل جاری تھا۔ تعویذ لینے والوں۔ ملاقاتیوں۔ سفارش والوں کا ہجوم تھا۔ ان سب سے نپٹتے جاتے تھے اور روزنامچہ وغیرہ بھی تحریر کرواتے جارہے تھے۔ حضرت نے اپنی نبض دکھلا کر نسخہ تجویز کروایا۔ پھر عبداللہ سلیمان وزیر مملکت حجاز کے نام تعارفی رقعہ مرحمت فرمایا جس میں حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ:۔

لقمان الملک حکیم نابینا صاحب مرحوم کے فرزند حکیم خسرو شاہ نظامی حیدرآباد دکن میں میرے خلیفہ ہیں اور اعلیحضرت حضور نظام کے محلات کے معالج ہیں۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ حج کیلئے آرہے ہیں۔ انکی والدہ صاحبہ ہجرت کی نیت سے تشریف لیجارہی ہیں۔ چونکہ حکیم خسرو شاہ نظامی بڑے

حاذق اور ماہر طبیب ہیں اور اپنے والد کی خاص دوائیں جانتے ہیں۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ آپ ان کے کمالات طبی سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور اس سفر میں ان کے لیئے اور ان کی والدہ کے لئے راحت اور آسائش کا ایسا انتظام کر دیا جائیگا جس کی مجھے آپ سے توقع ہے"۔

اس کے بعد ہم نے درگاہ معلی حضرت سلطان السلاطین سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی میں حاضری دی۔ پھر حضرت قبلہ کے ہمراہ دوپہر کا کھانا کھا کر جائے قیام کو واپس آ گئے۔ معلوم ہوا کہ لاہور جانے کیلئے ۲۸ شوال شب شنبہ کو سیٹیں فرانٹیر میل میں رزرو کر دیگئی ہیں۔

آجکل نواب صاحب چھتاری سر سعید الملک صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی رؤسا کی کانفرنس میں شامل ہونے دہلی آئے ہوئے ہیں۔ ہم نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کے پرسنل مددگار سلمان حسین صاحب کے ذریعہ ۲۷ شوال کو شام کا وقت مقرر کر لیا۔ اور نظام پیالیس جا کر صدر اعظم بہادر سے شرف ملاقات حاصل کر کے اپنا عزم سفر حج بیان کرنے پر انہوں نے کمال لطف سے فرمایا کہ۔

"اللہ تعالٰی آپ کو سلامتی سے لیجائے اور سلامتی سے واپس لائے"۔

میرے لئے بھی دعا کیجئے۔ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ اس لئے ہم ظاہری اسباب کے طور پر تھوڑی ہمت سہی وہ بھی اہل وعیال کے لئے طوعاً وکرہاً دنیوی اُمور میں کر لیتے ہیں ورنہ ہمارا بھروسہ مسبب الاسباب پر ہے۔

منزل دوم سفر حجاز

از دہلی تا لاہور

تقریباً پندرہ روز پہلے سے زنانہ اور مردانہ سکنڈ میں لاہور کیلئے سیٹیں رزرو کروائی گئی تھیں۔ ہم لوگ جمعہ کا دن گذار کر شنبہ کی رات کو نو بجے دہلی جنکشن پہونچ گئے۔ حکیم عبدالحی صاحب بڑے بھائی صاحب قبلہ بہت پہلے سے سامان لیکر آگئے تھے۔ اور سامان ڈبوں میں رکھدیا گیا تھا۔ خدا کے فضل سے بیٹھنے کی سیٹیں میسر ہوئی ہیں۔ اس طرف طوفانی بارش کی وجہ سے ریلوے لائن خراب ہو کر اکثر میل ٹرینیں وقت سے دس بارہ گھنٹے لیٹ ہو کر چل رہی تھیں۔ مگر فرانٹیر میل اس دن ٹھیک اپنے وقت پر آیا۔ اور وقت پر دہلی سے لاہور روانہ ہو گیا۔ فرانٹیر میل کی رفتار کا کیا کہنا۔ اُڑا چلا جا رہا تھا۔ دوسرے دن ۲۹ شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۶ اکتوبر ۱۹۴۵ء گیارہ بجے دن کے قریب لاہور پہونچ گئے

حکیم عبدالقادر صاحب منجھلے بھائی صاحب قبلہ اسٹیشن پر کئی موٹریں لیکر آئے ہوئے تھے۔ سب لوگ ان کی جائے قیام نیلا گنبد انارکلی پہونچے۔ معلوم ہوا کہ منجھلے ماموں صاحب قبلہ جو وطن یوسف پور سے لاہور والدہ ماجدہ کو رخصت کرنے آئے ہوئے تھے سخت علیل اور درد گردہ کی شدت سے فریش ہیں۔ تمام گھر میں سخت پریشانی و ہراسانی پھیلی ہوئی تھی۔ منجھلی بھابی صاحبہ محل برادر معظم حکیم عبدالقادر صاحب والدہ ماجدہ کی خدمت کے خیال سے ہم لوگوں کے ہمراہ حجاز جانیوالی تھیں وہ شدید کشمکش میں مبتلا تھیں۔ ایک طرف شوہر اور خوشدامن صاحبہ کی خدمات کا خیال دوسری طرف بزرگ ومحترم باپ سخت علیل و فریش۔ مگر اس امتحان میں ان کو کامیابی ہوئی اور انہوں نے سفر حجاز کا عزم مصمم کرلیا۔ دوسرے روز اتوار کے دن ۷ راکتوبر کو منجھلے بھائی صاحب سامان کا اکثر حصہ اپنے ہمراہ لیکر کراچی تشریف لیگئے۔ تاکہ وہاں جہاز وغیرہ میں نشست کا بندوبست کر کے تار کے ذریعہ لاہور مطلع کرنے پر ہم لوگ کراچی جاسکیں۔ شب شنبہ کو ان کا تار ملا گیا کہ ۱۲ راکتوبر تک کراچی پہونچ جانا چاہئے۔ دہلی میں ہماری علالت کی بسم اللہ شروع ہوگئی تھی۔ ہم نے مدت العمر کبھی بناسپتی گھی استعمال نہیں کیا ہے۔ دہلی میں وہ استعمال میں آیا۔ شدید نزلہ کی تحریک

شروع ہوگئی۔ لاہور آنیکے بعد نزلہ میں شدت ہوگئی۔ یکایک غسل کی ضرورت ہوگئی۔ تقریباً پندرہ سولہ سال کے بعد مجبوراً سرد پانی سے دو بجے رات کو ہم نے غسل کرلیا۔ تاکہ تہجد ناغہ نہ ہو۔ پانی اس لئے گرم نہیں کروایا کہ تمام گھر کا بچہ بچہ ماموں صاحب قبلہ کی علالت سے سخت پریشان و ہراسان ہیں ایسے حالات میں اپنے لئے کیوں زحمت دیجائے۔ سرد پانی سے پچھلی رات کو غسل کا نتیجہ ظاہر ہوا کہ سینہ جکڑ گیا اور سخت بخار آگیا۔ ماء العسل اور جوشاندے کے استعمال سے ان عوارضات میں قدرے تخفیف ہوئی۔ لاہور سے ۱۱ر اکتوبر بروز پنجشنبہ روانگی مقرر ہوگئی۔ اور کراچی میں سیٹیں مخصوص کرائی گئیں۔ والدہ ماجدہ بسم اللہ خالہ صاحبہ اور ہمارا پاسپورٹ بھی حیدرآباد سے آگیا۔ ہمارے پاس حالت احرام میں اوڑھنے کیلئے کوئی اونی چیز نہیں تھی۔ لاہور انارکلی میں سترہ روپیہ کو نہایت عمدہ اونی سبز رنگ کا دھسہ کنٹرول نرخ پر مل گیا۔

تیسری منزل لاہور تا کراچی

یوم پنجشنبہ ۴ر ذیقعدہ مطابق ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو صبح ناشتہ کے بعد والدہ ماجدہ کو پہلے درگاہ معلی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر فاتحہ کیلئے

لے گئے۔ سبحان اللہ عجب بارگاہِ عالی ہے کہ فیضان لامتناہی کا طوفانی دریا موجیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ جس وجود ذی جود کے متعلق حضرت خواجہ خواجگان سلطان الہند غریب نواز سید الولی وتاعملائے رسول ارشاد فرمائیں۔

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

ان کے مرتبہ علیا کا اندازہ ہم خاک نشین پستیوں میں پڑے ہوئے بھلا کیا کر سکتے ہیں۔ یہاں سے محروم کون جا سکتا ہے۔ ہمارے کاسہ گدائی میں بھی گنج بخش کے فیضان عالی کا کافی سے زیادہ بڑا انگڑ اپڑ گیا۔ الحمدللہ درگاہ عالی سے سیدھے لاہور اسٹیشن پہونچے۔ کراچی میل پر اس قدر ہجوم خلائق تھا کہ معاذ اللہ کہ چند قدم آدمیوں اور سامان کی کثرت سے چلنا دشوار تھا حالانکہ کئی دن پہلے سے سیٹیں مخصوص کرالی گئی تھیں۔ اور منجھلے بھائی صاحب حکیم رشید النفادر صاحب کا ریلوے اسٹاف اپنے آپ کو ممنون کرم بتلاتا ہے سالہا سال سے مفت قیمتی اور دیانت کھا رہا ہے۔ مگر سنارِ محبوب و قاضی الحاجات روپیہ ایسی چیز ہے کہ اس کی وجہ سے تعلقات مروت سب بالائے طاق ہو جاتے ہیں۔ کسی دہلی والے تاجر صدر بازار نے معقول رشوت دے کر جو ڈبہ

زنانہ کیلئے رزرڈ کرایا گیا تھا اپنے لئے حاصل کرلیا اور ہمارے زنانہ کو
چار سیٹ کا ایسا ڈبہ دیا گیا جس میں دو سیٹ نیچے اور دو اوپر کی تھیں۔ اور اس میں
دو انگریز عورتیں ہمسفر تھیں جن کے ہمراہ بقول "جیسی روح ویسے فرشتے" انکے
ہم جنس دو کتے بھی ہمسفر تھے۔ ہر چند برادر معظم حکیم عبدالحی صاحب نے باصرار تمام
ریلوے اسٹاف سے کہا تا کہ گورنمنٹ نے خاص اعلان کے ذریعہ
حاجیوں کو ہر طرح کی سہولت ریلوے میں بہم پہونچانے کی تاکید کی ہے۔
زنانے درجہ میں صرف دو سیٹیں نیچے کی ہیں جس پر انگریز عورتیں قابض ہیں۔ ہمارے
ہمراہ دو مُسن نحیف و کمزور مستورات ہیں جو کسی طرح اوپر کی سیٹ پر چڑھ نہیں
سکتی ہیں مگر توبہ کیجئے۔ فرعون بے سامان کی طرح بپھر کر اور طوطے کی طرح آنکھیں
بدلکر ریلوے والے صاحب جن کو نیاز مندی کا دعویٰ تھا۔ ارشاد فرمانے
ہیں کہ اگر آپ کا زنانہ اوپر کی سیٹ پر نہیں جا سکتا تو اتر آئیے۔ سفر مت کیجئے
ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ آخر منت سماجت سے انگریز عورتوں ہی کا دل پسیجا اور
انہوں نے کہا کہ ہم ایک نیچے ایک اوپر کی سیٹ لے لیں گے۔ آپ کے
دو ضعیف مستورات صرف ایک نیچے کی سیٹ پر گذر کریں۔ قہرِ درویش
برجانِ درویش، ہم کو تو مقررہ تاریخ تک کراچی پہونچنا اشد ضروری تھا۔

ورنہ جہاز چھوٹ جانا اور سفرِ حجاز سے محروم ہونا پڑتا۔

زنانے کا حال آپ نے سن لیا۔ مردانہ میں ایک سیٹ نیچے کی اور ایک اوپر کی بٹی غنیمت سمجھا گیا۔ گیارہ بجے دن کو کراچی میل لاہور سے روانہ ہو گیا اور فراٹے بھرنے لگا۔ اس کی رفتار فرانٹیر یعنی سرحدی میل سے بھی زیادہ ہے۔ راستہ میں سوائے باریک ریت، شدید گرد و غبار کے کوئی سر سبزی نظر نہیں آتی۔ دو پہر کو ٹرین ملتان پہونچی۔ یہاں کے متعلق کسی نے کہا ہے سلہ

چار چیز است تحفۂ ملتان
گرد و گرما گدا و گورستان

گرد و غبار لاہور کے بعد سے ہی اس شدت سے ٹرین پر محیط تھا کہ الامان والحفیظ۔ گرما کا موسم نہ تھا اس لئے اس کا تجربہ نہ ہو سکا۔ اب رہ گیا گدا تو حضرت واقعی ٹرین ملتان اسٹیشن پر پہونچتے ہی ایک گداگر عورت نے اس لیٹ ٹرین سے ہمارا تعاقب کیا کہ کچھ دے دلا کر ہی پنڈ چھڑا سکے۔ ملتان کے اسٹیشن کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ فیروزی انامل یا کاشی کاری کے نہایت نفیس کام کے ٹائل جس کے لئے ملتان مشہور ہے اسٹیشن پر لگے ہوئے ہیں اس سے قبل تقریباً سولہ سترہ سال پہلے ایک بار دو دن کیلئے حضرت والد

ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ ہم ملتان ایک مریض کے معائنہ کیلئے آچکے ہیں۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کی رُوح پُر فتوح پر فاتحہ گذرانے کا شرف حاصل کیا گیا۔ شام کو بعد عصر ٹرین جب بھاولپور اسٹیشن پر پہونچی تو زبان راز نے چپکے سے سرگوشی میں ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس عباسی حکومت میں کبھی بہت ہی اہم کام کے لئے جو عالم اسلام مدینہ طیبہ اور تمہارے اقرباء کیلئے از حد مفید ہوگا۔ تم کو بھاولپور آنے پڑیگا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

اور ایک لطیفہ سنیئے صبح ساڑھے سات بجے ٹرین حیدرآباد سندھ کے اسٹیشن پر پہونچی عجیب بات ہے۔ حیدرآباد دکن سے دہلی کی گرانٹ ٹرنک اکسپرس ساڑھے سات بجے شام کو روانہ ہوتی ہے اور حیدرآباد سندھ پر کراچی میل ساڑھے سات بجے صبح کو پہونچتا ہے۔ دونوں شہروں کے نام بالکل ایک ہیں۔ دونوں ہی اسلامی ریاستوں کے پایۂ تخت ہیں۔ مگر دونوں میں اتنا ہی بڑا تفاوت اور فرق ہے جتنا کہ صبح و شام میں۔ کہاں حیدرآباد دکن کا پُر شکوہ عظیم الشان پایۂ تخت اسلامی جس کی شوکت و شان سیاحوں سے خراجِ تحسین وصول کرتی ہے۔ کہاں حیدرآباد سندھ جو باوجود برقی روشنی کے شاید ہمارے صوبوں کے منفقر سے گیا گذرا ہوا ہے۔ کہاں راجہ بھوج۔ کہاں لنگڑا تیلی۔ ۱۲ر اکتوبر جمعہ کے دن

گیارہ بجے کراچی بخیریت تمام پہونچ گئے۔ اسٹیشن پر حکیم عبدالغفار منجھلے بھائی صاحب ہمارے کراچی کے میزبان سر عبداللہ ہارون کے صاحبزادے یوسف ہارون کی موٹر لئے ہوئے تشریف لائے تھے۔ سر عبداللہ ہارون مرحوم کی کوٹھی پر قیام کیا گیا چونکہ سر عبداللہ والد ماجد قبلہ کے ازحد معتقد اور قدیم مخلص دوست تھے۔ اس لئے لیڈی ہارون صاحبہ اور ان کے صاحبزادوں نے ہم لوگوں کی بہت آؤ بھگت کی معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کو جہاز رضوانی پر جگہ ملی ہے جو دوسرے دن ۱۳ راکتوبر یوم شنبہ کو جدّہ جا رہا ہے اور ہم لوگوں کو صبح سویرے آٹھ بجے تک بندرگاہ پورٹ پر پہونچ جانا چاہیئے۔ کراچی میں صرف نصف دن اور ایک شب قیام رہا۔ اس لئے وہاں کے کوئی حالات ضبطِ تحریر میں نہیں آ سکتے صرف اتنا دیکھا کہ ہمارے میزبان شبانہ روز الکشن کی تیاری میں مجنونانہ جوش و خروش سے ایسے منہمک تھے کہ سر دیا کا ہوش نہ تھا۔

منزل چہارم از کراچی تا جدہ

جہاز رضوانی اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا فضل یہ بھی ہوا کہ مغل لائن کے فی الحال بہترین جہاز رضوانی پر ہم کو جگہ ملی ۔ ۱۳ر اکتوبر یوم شنبہ صبح سویرے ہم نے نماز از حد خشوع و خضوع سے پڑھائی ۔ ہر دو بڑے بھائی صاحبان مقتدی تھے ۔ یہ نماز گویا خشکی اور ساحلِ ہندوستان پر ہماری فی الحال آخری نماز تھی ۔ اس کے بعد سے تو جہاز اور پھر حجاز ہی میں نماز ادا ہوگی ۔ نو بجے دن کو پورٹ پر پہونچ گئے ۔ سامان پہلے سے اونٹ گاڑی پر آگیا تھا ۔ کراچی میں ربڑ ٹائیر اونٹ گاڑی کا بہت رواج ہے ۔ اور ایسے ٹھیلا گاڑیوں میں اس قدر زیادہ سامان کا انبار لیکر بے تکان اونٹ کھینچتے ہیں کہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے ۔ اتنا زیادہ سامان اتنی آسانی سے کھینچنے کی صرف دو وجوہات ہیں ۔ ایک تو کراچی کی سڑکیں بہترین تارکول کی پختہ بنی ہوئی ہیں دوسرے تمام ٹھیلے ربر ٹائر ہوتے ہیں ۔ سامان ماسٹر محمد رمضان صاحب مالک کپور تھلہ ٹیلرنگ فرم لاہور کی تحویل میں تھا جو برادر محترم حکیم عبدالقادر صاحب کے مخلص دوست اور سفر حجاز میں ساتھی

ہیں۔ پورٹ پر پہونچ جانے کے بعد معلوم ہوا کہ برادر مکرم مسیح اللہ شاہ صاحب ناظم تعمیرات کے قدیم دوست مسٹر گزدر سابق وزیر سندھ اور صدر مسلم لیگ کے ایمار برج کمیٹی کراچی اور محافظ حجاج صاحب نے حکیم عبد القادر منجھلے بھائی صاحب قبلہ کو جہاز رضوانی کا امیر الحج مقرر کیا ہے۔ چنانچہ امیر الحج کا بیاج ان کو مل گیا۔ اور انہوں نے بازو پر باندھ لیا۔ جہاز رضوانی پر صرف ایک ہزار حجاج کی گنجائش ہے۔ مگر اس میں پندرہ سو سے زیادہ حاجی روانہ کیئے جا رہے ہیں۔ اول مرحلہ بحری چنگی والوں سے سامان کے پاس کرانے کا تھا۔ ہر جگہ کے چنگی والے اپنے سخت برتاؤ اور دار و گیر کے لیئے مشہور و معروف ہیں۔ مگر یہ مرحلہ از حد آسانی سے طے ہو گیا۔ لاہور سے کراچی آتے وقت کراچی میل میں ہمارے سکنڈ کلاس میں ایک چنگی کے انسپکٹر مسٹر دت صاحب از حد شریف نوجوان ہمسفر تھے۔ انہوں نے ہم لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ پورٹ پر مجھے دریافت کر کے اپنا سامان مجھ سے پاس کروا لیجیئگا چنانچہ ہم لوگوں نے مسٹر دت کو تکلیف دی۔ اور اس شریف انسان نے چند منٹ میں سرسری طور پر بغیر دیکھے بھالے یا پوچھ کچھ کئے تمام سامان پاس کر دیا۔ ملک الحجاز سلطان ابن سعود کے لئے خاص طور سے بھائی صاحب نے

گورنمنٹ آف انڈیا سے ادویات کا پرمٹ حاصل کرلیا تھا۔ دوسرا مرحلہ ڈاکٹری معائنہ کا تھا۔ بمبئی میں یہ مرحلہ ازحد سخت ہوا کرتا ہے اور وہاں کافی دیر میں ڈاکٹر معائنہ کرنے کے علاوہ چیچک کے ٹیکہ کا نشان دیکھتا ہے اور سرٹیفکیٹ کے باوجود ذرا شک ہوجانے پر دوسرا ٹیکہ دیا جاتا ہے۔ جو جہاز پر پک کر حجاج کیلئے بڑی اذیت کا باعث ہوجاتا ہے۔ مگر کراچی کے ڈاکٹر نے ہر حاجی کا معائنہ بلا مبالغہ نصف منٹ میں ختم کردیا اور ٹکٹ پر مُہر کردی گئی۔

اس مرحلہ کے بعد اختتام پر جہاز میں سوار ہونے کا سب سے زیادہ سخت اور ازحد دشوار و کٹھن ایسا مرحلہ ہے کہ بڑے بڑے جی دار لوگوں کے اس موقعہ پر حواس باختہ ہوجایا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ صرف ایک زینہ لگایا جاتا ہے اور بجید تنگ و طویل کٹھیرے کے پل صراط سے پندرہ سو حجاج گزرنے کے بعد زینہ سے چڑھکر جہاز میں جاتے ہیں جو ریل پیل۔ دھکا مشتی۔ نفسا نفسی اس موقعہ پر ہوتی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ تصور سے سمجھا جا سکتا ہے۔ بہر حال جہاز میں سوار ہونے سے قبل باہم رخصتی کا ایک دردناک منظر تھا۔ بڑے بھائی حکیم عبدالحی صاحب قبلہ والدہ ماجدہ سے باچشم گریاں و دل بریاں مرخص ہوئے

دودھ بخشوایا۔ پھر ہم دونوں بھائیوں سے ملے۔ ہم نے عرض کر دیا کہ اگر ہم سفر حجاز سے واپس نہ آسکے تو خدارا میرے معصوم چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم اور پرورش کا خیال رکھیے گا۔ ان لوگوں کا بظاہر کوئی وسیلہ سوائے آپ کے نہیں رہے گا۔ جہاز پر چڑھتے کھڑے کے قریب گئے تو بہت دردناک منظر دیکھا کہ پولیس افسر غریب حاجیوں کو بلا وجہ و سبب بجی قریب آجانے کے باوجود جہاز پر چڑھنے دینے کی بجائے درندوں کی طرح پیچھے کی طرف دھکیل رہے تھے اور بلا وجہ و سبب نہ معلوم کس قصور کی پاداش میں تھوڑی تھوڑی دیر سے پولیس کو اشارہ کر کے غریب ڈک والے مسافروں پر چھڑیاں برسوا رہے تھے۔ پولیس افسروں کو یہ جتلانے پر کہ فرسٹ کلاس کے کمزور اور نحیف مسافر ہیں۔ اگر فوراً راستہ نہ دیا گیا تو بلا وجہ روکنے پر معاملہ افسران اعلیٰ کے پاس پیش کر دیا جائے گا۔ ہم لوگوں کو فوراً راستہ مل گیا۔ اور ہم ایک بغل میں والدہ ماجدہ کی تلاوت کا ایک طویل و ضخیم کلام پاک لیے ہوئے دوسرے بازو سے ضعیف والدہ کو سہارا دیئے ہوئے جہاز پر چڑھ گئے۔ دس اور گیارہ نمبر کا فرسٹ کلاس کیبن والدہ ماجدہ اور بسم اللہ خالہ صاحبہ کو ملا تھا۔ منجھلی بھابی صاحبہ دوسرے کیبن میں ایک فیض آبادی بیگم صاحبہ کے ہمراہ تھیں۔

ڈک کے کچھ حالات ہم نے سفر رنگون کے زمانہ میں بیس سال قبل بچشمِ خود دیکھے تھے جب کہ ہم کو ایک کروڑپتی بابو ولی محمد نظامی نے دو ماہ کے لئے روزانہ سو روپیہ فیس دے کر رنگون بلوایا تھا۔ کچھ متعدد بار سفر حج کئے ہوئے حاجی صاحبان کے زبانی سنتے تھے اور ہمارے عدو مبین دشمن جانی نفسِ خبیث ولعین نے سب سے زیادہ ڈک کے اذیت دِہ سفر سے ڈرایا تھا۔ حتیٰ کہ جان تلف ہونے کا خوف تک دلایا تھا۔ مگر قربان جاؤں میرے ارحم الراحمین کے لیے نہایت فضل و عطا کے واقعی اس پر جو کامل و مکمل بھروسہ کر کے مذہب تفویض کاملہ اختیار کرلیتا ہے، وہ کبھی کسی حال میں محروم نہیں رہتے۔ ہم کو ڈک پر اتنی اعلیٰ درجہ کی آرام دہ ہوادار جگہ ملی کہ اس سے زیادہ ہر نقطۂ نظر سے بہتر کوئی جگہ ڈک پر مل ہی نہیں سکتی تھی۔ مالک کے فضل نے اس کا ایک ظاہری سبب یہ پیدا کر دیا کہ ہمارے ہمسفر ماسٹر محمد رمضان صاحب پورٹ پولیس کے انسپکٹر کے نام ان کے ایک دوست کا رقعہ لاہور سے لائے تھے۔ ان انسپکٹر صاحب نے جو جہاز کے چپہ چپہ سے واقف و آگاہ تھے بہترین حصہ ڈک کا تین آدمیوں کے لئے تجویز کر کے سامان وہاں رکھوا کر اس جگہ ہم لوگوں کے آنے تک پولیس کا سخت پہرہ لگوا دیا کہ کوئی دوسرا مسافر اس حصہ پر قابض نہ ہو سکے۔ وہ جگہ بیحد ہوادار ہونے کے علاوہ غسل خانہ، بیت الخلاء،

پانی کا نل، سب چند قدم کے فاصلہ پر تھے۔ اور سب سے زیادہ آرام دہ بات یہ تھی کہ وہ حصہ خاص طور سے روزانہ صبح کے وقت دھویا نہیں جاتا تھا ورنہ اور تمام حصے بالائی ڈیک ہونے کی وجہ سے صبح کی نماز کے فوراً بعد دھوئے جاتے تھے اور حاجیوں کو سامان وغیرہ ہٹانے میں ہر روز کافی سردردی کرنی پڑتی تھی اس کے علاوہ ہمارے پڑوسی بھی بہت اچھے لوگ تھے۔ ایک طرف پہلو میں چار سیلون کے حاجی معہ ایک اُن کے خاص معلم کے تھے۔ سامنے کی جانب چند سرحدی جاگیردار پختون کے پٹھان لوگوں نے اپنے کیمپ کارپٹ بچھا رکھے تھے اُن میں سے ایک ادھیڑ عمر سکنڈ کلاس سردار اور جاگیردار پٹھان ان لوگوں میں زیادہ شائستہ اور تعلیم یافتہ بھی تھے۔ سرحدی لوگ جیسے آتش مزاج اور سریع الاشتعال ہوتے ہیں۔ دنیا کو معلوم ہے اور حاجیوں کا ذرا ذرا سی بات پر یہ لوگ سر توڑنے آمادہ ہو جاتے تھے۔ مگر ہم لوگوں کے حُسنِ سلوک اور عمدہ برتاؤ سے یہ جنات بھی ایک ہی دن میں شیشہ میں اتر گئے اور خوب میل جول ہو گیا۔ شائستہ تعلیم یافتہ پٹھان نے اول ہی دن کمال غیظ وغضب سے پورٹ کے ڈاکٹر اور پولیس والوں کو خوب تیڑیاں سنائیں۔ ڈاکٹری معائنہ کے لئے کہا کہ یاجی ڈاکٹر فرسٹ کلاس والوں کی صرف نبض دیکھتا تھا اور ڈیک والوں کا پیٹ کھول کر

کیوں دیکھتا تھا۔ ہمارا بیٹا اُس نے دیکھا تو ہم اُس سے بولا کہ ذرا اور
نیچے کی طرف بھی دیکھو اُدھر بھی دیکھنے کا زبردست چیز ہے۔ ہم نے بہت
نرمی سے سمجھایا کہ خاں صاحب اب آپ اور ہم حج کے لئے جا رہے ہیں اور
نص قطعی کلام پاک کی ہے کہ لَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ اسلئے
اب فحش باتیں بھول کر بھی ہم کو نہیں کہنا چاہیئے اور جتنا موقع مل سکے اللہ کا
جس طرح بھی ہو ذکر کرنا اور کلام مجید کی تلاوت کرنا چاہیئے۔ بارے
خاں صاحب کی سمجھ میں ہماری بات آ گئی۔ اور الحمدللہ انہوں نے اس کے
بعد سے قطعاً کوئی فحش کلامی نہیں کی اور ہماری امامت میں پنجوقتہ جو جماعت
ہوتی تھی اس میں پابندی سے شامل ہوتے رہے اور اکثر اوقات اپنے
کیمپ کارٹ پر تلاوت میں بھی مصروف نظر آتے تھے۔

برکاتِ حج کا ظہورِ اول | برکاتِ حج میں سے جہاز میں سوار ہوتے ہی
پہلی چیز جو ظاہر ہوئی وہ وحدت نام تھی۔ جہاز کے تمام مسافروں کو جہاز کے
ملازم ایک اور صرف ایک ہی نام سے پکارتے تھے اور وہ نام حاجی صاحب
تھا۔ بظاہر یہ بات بہت معمولی اور ایسی معمولی معلوم ہوتی ہے کہ شاید
کوئی اس کی طرف خیال تک نہیں کرتا۔ مگر جب ہم نے جہاز میں ہر سمت اور ہر طرف

ہر مسافر کو ایک ہی نام حاجی صاحب سے موسوم کرتے سنا تو ہم کو وجد طاری ہوگیا۔ سبحان اللہ مذہب توحید کامل اسلام کے تمام ارکان تعینات و تشخصات کو محو کر کے وحدت اور صرف وحدت ہی باقی رکھتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کا کلمہ ایک۔ کعبہ ایک۔ رسول ایک اور خدا ایک۔

جہازی زندگی کے اور حالات | جہاز کے سب سے اوپر کی منزل عرشہ جہاز پر کپتان کا کیبن ہے اور اسی کے متصل ایک کیبن کسی خصوصی مسافر کو جو بہت معزز ہو دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جہاز رضوانی کے اس خصوصی کیبن میں کمشنر صاحب لاہور نواب زادہ سید اللہ خاں جو سردار امیر ایوب خاں سابق والی افغانستان کے قریبی رشتہ دار ہیں ٹھیرائے گئے تھے۔ وہ بند ڈبوں کا دودھ چونکہ استعمال نہیں کرتے تھے اس لئے اُن کے لئے ایک خاص بربری بکری بھی جہاز میں دودھ کے لئے رکھی گئی تھی۔ برادر معظم حکیم عبدالغفار صاحب انصاری امیر الحج نے کپتان جہاز سے اصرار کر کے عرشہ کا تمام ڈک حاصل کر کے مسجد بنالیا۔ اور الحمد للہ پنجوقتہ اذاں ہو کر باقاعدہ کثیر جماعت سے عرشہ پر نماز ہوتی رہی۔ عرشہ سے نیچے دو جانب فرسٹ کلاس کے کیبن اور اُس کے متصل تھوڑی نہایت ہوادار جگہ ڈک کے مسافروں کے لئے اور

پھر بیت الخلاء و غسل خانے تھے۔ ڈک کے مسافروں سے پٹی پڑی تھی جس جہاز میں صرف ایک ہزار مسافروں کی گنجائش ہو اور اس میں پندرہ سو سے زیادہ مسافر ٹھونس دیئے گئے ہوں تو جو کشمکش اور جگہ کی انتہائی تنگی ہوگی ظاہر ہے۔ گزرگاہیں آنے جانے کے تمام راستے سامان اور انسان سے بھرے ہوئے تھے۔ نہایت دشواری سے نقل و حرکت کی جاسکتی اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بہ دقت تمام کوئی چل پھر سکتا تھا۔ اور جیسے کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے ہم تین ڈک کے مسافروں کو الحمدللہ کافی ہوادار جگہ مل گئی تھی مگر اور ڈک کے مسافر خصوصاً نیچے کے طبقات تیسری اور چوتھی منزل والے بڑی گھٹن اور تکلیف میں تھے۔

سفر حج کی مشکلات | سفر حج میں مشکلات گویا تزکیۂ نفس کے لئے مسہل کاملہ کی قائم مقام ہیں۔ مصائب اور تکالیف کا یہ نشتر نفس میں یا توفضل رب سے مکمل شکستگی پیدا کر دیتا ہے، ورنہ بصورت دیگر معاذ اللہ نفس پلید کا مار سیاہ زخمی ہوکر اور بے قابو اور سرکش ہو جاتا ہے جو اہل ہمت موفق من اللہ اس راستہ میں نفس کو پوری طرح کچل کر ادھموا کر دیتے ہیں تو پھر مدت العمر یہ خبیث کبھی دوبارہ سر نہیں اٹھاتا۔ اس کے برعکس جو لوگ

عثمان ضیغہ کو چھوڑ بیٹھتے اور نفس کو آزاد چھوڑ کر اور سرکشی کرنے دیتے ہیں
حج و زیارت سے واپس ہونے بعض لوگ اُن کے سخت تنا کی پائے جاتے ہیں
قسبی انقلاب اور بجائے حاجی ہونے کے پاجی ہو کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے
فضل خاص سے تمام عازمین حج کو نفس امارہ کی شرارتوں سے محفوظ اور
اپنے حبیب اکرمؐ کے طفیل اس کی سرکشی سے مامون رکھے۔ آمین۔
ایک نازک اور اہم بات جس سے بالعموم زائرین حج تقریباً غافل اور
اس بارہ میں سخت غیر محتاط نظر آتے ہیں وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا
مسئلہ ہے۔ حج مبرور سے بیشک وہ تمام گناہ صغیرہ و کبیرہ جو حقوق اللہ کے
اتلاف سے ہوئے ہوں سب معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر حقوق العباد والامر فیہ
از حد نازک ہے اس کے متعلق تو منصف حقیقی یہ فرماتا ہے کہ جس کا حق تلف
ہوا ہو جب تک وہ خود معاف نہ کر دے ہر گز حق العباد معاف نہیں ہوتا
اور ہم لوگوں کی غفلت و لاعلمی کا یہ حال ہے کہ روانگی سفر حج سے دوسروں کا
حق غصب کر لینے کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ ریل میں دوسروں کی نہ تو آسائش کا
خیال ہوتا نہ جگہ زیادہ گھیر کر دوسروں کو تکلیف میں ڈالنے کی پرواہ ہوتی۔
اس سے زیادہ خراب مناظر جہازیں دیکھنے میں آئے ہیں۔ ہمارے جہازیں

اور مسافروں کی سخت شکایت پر برادر معظم امیر الحج صاحب نے خود جا کر معائنہ
کیا کہ بعض سرحدی پٹھانوں نے جن کی تعداد چار پانچ نفر سے زیادہ نہ تھی۔
چادریں اور کپڑے باندھ کر فی نفر بائیس سے زیادہ آدمیوں کی جگہ گھیر لی ہے
اور دوسرے مسافروں کو اس میں آنے نہیں دیتے۔ ہر چند اُن لوگوں کو سمجھایا
گیا کہ جہاز میں مسافر بہت زیادہ ہیں آپ لوگوں نے اتنی زیادہ جگہ گھیر لی ہے
یہ دوسروں کی حق تلفی ہے۔ مگر پنچوں کی رائے سر پہ۔ پرنالہ وہیں رہیگا۔ وہ
سرحدی کسی طرح نہ مانے۔ لڑنے مرنے آمادہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم کو
سمندر میں پھینک دو ہم جگہ نہیں دیں گے۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔

ایک سرحدی پیر صاحب سرحدیوں کے ایک پیر صاحب کا لطیفہ بھی سنئے۔
بارہ بجے رات کو چند مشٹنڈے پٹھان پہونچے اور انہوں نے امیر الحج صاحب کو
جگادیا۔ فرمائش یہ کہ ہمارے پیر صاحب جہاز میں اعتکاف کرنا چاہتے ہیں۔
لوگوں اور مسافروں کو ہٹا کر اُن کے لئے کافی کشادہ جگہ دی جائے تاکہ اطراف
چادریں باندھ کر حجرہ بنا کر ان کو معتکف کیا جائے اور اس کام کے لئے ہم
جہاز والوں کو ساٹھ روپیہ دیں گے ورنہ دنگا فساد کیا جائیگا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

بہت کچھ منت و سماجت سے اُن کو رات کو ٹالا گیا۔ صبح پھر مسلط ہو گئے۔ مسلمان نائب کپتان کو سخت طیش آیا اور اس نے کہا کہ یہ لوگ دنگا و فساد کی دھمکی دیتے ہیں کیا کریں ہم سخت مجبور ہیں کہ یہ لوگ حج کے لئے جا رہے ہیں ورنہ عام مسافر ہوتے تو ہم بلا تکلف ایسی دھمکی پر اُن کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیتے۔ یہ خود اپنی جگہ خالی کر کے چادریں باندھ کر اپنے پیر صاحب کو اعتکاف میں بٹھائیں۔ ہم دوسرے مسافر کو ہٹا نہیں سکتے۔ اس فیصلہ پر طوعاً و کرہاً مرحدی پٹھانوں کو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ اور چادروں کے احاطہ میں پیر جی صاحب معتکف ہوئے۔ اب حضرت پیر جی صاحب کا جو نوجوان تھے کھانے پینے کا حال سنئے۔ حضرت صاحب ایسا زبردست ترک حیوانات جلالی و جمالی فرماتے تھے کہ اولین و آخرین میں سے شاید ہی کسی نے نفس امارہ کو مطیع کرنے ایسا ترک و تجرید و تقلیل غذا فرمائی ہو۔ یادگاری چیز ہے۔ سنئے اور لطف اٹھائیے۔ صبح سویرے نہایت اہتمام سے نصف سیر مغز بادام مقشر علاوہ اور خشک مغزیات کے پیس کر اس کا کئی سیر خالص شیرہ نوش جان فرماتے تھے۔ دوپہر کو ایک درجن گھی سے تر بتر پراٹھے اور مرغ کا نہایت ہی مرغن سالن۔ غریب مریدوں کی شومی قسمت کہ انہیں سے کچھ بچا کچا الشّو یا پس خوردہ ان غریبوں کو نہیں ملتا تھا۔ بھلا پیروں کے

پس خوردہ روحانیت سے ملبب غذا کو دوسرے کیا ہضما سکتے رات کو بھی ایک مرغ مسلم کا قورمہ اور روٹی ایک درجن پر اٹھے دین کا اثر تو آیا۔ ویراں چنیں کنند"۔ اب فرمائیے کہ نوجوان تعلیم یافتہ فرقہ جو مسموم تعلیم سے متاثر ہو چکا ہے پیشوائی کے مدعی۔ پیروں فقیروں کی ایسی تحر نفسی معائنہ کر کے اُن کا معتقد ہو گا یا متنفر اور ڈرے گا۔ قلتِ طعام قلتِ کلام۔ قلتِ منام۔ یہ درویشانہ دھقانت سہ گانہ بزرگوں کا رویہ تھا۔ مگر افسوس کہ آج سے چار سو سال پہلے کسی حق گو نے کہہ دیا تھا کہ۔

۵۔ مسلمانی در گور و مسلمانی در کتاب

اب تو حالت اور بد سے بدتر ہے اور واقعہ یہی ہے کہ گوشت خوری اور ذراسی گونت تراشی کی مسلمانی ہم میں رہ گئی ہے باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ اب تو ایک ہمہ گیر زبردست آتشین انقلاب ہی عالم اسلام کی کایا پلٹ کر سکتا ہے ورنہ اس لکڑی کو تو ایسا گھن کھا چکا کہ اور طرح اصلاح ممکن نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ ایسے ایسے معائب شدیدہ کا مجموعہ ہو کر رہ گئے ہیں کہ ایک ایک عیب کی پاداش میں امم سابقہ حرف غلط کی طرح سے صفحہ عالم سے محو کر دی گئی تھی۔ مگر چونکہ امت مرحومہ میں سے ہیں۔

اور عالمین کی رحمت جسد کونین کی روح سرورِ کائنات اروا حنا فداہ سے ایک نسبت رکھتے ہیں اس لئے قبول دیا گیا ہے ورنہ

ع بڑے جیا زیست ہے اپنی جو جئے جاتے ہیں"۔

واقعہ یہ ہے کہ غلامی درماندگی، نکبت و ذلت کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔

امیر الحج صاحب | ایک لطیفہ اور شیشۂ چوب نرم را کرم میخورد"

ہمارے بحری جہاز کے منتظم جو امیر الحج ہیں۔ چونکہ از حد نرم مزاج۔ جھگڑے فساد سے کوسوں دور بھاگنے والے امن پسند اور ذی مروت انسان ہیں انتظامی امور میں مروت کا اگر ذرا عمل دخل ہوا کہ اس کے کل پرزے ڈھیلے ہوئے۔ انتظامی امور تو ذرا سختی اور بے مروتی کے طالب ہوتے ہیں۔ بہرحال چونکہ ہمارا جہاز واقعی عالمِ صغیر کا بعینہٖ نمونہ تھا۔ افغانی سلیمانی۔ سرحدی۔ پنجابی۔ سندھی۔ بنگالی سے لیکر رومی۔ چینی۔ ترکستان تک کے حاجی اس میں موجود تھے۔ شر انگیز عناصر نے نرم مزاج پا کر امیر الحج صاحب کا ناک میں دم کر دیا۔ صبح نماز کے بعد سے لے کر بارہ بجے شب تک مہلت نہیں لینے دیتے تھے۔ اور اکثر و بیشتر چھوٹی چھوٹی شکایات کا

ابار لگا دیتے ۔ حصول ثواب کیلئے اہتمام تراشی تک میں نہیں چوکے ۔ اور یہاں تک کہہ ڈالا کہ امیر امجد مغل لائن کا تنخواہ یاب ملازم ہے ۔ ایک شکایت کا نمونہ سنیے اور لطف اٹھائیے ۔ ایک صاحب تشریف لاکر فرماتے ہیں کہ کیوں جناب امیر امجد صاحب یہ سامنے کی طرف جو وضو کی اور بیت الخلاء کی جگہ بنی ہوئی ہے یہ عورتوں کے لئے ہے یا مردوں کے لئے کہا گیا کہ جناب وہ مستورات کیلئے مخصوص ہے ۔ فرماتے ہیں کہ پھر آپ کیا انتظام کرتے ہیں وہاں تو مرد بھی بیٹھکر وضو کر لیتے ہیں ۔ عرض کیا گیا کہ پھر کیا کیا جائے آپ ہی فرمائیے ۔ ارشاد ہوا کہ نوٹس لکھکر لگا دیجئے کہ وہ جگہ صرف عورتوں کی ہے مرد وہاں وضو نہ کریں ۔ جواباً کہا گیا کہ جناب اول تو سب لوگ پڑھے لکھے نہیں ۔ دوسرے نہایت واضح اور صاف بڑی سائز کی عورتوں کی تصویر وہاں جا بجا لگی ہوئی ہے اور تصویر دیکھکر جاہل سے جاہل شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ جگہ مستورات کیلئے ہے ۔ اس پر جب لوگ نہیں مانتے تو اس کے انتظام کی صرف یہی صورت ہے کہ براہ نوازش آپ رضاکار بن کر بیت الخلاء پر پہرا دیجئے اور مرد آنے جانے والوں کو روکیئے ۔ ورنہ حالت یہ ہے کہ مردانہ وضو کے مقام پر مجمع میں بیٹھکر

سندھی لوگ بے تکلف اپنے آپ کو جنگل میں تصور کرتے ہوئے استنجا دھر کا دیتے ہیں۔ ہر چند ہائیں ہائیں کہیں منع کریں۔ سمجھائیں کہ اول تو یہ جگہ وضو کی ہے۔ دوسرے سخت بے حیائی ہے کہ عام مجمع میں ایسا کیا جائے۔ مگر وہ لوگ باز نہیں آتے۔ نوٹس لٹکا کر لگانے سے کیا نفع ہوگا۔ برادر معظم امیر الحج صاحب نے واقعی صحیح معنوں میں خدمت خلق کا خوب ثواب حاصل کیا اور ہر طرح جہاز فیروانی کے حاجیوں کی شبانہ روز خدمت کی۔

تعلیم توحید حضرت والدہ ماجدہ کی کیفیات روحانی اور مرتبہ علیا کا کیا بیان کیا جائے۔ صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ پچاس سال سے زائد کا عرصہ طویل ہوگیا ان کی نماز تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوئی۔ تمام اوقات صبح سے رات تک از حد معمور۔ ذکر شغل کے علاوہ تلاوت کلام مجید۔ اوراد وظائف میں بیشتر وقت صرف ہوتا ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ جو شاید تمام عالم اسلام میں حافظ صحاح ستہ ہونیکی وجہ سے منفرد اور مرتبہ قطبیت پر فائز اور دربار دُر بار نبوی کے خاص حاضر باشوں میں سے تھے۔ ان کے توجہات روحانی نے حضرتہ والدہ ماجدہ کے تمام جواہر روحانی کو جگمگا دیا تھا۔ بہرحال ذکر اس کا تھا کہ ایک دن ہم نے حضرتہ سے عرض کیا کہ آپ کے کیبن سے چند

قدم کے فاصلہ پر ایک لکڑی کی ہے۔ جہاز کی تمام مشین نظر آتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرتؒ نے دیکھا ہم نے عرض کیا کہ یہی مشین تمام جہاز کو چلا رہی ہے کیا خوب ارشاد ہوا کہ دل پر ضرب کی طرح جا لگا اور آنکھیں کھل گئیں کہ مشین کی کیا ہستی ہے۔ ارے میاں تمہارا کہہ خیال ہے یاد رکھو کہ "اللہ جہاز کو چلا رہا ہے اور ہر چیز اسی کے ید قدرت میں ہے۔" سبحان اللہ کیا اچھی تعلیم توحید ہے۔

آثار و تعینات چوں یافت حکے ؛ کثرت ہمہ وحدت است بے شبہ و شکے

بیشک جن کے رگ و پے میں انفس و آفاق میں اللہ ہی اللہ سمایا ہوا ہو تو عالم اسباب میں کسی سبب ظاہر کو نہیں دیکھتے نہ خیال میں لاتے۔ بس وہی مسبب الاسباب ان کی نظروں میں سمایا ہوا ہوتا ہے۔

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا
حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

ہم جو غدر کے مارے پیر جی گھسیارے اپنے کو بڑا عالم فاضل ہمہ دان۔ ہزارہا مریدوں کا پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ اس خالص تعلیم توحید سے ہماری غفلت ہم پر کھل گئی۔ واقعی مشین یا اس کے بنانے والے ادنیٰ انسان کی کیا مجال کہ اس بے پایاں سمندر میں جس پر آتا پڑا دس ہزار ٹن کا جہاز ایک ادنیٰ تنکا نظر آتا ہے

بغیر فضل رب کے سلامتی سے کنارے پہونچ سکے۔ اس کا فضل بیڑا پار کرتا ہے۔ اس
تمام کائنات کی مشنری کے تمام کل پرزے صرف اسی ایک مالک کی مرضی
اور قوت و حول سے چل رہی ہیں۔ اور جب تک اس کی مرضی پر چلتے رہیں گے۔

اکثر فون فنگ | جہاز کے مسافروں میں چند حضرات جن میں ایک مشہور دہلوی
خاں بہادر صاحب کے صاحبزادے اور ان کے آقربا ہیں اڑہائی فرسٹ کلاس کے
کیبن انہوں نے کیا لئے ہیں کہ تختہ جہاز پر گویا قدم ہی نہیں رکھتے۔ سر پر غرور ہیں اس وجہ
ہوائے نخوت و تکبر سمائی ہوئی ہے کہ ڈک کے مسافروں کو دیکھتے ہی تنفر سے منہ پھیر کر
تیوریاں چڑہ جاتی ہیں۔ اپنے آپ کو اس درجہ ارفع تصور کئے ہوئے ہیں کہ اگر
بھولے بھٹکے جہاں وہ لوگ ہوں کوئی ڈک کا مسافر پہونچ جاتا ہے تو فوراً علانیہ
تنفر کا جھرجھری اظہار کرتے ہوئے وہاں سے چل دیتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ جا رہے
ہیں۔ حجاز۔ بیت اللہ شریف۔ مدینہ طیبہ۔ اور حصول ثواب میں اس درجہ ساعی اور
کوشاں ہیں کہ حضرات نے کپتان جہاز سے مل کر پوری سعی کی کہ عرشہ جہاز کے ڈک
پر نماز با جماعت کیلئے تیسرے درجہ کے مسافر نہ آنے پائیں۔ استدلال یہ ہے کہ عرشہ
کا ڈک فرسٹ کلاس والوں کی تفریح کے لئے ہے۔ مگر ایک تو کپتان جہاز باوجود انگریز
ہونے کے گرگ باراں دیدہ اور عرصہ طویل سے حاجیوں ہی کے جہاز پر مامور تھا۔

دوسرے برادرِ معظم حکیم عبدالقادر صاحب امیر الحج نے کپتان کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اگر آپ نے
عرشہ جہاز پر تیسرے درجہ والوں کی نماز باجماعت کو روکنا چاہا تو اس جہاز میں سندھی افغانی
اور سرحدی پٹھان بکثرت ہیں وہ قطعی بے قابو ہو جائیں گے۔ جب یہ سعی نامحمود نماز باجماعت کو
روکنے کی کامیاب نہ ہو سکی تو یہ بات کپتان جہاز سے منوالی کہ اوقات نماز کے علاوہ تیسرے
درجہ والے عرشہ پر ہرگز نہ آئیں نہ وہاں ٹھیر سکیں۔ ان کی ان حرکات مذمومہ کی وجہ سے
ایک عام تنفر حاجیوں میں پھیل گیا تھا۔ مقام عبرت ہے۔ اسی جہاز رضوانی میں تقریباً بیس
بائیس اور فرسٹ کلاس کے مسافر مقابل کے کیبنوں میں مقیم تھے۔ جن میں ایک لاہور کے نوابزادہ
بھی تھے۔ مگر خان بہادر زادے دہلوی کے برخلاف وہ لوگ ماشاء اللہ صحیح معنی میں عازم
حج و زیارت معلوم ہوتے تھے۔ ان لوگوں نے اپنی طرف کے فرسٹ کلاس کا کتب خانہ
اور تفریح کے کمرہ کا فرنیچر بالکل خالی کروا کے وہاں قرآن مجید کا ختم کروانا شروع کیا۔
اور دس روزہ جہازی مسافرت میں ماشاء اللہ کئی ختم قرآن پاک کے کرڈالے۔
اور ہر ختم پر دل کھول کر نان قتائی وغیرہ کا تبرک تقسیم کیا۔ سچ ہے ہر جگہ نور و ظلمت
اور باہمی اضداد کی جلوہ گری اس لئے نظر آتی ہے کہ یہی راستہ عرفان اختیار کا ہے
اگر بدی نہ ہو تو نیکی کو کون پہچان سکے۔ فرسٹ کلاس کے تمام تر مسافر اسلامی ہوٹل سے
کھانا کھاتے ہیں اور خان بہادر زادوں نے انگریزی ہوٹل سے کھانا کھانے کا بندوبست

کیا ہے۔ اور ڈائننگ سیلون میں کانٹے چھری سے منٹ چاپ پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا۔

سفرنامہ ہذا کے ناظرین کو فطرتاً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کا لکھنے والا اس قدر بد بین کیوں واقع ہوا ہے۔ کہ لوگوں کی عیب جوئی اور عیب چینی پر ہر وقت کمر بستہ نظر آتا ہے اور ہجو کرنے میں صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالتا ہے۔ مگر راقم ہذا اس تحریر کے وقت حرم محترم بیت اللہ شریف میں بیٹھا ہوا ہے اور جو جسم و مکان سے پاک و منزہ ہے اس کا گھر کعبۃ اللہ روبرو اور سامنے ہے۔ اس علیم بذات الصدور دلوں کے تمام رازوں سے آگاہ کو شاہد و گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میرا ارادہ ہرگز ہرگز لوگوں کی عیب جوئی اور بدگوئی اور بیجا ہجو کرنا نہیں ہے۔ محض عبرت بصیرت اور اصلاح کے خیال سے بعض لوگوں کے ساتھ ساتھ یہ چند خارجی مصلحتاً لگا دیئے ہیں۔ تاکہ مغز کے ساتھ چند استخوان بھی رہیں۔ اب جس کا جی چاہے میٹھے کو ہپ ہپ کر لے اور کڑوے کو تھو تھو۔ اس سے زیادہ میں اور کوئی صفائی کرنا نہیں چاہتا اور نہ اس کی ضرورت سمجھتا۔ ہاں اور اتنا اشارہ کر دیتا ہوں کہ صرف ایسے ہی حالات کی ہجو کی گئی ہے۔

جو طریقت یا شریعت کے نقطۂ نظر سے درحقیقت مذموم ہیں۔ اور
ایک بات بھی یہاں عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے اشارہ غیبی
کے تحت اس سفر نامہ کو لکھنا شروع کیا ہے اور اس میں میرا قلم
مامور ہے۔ آئندہ خاص مقامات کے خاص احوال و کیفیات محض
تحدیث بالنعمت کے طور پر بلا تامل بیان کر دیئے گئے ہیں
اس کے عام ملاحظہ فرمانے والوں سے میری استدعا ہے کہ

اے شیخ پاکدامن معذور دار ما را ؎

اگر بعض حالات و کیفیات آپ کے فہم مبارک میں نہ آئیں تو
لہٰذا ظنّ المؤمنین خیرًا کو کام میں لا کر بیجا بدگمانی کے لوث
سے اپنے کو محفوظ رکھیئے۔ اور مجذوب کی بڑ یا شطحیات پر اس کو
محمول فرمایئے۔ جو شرط بلاغ تھی وہ پوری کر دی گئی آئندہ آپ کی مرضی۔

کامران ہمارا جہاز رضوانی کراچی سے ۶ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق
۱۳ اکتوبر یوم شنبہ دوپہر کو روانہ ہوا تھا۔ اور ٹھیک ایک ہفتہ بعد روز
شنبہ ۲۰ اکتوبر کو پچھلی شب میں جزیرہ کامران کے قریب رک گیا۔
تہجد کے وقت ہم نے غسل کر کے احرام باندھ لیا۔ عجیب و غریب آثار

ظاہر و مشہود ہونے لگے۔ ہم نے عرصہ تک قبر نما حجرہ میں بند ہو کر جہاں ہوا
اور روشنی کا گذر مطلق نہ تھا شغل میت بیس سال قبل کیا تھا غسل کے
بعد یہ سمجھ کر احرام پوش ہوگئے تھے کہ میت کو کفنا دیا گیا ہے۔ اب
اطراف و جوانب سے قطعی بیگانہ ہو جانا چاہیئے اور ہو سکے تو وُجُوہٌ
یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۔ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کی حالت و کیفیت طاری
کرلینا چاہیئے ورنہ کم از کم ایک لمحہ ذکر و فکر سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔
تجلیات و مشاہدے کو کیا مارتے۔ احرام پوشی نے شغل میت کی عادت
سے موافقت کرلی بَیْنَ النَّوْمِ وَ الْیَقْظَۃِ دو مشاہدات ہوئے
اول یہ کہ دیکھا حضرت قطب وقت والد ماجد قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ
عمامہ سر مبارک پر باندھے ہوئے عرشہ جہاز کے بلند ترین مقام پر استادہ
ہیں۔ اور اس طرح کھڑے ہوئے ہیں جیسے جہاز کا ناخدا جہاز چلانے
کھڑا ہوتا ہے۔ دیر تک ہماری طرف متوجہ نہ ہوئے۔ جب متوجہ ہوئے
تو عرض کیا گیا کہ کدھر کا عزم مبارک ہے۔ ارشاد ہوا کہ عبدالسلام
کے کام کے لئے مکہ شریف جا رہا ہوں۔ دریافت کیا گیا کہ کیا کام۔ بس
مزاج اقدس سخت برہم ہوگیا اور بہت غصہ سے ارشاد ہوا کہ تم کو کوئی



لقمان الملک علامہ حکیم نابینا صاحب علیہ الرحمۃ

پوچھنے کی نہیں ہے۔ ہم دم بخود ہو گئے۔

پھر ایک اور نظارہ چشم روحانی کے سامنے آیا۔ پوری حالت وکیفیت تو ناقابلِ بیان ہے مگر صرف اتنا ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ اس عالمین کی رحمت نے جو گالیاں سن کر دشمنوں کو دعائیں دینا تھا۔ اس جب۔ کونین کی روح نے اُن پہ جان ودل ہزار بار تصدق ہو جائیں جب پتھروں کی بوچھار کرنے والوں پہ جواب میں رحمتِ بے پایاں کی موسلا دھار بارش کر دی۔ بھلا وہ اپنے محبوب کو صحیح معنوں میں قربان کر دینے والوں کو کب محروم کرنے لگے تھے۔ ہم نے بھی تھوڑی سی عمر میں کافی سیاحت کی ہے۔ کلکتہ بمبئی۔ پونہ۔ شولاپور۔ دہلی نہ معلوم کہاں کہاں رہے ہیں پیشہ طبابت کی وجہ سے ہر طرح ہر قسم ہر مزاج اور ہر طور وطریق کے لوگوں سے ملے جلے۔ مگر اس زمانہ میں ہم نے محض اللہ ورسول کی محبت میں باہمی اخلاص کامل سے سچی و پکی دوستی اور محبت کا ایسا مضبوط رشتہ قائم کرتے ہوئے جو دوسرے جہاں میں بھی شکستہ نہ ہو سکے کہیں نہیں دیکھا یہ رشتہ ہماری والدہ ماجدہ مدظلہا اور مجاہدتی سبیل اللہ سیدہ بسم اللہ بیگم صاحبہ کا ہے۔ سیدہ بسم اللہ بیگم صاحبہ سادات گرامی قدر کا صحیح وسچا نمونہ ہیں۔ ربع صدی بیس سال کے طویل

عرصہ تک انہوں نے سرزمین بہار کو بہار اسلامی سے ہرا بھرا کرنے کے لئے اپنا تن پسینہ ایک کر ڈالا۔ جہاں آباد۔ پٹنہ میں انہوں نے تبلیغ اسلامی کے لئے ایک انجمن قائم کر کے ایک دو نہیں ہزار ہا خواتین کو اسلامی خدمات کیلئے مستعد و مکمل رضاکار بنا ڈالا۔ ایک ایسا جوش عمل پیدا کر دیا جو صدیوں سے دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ نیم مسلمان بہاریوں کے گھروں سے مشرکانہ رسوم مٹا ڈالا۔ بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کی عملاً ترویج کی۔ اپنے جد امجد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہر طرح پوری کرنے میں شدید جفا و خفا برداشت کی۔ گالیاں اور فحش گالیاں سنیں اور گالی دینے والوں کو گلے سے لگا کر رام کر لیا۔ ان کے حالات زندگی جو مسلم خواتین کے لئے اس زمانہ میں واقعی مشعل ہدایت ہیں۔ انشاء اللہ علیحدہ لکھے جائیں گے۔ والدہ ماجدہ سے انہوں نے ایسا رشتہ موافقت باہمی باندھا کہ اب دونوں سگی بہنوں سے زیادہ رابطہ روحانی میں منسلک ہو کر ہجرت مدینہ طیبہ کے لئے ساتھ جا رہی ہیں۔ ذکر اس بات کا تھا کہ ان لوگوں کی حالت جو کہ اس شعر کی مصداق ہے۔

رشتہ ترا سر سے طے کیا ہے ہم نے
سب کچھ تری راہ میں دے دیا ہے ہم نے

بہلا وہ ذرہ نواز ۔ عالمین کی رحمت ۔ گنبد خضرا کے مکین ۔ سرکار ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار اپنے دربار میں دو سچے دل سے آنے والیوں ایک اپنی جگر گوشہ سیدہ اور دوسری اپنی جاں نثار انصاریہ کو کیسے بے پایاں نوازشات سے نہ نوازتے کیسے فراموش کر دیتے ۔ اللہ اکبر نقیب ختم پیغمبر عاشقاں نبوی کے امام سیدہ عشاق حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص اور خانگی نبوی اور وفود کی مہمانی دوسری اپنی کرتو اسے جلیل القدر صحابی کو حکم صادر ہوا کہ "ہمارے دونوں مہمانوں کی مہمانی تمہارے سپرد ہے" ۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

جس دربار رسالت نبی کریم کے مہمانوں کے میزبان حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے جلیل الشان فرد ہوں اُن کی خوش بختی اور خوش نصیبی کا کیا کہنا ۔ یہ دو خواتین جزیرۂ کامران کے قریب میں جو نصیب ہوئے وہ ہمارے بخت و رسائی کامرانی کی دلیل و واضح برہان ہیں ۔

یہ نود اصلی اور روحانی احوال ہوا ۔ اب ذرا عالم ناسوت ظاہری کی طرف آئیے ۔ دن نکلا ۔ سورج چمکا تو جہاز بھی کھسکا اور سرکتا ہوا ساحل سے کچھ اور قریب آگیا ۔ تب ہی داخلی سمندری چٹانوں اور پہاڑوں کے خون سے

کافی دور تھا۔ جہاز کو ہر طرف سے غوطہ خوروں اور کشتیوں نے گھیر لیا۔ غوطہ خور ہر سن و عمر کے تھے لوگ اوپر سے دو آنی چونی اور اکنی پھینکتے تھے اور وہ سمندر کی تہ میں جانے سے قبل اس کو لپک لیتے تھے۔ ایسے تیر رہے تھے جیسے کوئی بحری مخلوق ہو۔ کشتیوں میں مرغی۔ انڈا۔ گھونگے صدف وغیرہ بیچنے والے تھے اوپر سے پہلے معاملات طے ہو جاتے تو کشتی والے بہت مہارت اور پھرتی سے رسی ادہر پھینکتے اوپر والے رسی تھام لیتے۔ اور کھینچتے تو زنبیل آتی۔ اس میں قیمت اتیار ڈال کر لٹکاتے۔ اور مرغی یا انڈے اسی طرح سے حاصل کر لیتے۔ ہم کو اس پر ایک روحانی تمثیل نظر یاد آتی ہے کہ اگر حاجت مند یکسر استواری سے حبل اللہ المتین کا سرا تھام لیں تو ضرور ان کی حاجت روائی کے لئے رحمت باری کی زنبیل آئے گی اس میں نیاز مندی اور اخلاص کے سکے ڈال دیں۔ جتنے کھرے اور جس تعداد میں سکے ہوں گے اسی نسبت سے دامانِ مونس بھی مالا مال کر دیا جائیگا۔

ہمارے مرغی خور سرحدی پیر صاحب کے مریدانِ با صفا نے ایک درجن سے زائد مرغیاں ان کے روزانہ دو وقتہ آزوقہ کیلئے خرید کر لیں۔ موٹر بوٹ میں

ساحل سے سیول سرجن اور پورٹ پولس آئی اور اُن لوگوں نے جہاز کا تمام مسافروں کا
اور ان کا نے کا بہت غور سے معائنہ کیا۔ پہلے کامران میں تمام حاجیوں کو بلا استثنار
اتار دیا جاتا تھا اور بھاپ دینے غسل کرنے کے کئی انتہائی تکلیف دہ مرحلوں سے گذر کر
ایک تباہ نہ روز کامران میں ٹھیرنا پڑتا تھا۔ بار بار حج کمیٹی کے سخت اصرار پر کہ یہ
کامرانی قرنطینہ حاجیوں کے لئے بہت اذیت کا باعث ہے۔ قرنطینہ بند کر دیا گیا۔ صرف
معائنہ باقی رہا۔ ایک کشتی میں ڈاک والے بھی آئے تھے۔ لوگ پہلے سے خطوط لا لاکر
حوالہ کرنے تیار تھے۔ مگر کثرت ہجوم کے باعث خطوط ڈاک والوں تک پہونچا سکنا ایک
مہم سر کرنا تھا۔ اس لئے کہ تقریباً ایک ہزار حاجی خطوط بدست ڈاک والوں پر یورش
کئے ہوئے تھے۔ ہم نے تو ایک خط اور ایک تار امیر الحج صاحب برادر معظم کے حوالہ
کر دیا تھا۔ اور انہوں نے بہ سہولت اپنے عہدہ کے باعث ڈاک والوں کو دے دیا
بھائی صاحب نے عبد اللہ سلیمان صاحب وزیر مملکت حجاز کے نام تار ارسال کیا کہ ہم
لوگ آرہے ہیں براہ نوازش انتظام کر دیجئے۔ تقریباً دو پہر تک جہاز کامران پر
ٹھیرا۔ پھر اس نے لنگر اٹھا دیا۔

سمندری دلچسپیاں کراچی سے جدہ تک جہاز دس گیارہ روز میں پہونچتا ہے
ہر طرف بحر بے پایاں سمندر اور آسمان کے کوئی دوسری چیز نہیں نظر آتی۔ کبھی

دُور سے کوئی ساحلی مقام یا سمندری چٹان نظر آجاتی ہے تو بہت اشتیاق سے لوگ دیکھنے لگتے ہیں۔ درحقیقت اسی گوناگونی میں ساری دلچسپیاں مضمر ہیں۔ ایک ہی نظارہ سے عموماً لوگ اُکتا بھی جاتے ہیں خلیفۃ اللہ انسان میں بہت سی حضرت ذات عزّ اسمہٗ کے صفات کی جھلکیاں ہیں۔ جب وہ خود ہر یوم ایک نئی شان میں جلوہ فرما ہوتا ہے تو انسان بیچارا ایک حال اور ایک کیفیت میں کس طرح گزار سکتا ہے اُڑنے والی مچھلیوں کا جھنڈ تو روزانہ کا معمولی نظارہ ہے۔ مگر جیسی قسم دیکھکر احسن الخالقین کے حسن صنعت پر طبیعت لوٹ ہو جاتی ہے۔ مُدوّر از حد شفاف گول مٹول جسم میں سے گلابی رنگ کی ایسی جھلکیں ہوتی نظر آتی ہے کہ سُبحان اللہ۔ یہ مچھلی چونکہ اکثر وسطی حصّوں میں سمندر کے پائی جاتی ہے۔ اسلئے غالباً اس کا حاصل کرنا از حد دشوار ہوگا۔ مچھلیوں کا ایک عجائب خانہ مدراس میں ہے جس میں از حد حسین عجیب رنگتوں اور محیر العقول شکل و شباہت کی مچھلیاں دیکھنے میں آئیں۔ مگر جیسی قسم ہم نے وہاں بھی نہیں دیکھی۔ جدہ پہونچنے سے دو دن قبل ایک بہت بڑا سمندری جنگی بیڑا ہندوستان کی طرف سے بہتا ہوا نظر آیا۔ جس میں ڈریڈ ناٹ۔ کروزر۔ سرنگ صاف کرنیوالے اور بہت سے تحت البحر

سب میں سب اقسام کے جہاز تھے۔ یا تو یہ جزیرہ عرب کی عام نگہبانی کے لئے گشت لگانیوالا ہوگا اور یا مشرق اقصیٰ جاپان جا رہا ہوگا۔ بہر حال ہمیں اس کی منزلِ مقصود سے کیا سروکار ہمارے لئے تو اس کا نظارہ ہی دلچسپ تھا۔

رفیق سفر ہمارے ذبک کے ہمسفر بادر معظم کے دوست ماسٹر محمد رمضان صاحب مالک کپور تھلہ ٹیلرنگ فرم لاہور اس قدر نیک خصلت۔ نیک سیرت خلوص ومحبت کاملہ سے بھرپور انسان ہیں کہ ان کی صحبت کو بھی ہم نے مالکِ حقیقی کا ایک فضل خاص سمجھا۔ تیس سال سے زیادہ بہ مہاراجہ کپورتھلہ کے صاحب خاص رہ چکے ہیں۔ بہت شائستہ اطوار ہیں۔ ہر دم ہر مسافر اور حاجی کی خدمت ہمکنہ کے لئے تیار و مستعد رہتے تھے۔ ایثار کا یہ حال کہ کبھی تنہا کھانا کھاتے ہم نے ان کو نہیں دیکھا۔ ضرور کسی نہ کسی کو کھانے میں شریک کر لیتے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ سچے اور پکے مسلمان اور ایمان کاملہ کے نور سے بھرپور دل پایا ہے اور روح اسلام سے اس طرح واقف ہیں کہ کسی ظاہر پرست فروعات میں اُلجھانے والے مُلّا یا مولوی کے دام میں نہیں آسکتے۔ فقرا سے بیحد عقیدت رکھتے ہیں۔

روح باعثِ تخلیقِ جملہ کائنات نفسِ نفیس تشریف فرما ہیں۔ ظاہر پرست عرشِ اعظم سے افضل جگہ تصور کر ہی نہیں سکتے۔ بیشک یہ حقیقت نفس الامری ہے عرشِ اعظم بھی تو نورِ محمدی ارواحنا فداہ کا ایک پرتو اور کرن ہے۔ معراج میں جب وہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ کے مصداق اپنے عاشق رب العالمین کے بلاوے پر مقاماتِ قرب طے فرماتے ہوئے عرشِ اعظم تشریف فرما ہوئے تو آپ اپنے پیغمبر و بھائی اور رسول حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے خیال سے ان کے نعلین وادی مقدس طویٰ میں اتروا لیے گئے تھے۔ اپنے نعلین مبارک چھوڑ دیئے۔ عرشِ اعظم میں زلزلہ آیا۔ وہ ہلنے لگا۔ ملائکہ حاملانِ عرش ایسی جنبش سے گھبرا اٹھے۔ عرشِ اعظم نے زبانِ عشق سے فریاد کی کہ اے محبوب ربّ المشرقین والمغربین آپ کو اسی ذاتِ واحد آپ کے شیفتہ و عاشق کا واسطہ جس نے آپ ہی کے نور سے تمام کائنات اور مجھے بھی بنایا ہے نعلین سمیت مجھ پر آجائیے کہ میں آپ کے نعلین کے اشتیاق میں جھوم رہا ہوں اور جنبش کر رہا ہوں۔ اللہ۔ اللہ۔

تو بایں جمال وخوبی سرِ طور گر خرامی
ارنی بگو یا کس کہ بگفت لن ترانی۔

مجھے کیا کہنا تھا، اور ذکر کدھر کا تھا کہ جذبۂ بے اختیار شوق مجھے کدھر سے کدھر لے اڑا۔ تذکرہ تو جدہ کے ساحل کا ہے کہ اس کی پہاڑیوں پر نظر پڑتے ہی دل کی دنیا میں ہلچل مچ گئی۔ ذرا سی دیر میں ہر طرف سے بڑی بڑی بادبانی کشتیوں نے جہاز کو گھیر لیا۔ اور کالے دیوہیکل قلی آتش مزاج عرب بدو وغیرہ آنے لگے۔ اور جہاز کا سامان اٹھانے لگے۔ ہمارے جدہ کے وکیل صالح بیبونی نے ایک موٹر بوٹ برادر معظم کے لئے روانہ کر دی تھی۔ ہمارا تمام سامان بڑی بسہولت منگوا دیا گیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل خاص ہی تھا کہ موٹر بوٹ ہمارے لئے آ گیا ورنہ کشتی والے عربوں کے تشدد اور سختی کے واقعات جو سنے گئے تھے وہ ناگفتہ بہ تھے۔ حتیٰ کہ سنا گیا کہ وہ لوگ قساوت سے بلا تامل حجاج کا ذرا سی تکرار پر سر پھاڑ دیتے ہیں۔

ہم نے ہر طرف جو سامان کے اٹھانے اور انتشار کی حالت، چیخ پکار کی کیفیت دیکھی تو اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھئے اس عالم اصغر جہاز کی آج عارضی قیامت کا دن ہے کہ اس کے مکین آج اس کو چھوڑ رہے ہیں اور وداع کر رہے ہیں تو ہر طرف کیا تہلکہ سا مچا ہوا ہے۔ اصلی قیامت کا دن کیا ہوگا جب کہ پہاڑ روئی کے گالے کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اللہ اکبر۔ اِنَّ زَلْزَلَۃَ

اَلسَّاعَۃَ لَشَیْءٌ عَظِیْمٌ۔

کشتیوں میں سیڑھی سے اتر کر سوار ہونا بھی ایک بڑا مرحلہ اور نازک مرحلہ ہے۔ اس لئے تو ایک تنگ سیڑھی سے پندرہ سو حجاج کا نزول پھر کشتیاں اور سیڑھی سے ذرا ہٹی ہوئی ہوتی ہیں۔ ذرا چوکیے اور قدم سرکا تو سیدھے سمندر میں پہونچے۔ الحمد للہ یہ مرحلہ بھی ازحد آسانی سے طے ہوگیا۔ والدہ ماجدہ۔ زنانہ اور ہم سب لوگ بحد سہولت سے موٹر بوٹ تک پہونچ کر بیٹھ گئے اور موٹر بوٹ چلا۔ مسافروں میں سے بعض ایسی جزئیات کو کون خیال میں لاتا ہے۔ مگر ہمارا مذاق کہیے یا جنون۔ ہم ذرا ذرا سی باتیں حد درجہ اعماق نظر اور غور سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اور نہ معلوم کتنے دور رس نتائج بحمد اللہ اس میں سے اخذ بھی کر لیتے ہیں۔ جس وقت ہماری بوٹ کچھ دور سمندر میں نکل آئی اور جہاز رضوانی نظر آنے لگا۔ تو ہم نے ہمراہیوں سے کہا کہ جس وقت روح جسم سے مفارقت کرتی ہے تو اسی طرح علیحدہ ہوکر اپنی عارضی قیام گاہ جسم کو دیکھتی ہے جیسے ہم لوگ اپنی دس روزہ قیامگاہ جہاز کو اس وقت دیکھ رہے ہیں۔ مگر وہ رکتی نہیں۔ جیسے موٹر بوٹ اپنی منزل مقصود جدہ کی طرف اڑا جارہا ہے ایسی ہی روح حسب مراتب اپنے مقام علیین یا سجین کی طرف فوراً جسد کو سرسری

طور پر دہکتی ہوئی چل دیتی ہے۔ یہ ذرا ذرا سے امور جن کی طرف ہزاروں میں سے ایک بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ دیدۂ عبرت نگاہ کیلئے سامان بصیرت ہیں۔ دس روز تک جہاز میں رہے۔ سمندر کے سب رنگ دیکھے۔ مگر ساحل حجاز یا جدہ کے قریب جو ازحد دلفریب سبز رنگ سمندر کا تھا وہ تمام بحیرہ عرب میں دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ جدہ کے ساحل کے قریب ایک ازحد عبرت کا سامان وہ بدنصیب فرانسیسی جہاز بھی ہے جو بارہ سال قبل مع حاجیوں کے جل گیا تھا۔ اور اب ایک کروٹ پر سمندر میں پڑا ہوا ہے۔ جدہ کسی طرح واقعی ایسا بندرگاہ نہیں جس میں جہاز آ سکیں۔ اس لئے نہیں بن سکتا کہ قدم قدم پر زبردست بحری چٹانیں مونگے کے کیڑوں کی بنائی ہوئی زمین ہر طرف سے مزاحم ہے۔ جابجا امریکن کمپنیوں کے تیل کے چشموں پر لگائے ہوئے آہنی مینار نظر آ رہے تھے۔ الحمد للہ جہاز رضوانی کے ہم لوگ سب سے پہلے مسافر تھے۔ جو موٹر بوٹ کی وجہ سے ساحل جدہ پر پہونچ گئے۔ ورنہ اگر بحری کشتیوں میں ہجوم کے ہمراہ آتے تو ساحل پر خوب گت بن جاتی۔ تقریباً چھ یا سات مقامات پر ایسے آہنی دروازے بنائے گئے ہیں کہ صرف ایک آدمی اُس میں سے گذر سکتا ہے۔ ہر دروازہ پر منکیر و نکیر کی طرح حجازی لوگ اور عسکری

طور پر دہکتی ہوئی چل دیتی ہے۔ یہ ذرا ذرا سے امور جن کی طرف ہزاروں میں
سے ایک بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ دیدۂ عبرت نگاہ کیلئے سامان بصیرت ہیں۔ دس
روز تک جہاز میں رہے۔ سمندر کے سب رنگ دیکھے۔ مگر ساحل حجاز یا جدہ
کے قریب جو ازحد دلفریب سبز رنگ سمندر کا تھا وہ تمام بحیرۂ عرب میں دیکھنے
میں نہیں آیا تھا۔ جدہ کے ساحل کے قریب ایک ازحد عبرت کا سامان وہ
بدنصیب فرانسیسی جہاز بھی ہے جو بارہ سال قبل مع حاجیوں کے جل گیا تھا۔ اور
اب ایک کروٹ پر سمندر میں پڑا ہوا ہے۔ جدہ کسی طرح واقعی ایسا بندرگاہ
جس میں جہاز آ سکیں۔ اس لئے نہیں بن سکتا کہ قدم قدم پر زبردست بحری
چٹانیں مونگے کے کیڑوں کی بنائی ہوئی زمین ہر طرف سے مزاحم ہے۔ جابجا
امریکن کمپنیوں کے تیل کے چشموں پر لگائے ہوئے آہنی مینار نظر آ رہے
تھے۔ الحمدللہ جہاز رضوانی کے ہم لوگ سب سے پہلے مسافر تھے۔ جو
موٹر بوٹ کی وجہ سے ساحل جدہ پر پہونچ گئے۔ ورنہ اگر بحری کشتیوں
ہجوم کے ہمراہ آتے تو ساحل پر خوب گت بن جاتی۔ تقریباً چھ یا سات
مقامات پر ایسے آہنی دروازے بنائے گئے ہیں کہ صرف ایک آدمی ایک
سے گذر سکتا ہے۔ ہر دروازہ پر منکیر و نکیر کی طرح حجازی لوگ اور عسکری

کھڑے رہتے ہیں۔ قبر میں منکر و نکیر مَنْ رَبُّكَ کا سوال کریں گے۔ دروازہ

پر یہ حضرات دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا معلم کون ہے۔ پھر آگے جانے دیتے

ہیں۔ ہجوم نہ ہونے سے ہم لوگ الحمدللہ ان دروازوں سے باسانی ہو ایپ دیتے

ہوئے گذر گئے۔ ورنہ پندرہ سو حجاج کے ہجوم میں اگر پھنس گئے ہوتے تو

جو درگت بنتی ظاہر ہے۔ عبداللہ سلیمان صاحب وزیر مملکت حجاز آجکل

جدہ میں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنا ایک خاص نمائندہ شیخ المطوفین علی ابراہیم

مظہر کو ساحل پر استقبال کیلئے روانہ کیا۔ وہ برادر معظم سے ملے اور کہا کہ وزیر صاحب نے

آپ کو جو ضرورت ہو اس میں سہولت پیدا کرنے کا حکم دے کر روانہ کیا ہے

اور آپ کے آنے سے پہلے احکام جاری ہو چکے ہیں کہ کسٹم یا چنگی خانہ کے

نمائندے آپ کا نام مستثنیٰ ہے۔ ہم والدہ ماجدہ اور زنانے لیکر اپنے وکیل

صالح بسیونی صاحب کے مکان پر موٹر میں پہنچ گئے۔

جدہ | جدہ کے مکانات عموماً پانچ اور سات منزلہ ہوتے ہیں۔ اور

قاہرہ۔ مصری طرز پر ہر منزل میں بہت خوشنما اور ہوادار منقش برآمدے

اچھا منظر پیش کرتے ہیں۔ اور اسلامی کلچر کی نمائندگی ہوتی ہے۔ چونکہ

جدہ میں تقریباً تمام آزاد ممالک کے سفراء اور ان کے سفارت خانے

کھڑے رہتے ہیں۔ قبر میں منکیر و نکیر مَن ربُّکَ کا سوال کریں گے۔ دروازہ

پر یہ حضرات دریافت کرتے ہیں کہ تمہارا معلّم کون ہے۔ پھر آگے جانے دیتے

ہیں۔ ہجوم نہ ہونے سے ہم لوگ الحمد للہ ان دروازوں سے بآسانی ہوائی دیتے

ہوئے گذر گئے۔ ورنہ پندرہ سو حجاج کے ہجوم میں اگر پھنس گئے ہوتے تو

جو درگت بنتی ظاہر ہے۔ عبداللہ سلیمان صاحب وزیر مملکتِ حجاز آجکل

جدہ میں آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنا ایک خاص نمائندہ شیخ المطوفین عبدالرحمن

مظہر کو ساحل پر استقبال کیلئے روانہ کیا۔ وہ برادر معظم سے ملے اور کہا کہ وزیر صاحب نے

آپ کو جو ضرورت ہو اس میں سہولت پیدا کرنے کا حکم دے کر روانہ کیا ہے

اور آپ کے آنے سے پہلے احکام جاری ہو چکے ہیں کہ کسٹم یا چنگی خانہ کے

معائنہ سے آپ کا نام مستثنیٰ ہے۔ ہم والدہ ماجدہ اور زنانے لیکر اپنے وکیل

صالح بسیونی صاحب کے مکان پر موٹر میں پہونچ گئے۔

جستہ جستہ | جدہ کے مکانات عموماً پانچ اور سات منزلہ ہوتے ہیں۔ اور

باہر سے مصری طرز پر ہر منزل میں بہت خوشنما اور ہوادار منقش بر آمدے

اچھا منظر پیش کرتے ہیں۔ اور اسلامی کلچر کی نمائندگی ہوتی ہے۔ چونکہ

جدہ میں تقریباً تمام آزاد ممالک کے سفرا اور ان کے سفارت خانے

موجود ہیں اور امریکنوں کو حجاز میں پٹرول نکالنے کا اجازہ مل گیا ہے اس لیئے یوروپین تمدن کے جلی اثرات ہر طرف نظر آتے ہیں۔ جرمن ٹائپ اور یوروپین ٹائپ کی نہایت ہی خوش منظر اور خوشنما سمنٹ کی عمارات بہت سی بن چکی ہیں اور بہت ساری زیر تعمیر ہیں۔ ہر طرف ہر سمت میں امریکن موٹر ٹرکس وجیپیں موٹریں رواں دواں نظر آتی ہیں۔

ہم لوگوں کا قیام تیسری منزل پر وکیل لیبونی کے مکان میں ہوا۔ دو نہایت آراستہ اور دالانوں سے بنے ہوئے کمرے ہم لوگوں کو دیئے گئے ہر طرف برامدے اور کھڑکیاں تھیں اس لئے دونوں کمرے بہت ہوادار تھے

ہماری علالت | دہلی سے ہم کو نزلہ کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ لاہور میں سردیائی سے پچھلی شب میں غسل کرنے کی وجہ سے اس میں زیادتی ہوئی۔ جہاز میں نزلے نے ضیق النفس جیسی شکل اختیار کرلی تھی۔ جس وقت جدہ میں اترے تو تمام جسم کی رنگت زرد ہوگئی تھی۔ اور ہتھیلیاں جو ہمیشہ سُرخ رہتی تھیں عمر میں پہلی بار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے ان پر ہلدی لگادی ہے جدہ پہونچنے کے بعد نزلہ اور ضیق النفس نے بہ شدت اختیار کی۔ چلنا پھرنا دشوار ہوگیا۔ ہم نے تمبا۔ استعمال کیا۔ واقعی تمبا بھی عجیب وغریب بے بہا

چیز ہے۔ اِس کے متعلق کلامِ پاک کی نصِ قطعی ہے کہ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ
اس کے علاوہ حدیث میں آیا ہے میری امت کی بیماریاں صدقہ اور شہد سے
دُور ہوں گی۔ شہد استعمال کرنے سے پچھلی شب کو سخت بلغم میں نفخ پیدا ہو کر
رقیق ہو گیا پانچ چھ دن سکون کے گذرے۔ پھر مکہ معظمہ میں ہم اس قدر علیل ہوئے
کہ اُمید زیست بظاہر منقطع ہو گئی تھی۔ نزلہ نے ڈبل نمونیا کی شکل اختیار کر لی
اور ایک سو پانچ ڈگری بخار اُس پر مستزاد تقریباً بارہ روز فریش رہے اور
حرم شریف میں جا کر باجماعت نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ صرف دو وجوہات
سے بحمداللہ ہم کو صحت ہو گئی۔ ایک تو یہ وجہ حضرت والدہ ماجدہ کی اضطرار
کاملہ سے بار بار ہماری صحت کیلئے دُعا' حضرت بیقرار ہو ہو کر دعائیں کرتی تھیں
اور کہتی تھیں کہ اگر خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو میں اُس کے بال بچوں کو کیا جواب
دونگی' میرے اصرار پر یہ میرے ہمراہ آیا ہے۔ دوسری ایک وجہ یہ تھی کہ
ایک شب جب کہ ایک سکنڈ کیلئے ہم کو نیند شدت کرب و بخار سے نہ آسکی
تھی صبح کے قریب ہم نے بمصداق ؎

"با خدا دیوانہ باش"

اُس رگ جان سے زیادہ قریب رہنے والے کو مخاطب کر کے یہ دُعا کی کہ

الٰہ العالمین تجھے خوب معلوم ہے کہ ہم صرف تیرے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کے دیار مدینہ پاک کے اشتیاق میں چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو تیرے حوالے کر کے
گھر سے نکل پڑے اور درحقیقت عازم مدینہ طیبہ تھے۔ بڑی غلطی ہوئی کہ آپ
کے پاس بھی آ گئے اب آپ ہم کو مارنے ہی پر تلے ہوئے ہیں تو اتنا کرم اور فرمائیے
کہ ہم کو مدینہ پاک تک پہونچ جانے دیجئے تاکہ ہم کو جنت البقیع میں جگہ مل
جائے۔ ہم کو جنت المعلیٰ میں سونا منظور نہیں ہے۔ واہ خوب ہم نے نفس کو
اچھی طرح کچل ڈالا۔ آپ کے گھر کے قریب مطاف میں جان بوجھ کر اس لئے
صف نعال میں بیٹھے کہ آنے جانے والوں کی ٹھوکریں کھائیں۔ خودی کو پیروں
تلے پامال کر ڈالا۔ اپنے کو ایسا مٹایا کہ ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آتے۔ صرف
آپ ہی آپ ہیں۔ پھر ہمارے غریب جسد کی آپ نے تو اچھی مہمانی فرمائی
کہ نمونیا اور بخار کو مسلط کر کے ہماری رگ رگ کو ہلا ڈالا۔ خیر اب جو ہوا سو ہوا۔
آپ سے نہ کہیں تو کس سے کہیں۔ آپ سے گلہ نہ کریں تو کس سے کریں۔
آپ کا گندہ بندہ آپ سے خفا نہ ہو تو ہمارا ہے کون۔ آپ جو چاہتے ہیں
کرتے ہیں۔ ہر چیز پر قادر مطلق ہیں۔ مارنا جلانا آپ ہی کے ید قدرت میں
ہے۔ سنئے ہم یہاں ہرگز مرنے کے نہیں۔ مارنا ہے تو دیار حبیب اکرم میں مارئے۔

پھر ایک جوش و خروش دریائے عبدیت میں ہوا اور بلند موجیں اس میں اٹھنے لگیں۔ دیکھتے دیکھتے دریا نے طوفانی سمندر کی شکل اختیار کر لی۔ عاجزی اور منت سے اس شدید گستاخی کی معافی مانگی۔ اور جبینِ نیاز کو دربارِ بے نیاز میں جھکا دیا۔ عرض کیا کہ جو تیری مرضی جیسی تیری رضی۔ یہ بھی ایک بشریت کا تقاضا۔ ایک لغزش۔ ایک خود مطلبی کی بیجا شکایت تھی۔ ہماری کیا مجال۔ کیا طاقت اور کیا ہستی۔ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا فوراً منظر تبدیل ہو گیا۔ گنبدِ خضرا مدینہ نظر آنے لگا۔ یہ شعر جس پر مسلسل چار گھنٹہ شدید وجد میں ایک بار حیدرآباد دکن میں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی تلمیذ خاص حضرت والد ماجدؒ فائز مقام عبدیت کے ہمراہ محفلِ سماع میں رقص کرتے رہے تھے یاد آیا۔ ؎

تمنا ہے کہ جس دم جان میری جسم سے نکلے
تو جا کر صدقے ہو جائے نبیؐ جی کے کلس پر سے

عقب میں مینارہ بلالؓ تھا۔ اور اس پر ہلال اور دو چمکدار ستارے ضوفشانی کر رہے تھے۔ کسی نے انتہائی رافت اور

کمال رحمت سے کان میں سرگوشی فرمائی اور جسم میں گویا دوبارہ جان آگئی کہ
اُم القریٰ مکہ معظمہ مقام جلال ربانی ہے۔ اِس کی مثال عینہٖ دوپہر میں
چمکتے ہوئے اور جلال برساتے ہوئے سورج کی سی ہے۔ ممکن نہیں کہ سورج کی
شعاعیں کسی جسم پر پڑیں اور اس کے روم روم رگ وریشہ میں سرایت
کر کے گرمی نہ پہونچائیں۔ اور تزکیہ کا کام نہ کریں۔ تیرہ سال تک جس کے
لئے تمام کائنات کی تخلیق کی گئی۔ ان کو کیسی کیسی اذیت کیسی کیسی تکلیف اسی
مکہ معظمہ میں اٹھانی پڑی۔ اور مدینہ منورہ جہاں کے قصد سے تم نکلے ہو سرزمین
رحمتِ کاملہ ہے۔ وہاں کا ذرہ ذرہ بے پایاں رحمت سے معمور اور بحرِ نور ہے
اس کی مثال چودھویں رات کے بدرِ کامل کی سی ہے جو شدید گرما کے موسم میں
اپنی ضیا باری سے نہ صرف ٹھنڈی روشنی پھیلا رہا ہو بلکہ تسکین روح وقلب
کا باعث ہو رہا ہو۔ تم سخت علالت سے گھبرا اٹھے۔ یہ بھی تمہارے لئے ایک
مکمل تزکیہ تھا۔ لو اُٹھ بیٹھو۔ اب تم تندرست ہو گئے۔ حکم دیا جاتا ہے۔ اٹھو
اور سفرنامہ لکھنا آغاز کرو۔ صبح صادق کا وقت تھا۔ مسلسل تین روز کا تقریباً
فاقہ۔ کمالِ ضُعف طاری۔ ایک سو پانچ ڈگری بخار نارمل ہو چکا تھا۔ اور
ایک لخت ڈبل نمونیا کا اثر محیر العقول طریقہ سے زائل ہو گیا تھا۔ صدائے غیبی و

باطنی کو سنکر ہم کسمسا رہے تھے کہ ناف کے قلب منوّبری سے نفسِ امّارہ کے کالے ناگ نے جو بظاہر مُردہ سا معلوم ہو رہا تھا! اپنا سر اٹھایا اور یہ بکا کہ ذوقی اور سو ہاتھ میں دم نہیں جسم میں خون نہیں پیٹ میں اناج نہیں اور لکھنے لکھانے احکام جاری ہو رہے ہیں۔ اگر تم نے اس کی تعمیل کی تو یقین مانو کہ حرکتِ قلب یکایک رک جائیگی اور چند سکنڈ میں تمہارا خاتمہ ہو جائیگا۔ نفسِ خبیثہ کی اس ابلیسانہ پھونکار نے ہمارے تن بدن میں آگ سی لگا دی اور ایک تازیانہ کا کام کیا۔ ہم تڑپ کر اٹھ بیٹھے اور ہم نے کہا کہ ملعون تیری اس بکواس کے بعد تو اب ہمارا فرضِ عین ہو گیا کہ حکم کی تعمیل میں لکھیں گے اور ضرور لکھیں گے۔

چنانچہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ نومبر ۱۹۴۵ء یوم یکشنبہ کو ہم نے اس سفرنامہ کی تحریر کا آغاز کر دیا۔ اور اس تفصیل کا مجمل حال تمہید میں بھی لکھدیا ہے۔ ہم اپنے محترم ناظرین کا اب زیادہ وقت یا کلیہ اپنے ذاتی حالات علالت بیان کرنے میں ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ صرف رحم الراحمین کے بے پایاں فضل کے کرشموں کی عکاسی کرنا اور یہ بتلانا مقصود تھا کہ فَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنَ جب میں علیل ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا مرحمت فرماتا ہے۔ آمدم بر سر مطلب۔

جدہ سے روانگی | جدہ میں ہم لوگوں کا قیام ڈیڑھ دن اور ایک رات رہا۔ برادر معظم حکیم عبدالغفار صاحب انصاری نے وزیر مملکت حجاز عبداللہ سلیمان صاحب سے ملاقات کی۔ اور انہوں نے ایک ٹورنگ موٹر کار والدہ ماجدہ کی سواری کے لئے اور ایک موٹر لاری سامان اور ہمراہیوں کے لئے مرحمت کی۔ چنانچہ ۱۶؍ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۲؍ اکتوبر ۱۹۴۳ء یوم سہ شنبہ بعد نماز عصر ہم حضرت والدہ ماجدہ۔ بسم اللہ خالہ صاحبہ۔ اور بھابی صاحبہ کے ہمراہ ٹورنگ موٹر پر جدہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوگئے۔ جدہ سے باہر نکلتے ہی دور سے نظر آئے۔ ایک پختہ نہایت عمدہ تارکول کی بہترین سڑک جو سیاہ لکیر کی طرح حد نظر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس سڑک پر اِلیٰ مکّۃ المعظّمہ کے جلی حرفوں کی تختی لگی ہوئی تھی۔ اور ایک سڑک بالکل کچی پگڈنڈی کی طرح کی تھی اس پر اِلیٰ مدینۃ المنورۃ لکھا ہوا تھا۔ دل تو تڑپ رہا اور مچل رہا تھا کہ فوراً کچی سڑک پر چل دیں۔ مگر اول مکہ معظمہ کی حاضری تکمیل حج کیلئے ضروری تھی۔ اس لئے کوشان دکھلا کر ہمارے ڈرائیور ابراہیم تاجی نے سیاہ تارکول ڈامبر کی پختہ سڑک پر ٹورنگ موٹر کو ہوائی رفتار سے اڑانا شروع کر دیا۔ بھلا مانس ساٹھ اور ستر میل سے

کم پر چلانا ہی نہیں تھا۔ سڑک چونکہ پختہ تھی۔ کوئی دھچکا یا غیر معمولی بات
سواریوں کو محسوس نہیں ہوئی۔ ہم کو ایک اور چیز پر جس کی طرف کسی کا خیال
ہی نہیں جاتا وجد طاری ہو گیا۔ اور وہ موٹر والوں کی باہمی آواز یمینک
تھی۔ یعنے سیدھی جانب سے موٹر چلاؤ۔ حجاز میں ہندوستان اور یورپ کے
برخلاف تمام سواریاں اور موٹریں ہمیشہ سیدھی جانب سے چلتے ہیں۔ اور
قرآن پاک میں اصحاب یمین اور اصحاب شمال کا بہت واضح بیان اور ہر
دو کا تفاوت کامل صاف صاف بیان فرما دیا گیا ہے۔ سیدھی طرف سے
سواریوں کے گزرنے کا نظارہ بہت بھلا معلوم ہوا۔ اور یمینک یمینک سیدھی
طرف چلو کی صدا نے تو وجد میں ہم کو پہونچا دیا۔ راستہ میں ایک جگہ ٹیوب
خراب ہو جانے پر موٹر روک کر ابراہیم ڈرائیور نے نہایت محنت سے دوسرا
ٹیوب تبدیل کیا۔ اس نے ایک بڑا سا را پتھر لا کر اس پر موٹر کا پہیہ ٹکا کر
جب رکھا تو ہم نے دیکھا کہ وہ پتھر خالص سماق تھا۔ کیا خدا کی شان ہے
عرب کی پہاڑیاں تک سماق جیسے بے بہا پتھر کی ہیں۔ جس کے کھرل بن کر
چھوٹے سے چھوٹے کھرل بھی سینکڑوں روپیے ہندوستان میں قیمت
پاتے ہیں۔ اگر تکرونی اور حبشی عرب والوں کو جو معمولی مزدوری اور

خیرات پر گزر بسر کر رہے ہیں۔ کھڑل تراشی کی تعلیم دے کر کوئی سماق کے کھڑل بنوا کر ہندوستان روانہ کرنے لگے تو کس قدر نفع بخش یہ کاروبار ہوسکتا ہے اور اس میں کسی نقصان کا تو کوئی احتمال ہی نہیں ہے۔

ٹیوب بدل کر موٹر پھر فراٹے بھرنے لگی۔ مغرب کی نماز کے لئے راستہ میں رکوائی گئی اور ہم لوگوں نے فرضِ ٹھاک پر نماز فرض ادا کر لی۔ موٹر کا منظر بہت خوشنما تھا۔ سیاہ تار کول کی سڑک کے کنارے کنارے ذرا ذرا سے فاصلہ پر تار کول کے بڑے بڑے ڈرام (پیپے) جو سڑک بنانے لائے گئے ہوں گے اوندھا کر ان کو سفیدی سے رنگ دیا گیا تھا۔ سیاہ سڑک پر یہ سفید پیپے اَسْوَد اَبْیَض۔ سیاہ و سفید کا نہایت خوبصورت امتزاج دکھلا رہے تھے۔ سیدھی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر جدہ سے مکہ معظمہ کا فاصلہ کیلو میٹر میں دکھلانے تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ مکہ معظمہ کے قریب شاید کوئی زبردست ہوائی طوفان آیا تھا۔ جس سے ریگ رواں کے تودے سڑک کے کنارے جا بجا اتنے اونچے جمع ہو گئے تھے کہ تار کول کے پیپے ان میں دفن ہو کر غائب ہو گئے تھے اور بعض جگہ سڑک دو ثلث سے زائد ریت سے پٹ گئی تھی۔ عشاء کے قریب ہم لوگ

الحمدللہ لبیک لبیک پکارتے ہوئے ام القریٰ مکہ معظمہ میں داخل ہوگئے اور اپنے معلم عبیدالرحمٰن صاحب کے مکان پر فروکش ہوگئے۔ دل بے قرار تھا اور مچل رہا تھا کہ جلد سے جلد بیت اللہ شریف قبلہ و کعبہ کی زیارت سے مشرف ہو جائیں۔ مگر برادر معظم کا انتظار تھا جو سامان کے ہمراہ لاری میں آرہے تھے۔ ہم لوگ تکان کے باعث سو گئے تو وہ بارہ بجے رات کو تشریف لائے۔

زیارت بیت اللہ شریف

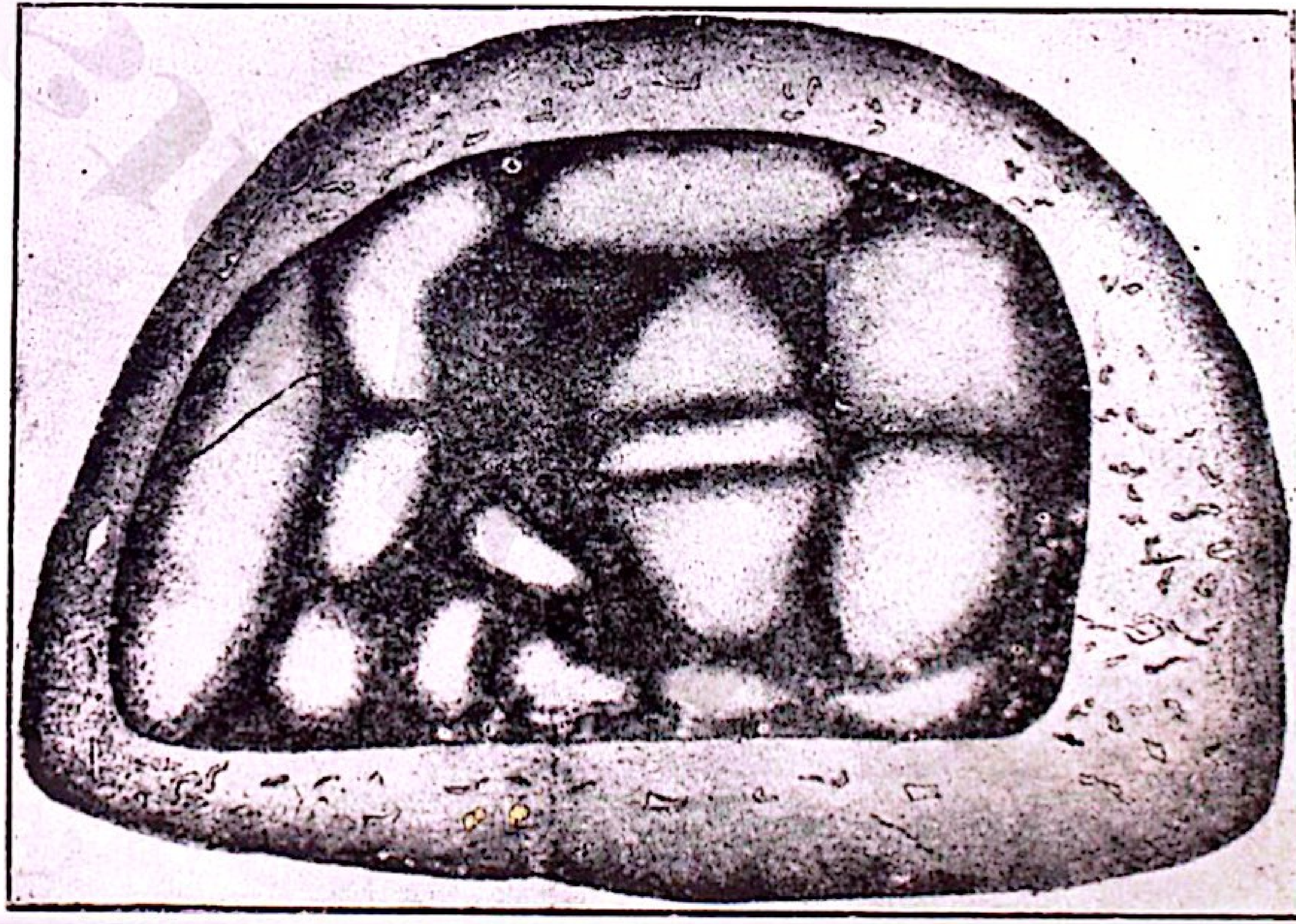
صبح نماز کے وقت بیدار ہوئے۔ معلوم ہوا کہ بھائی صاحب قبلہ پچھلی شب کو حرم شریف میں جا کر طواف عمرہ و سعی سے فارغ بھی ہو کر آ گئے ہیں۔ تقاضائے بشریت کی وجہ سے ہم کو اس تنہا فراغت کو معلوم کر کے بہت رنج و تکلیف ہوئی اور شاید مسلسل علالت کی وجہ سے معمولی سی بات اہم معلوم ہوئی ہو۔ بہرحال کھانے کو مطلق جی نہ چاہتا تھا طوعاً و کرہاً ناشتہ کر لیا کمالِ ضعف کے باعث چونکہ ہم زیادہ چل پھر نہ سکتے تھے۔ اس لئے ہمارے لئے شبری دس ریال کرایہ طے کر کے منگوائی گئی۔ اور جیتے جی ہم چار تو نہیں دو مشنڈے حبشی اور تکرونیوں کے سر پر

سوار ہو کر حرم محترم کی طرف چلے۔ بازاروں سے گزرنے لگے تو از حد حیا و تحیر محسوس ہونے لگی کہ ایک ٹھگنا سا بیت جس کا چار گز کا پیٹ ٹھگنے گئے ٹھگنے کو آدمیوں کے سروں پر سوار دیکھ کر لوگ کیا کہتے ہوں گے۔ اتنے میں حرم محترم کے دروازہ باب السلام پر پہونچ گئے۔ ہم نے ہر چند سیڑھی والوں کو آوازیں دی کہ رک جاؤ۔ ہم کو اتر جانے دو۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔ سیڑھیوں تک سے اتار کر حرم میں داخل گئے۔ بیت اللہ شریف پر جو پہلی نظر پڑی۔ اللہ اللہ اس کی حالت و کیفیت کو کیا بیان کیا جائے۔ بے اختیار اخی روحی حضرت اچھے میاں اعلیٰ اللہ مقامہ کی یہ رباعی یاد آگئی۔

جو پاک ہے جسم اور مکاں سے
تو دیکھ لو یہ اسی کا گھر ہے
یہ قصر سیاہ غلاف والا
اسلام کا نقطۂ نظر ہے

سبحان اللہ نقطۂ نظر میں کیا باریک نقطہ بیان کر گئے ہیں۔ بہر حال کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی ہم نے سب سے پہلی دعا حسن خاتمہ

حجرِ اسود جس پر جھگڑا تھا اور محمدؐ رسول اللہ نے جھگڑا مٹا دیا



کے لیئے کی۔ دل سینہ سے نکلا جا رہا تھا اور جی چاہتا تھا کہ شہری سے
کود کر، دوڑ کر، بے ادبانہ فوراً جا کر کعبہ محترم سے ایسے چمٹ جائیں
ایسے لپٹ جائیں جیسے ہزار ہا سال سے باہم بچھڑے ہوئے ملتے ہونگے
مجبوراً اخفا ہو کر شہری، اتروائی اور باب السلام سے معلم صاحب کے
بھائی کے ہمراہ داخل ہو کر حجر اسود کے سامنے پہونچے ۔

حجر اسود | حجر اسود کو جو یمین اللہ بمنزلہ خدا کے داہنے ہاتھ کے
ہے۔ دیکھا اور چوما ہم کو پہلے سے اس کی خاص تاثیر معلوم تھی کہ جس طرح
کیمرے کے لینس کے سامنے آتے ہی پلیٹ میں جو شکل و شباہت لینس کے
روبرو ہو ، بعینہ ہمیشہ کیلئے مرتسم ہو جاتی ہے اور فوٹو کہلاتی ہے۔ حجر اسود
بھی جو باطنی کیفیات اور حالات لیکر اس کے سامنے جائیں۔ اس کو اپنی
خاص تاثیر کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راسخ اور مرتسم اور مثل نقش کالحجر
کے کر دیا کرتا ہے اور ھُوَ الْبَاطِنُ کے تمام نقوش و نقشِ اندرونی
ھُوَ الظَّاھِرُ میں آجاتے اور اہمیت ابھر آیا کرتے ہیں۔ ہم تو

"تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا"

یہی اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے کہ

"ہماں نقشِ درونی گشتِ بیروں"

ہو گیا ہو یا نفس کی خباثتیں اور اجاگر ہو کر حاجی اور پاجی ہو گئے ہوں۔ بہرحال ذکر اس کا تھا کہ معلم صاحب کے ہمراہ طواف عمرہ کے ساتوں چکر پورے کر کے ملتزم پر بطور خود دعا کیگئی اور مقام ابراہیم پر نماز واجب الطواف ادا کی۔ معلم صاحب کے بھائی نے نہ تو ملتزم پر کوئی دعا پڑھانے کی تکلیف گوارا فرمائی اور نہ مقام ابراہیم پر۔ نماز کے بعد مخصوص دعا پڑھائی۔ ہم نے اسی وقت یہ عہد راسخ کر لیا کہ اب کبھی طواف وغیرہ معلم لوگوں کے حوالیوں کے ہمراہ نہیں کریں گے۔ ہمارے پاس طواف کی ادعیہ، ملتزم و مقام ابراہیم کی خاص دعائیں موجود ہیں بطور خود پڑھ لیا کریں گے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں قیام کے دوران میں ہم اس عہد پر قائم رہے اور بطور خود طواف کر لیتے تھے۔ طواف کے بعد ہم چاہ زمزم پر گئے۔ زمزمی نے بہت بڑے ڈول سے تازہ زمزم نکال کر پورا ڈول سر پر انڈیل دیا۔ تر اور ہو گئے اب سعی صفا مروہ کرنا تھی۔ ایک چکر صفا سے پیدل کرنے کے بعد طاقت جواب دینے لگی اور مجبوراً ہم نے تسبیح ہی میں چکر پورے کئے۔ پھر اپنے

لانبے سر کے بالوں کو چھوکا نا ۔ نے تک تھے ۔ قصر کرا کے کانوں تک کروالیا ۔
جدید نقش کی آراستہ دوکان یا ہیر کٹنگ سیلون جاتے ہوئے حجام یا ربر صاحب
نے ازراہِ نوازش کلمہ کی انگلی کا ناخن تراشتے ہوئے اپنی یادگار میں کچی ناخن
تراش کر انگلی زخمی کردی ۔

"ایں جراحت یادگار ناوکِ پیکان اوست"

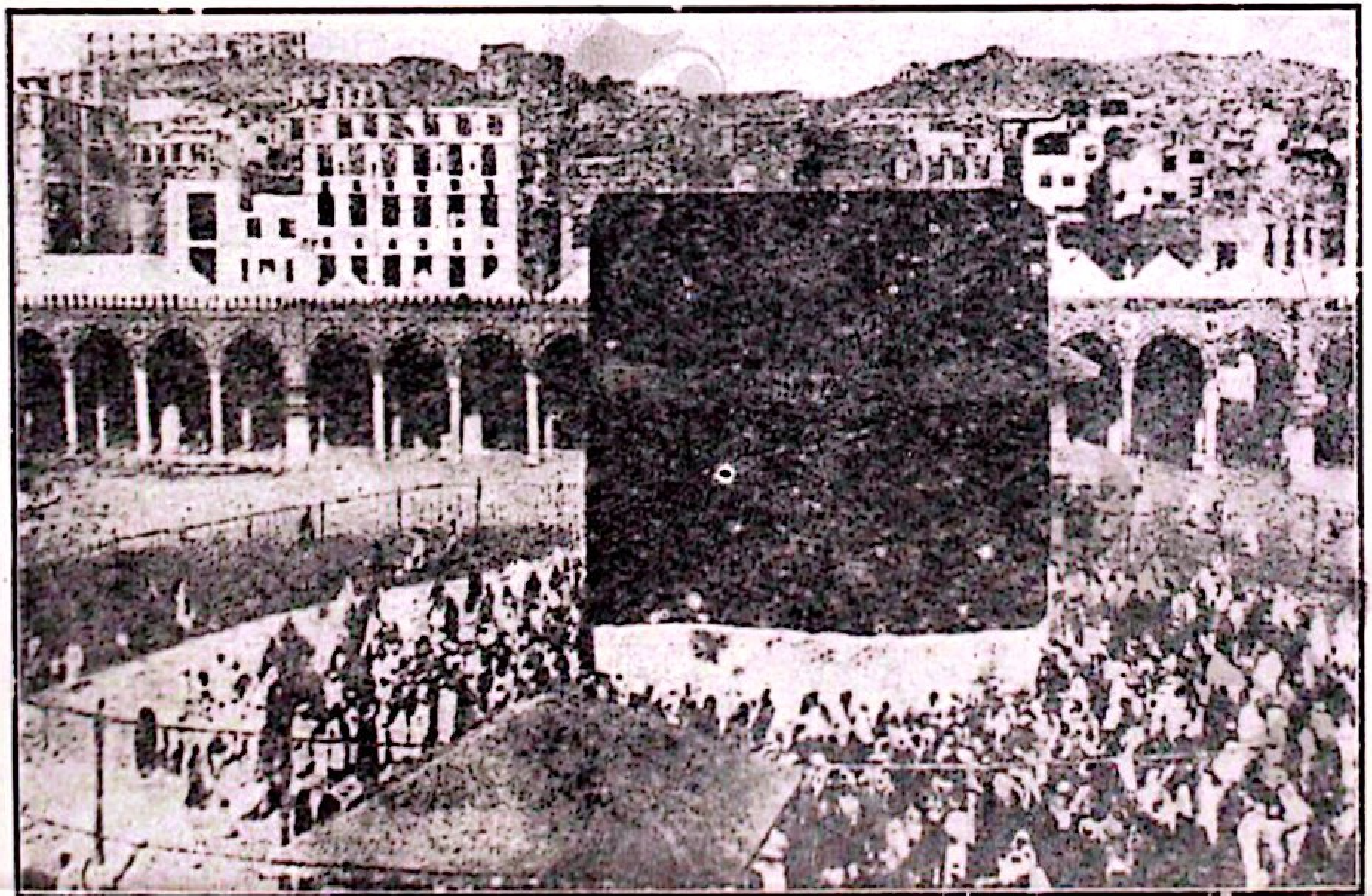
سعی سے فراغت کے بعد ہم نے شبری والوں کو دس کرایہ کے اور
ایک انعام کا ریال دیکر رخصت کیا ۔ اور پیدل جاتے، قیام معلم صاحب کے
مکان پر آکر غسل کے احرام اتار کر لباس بدل ڈالا ۔ دل ہلکا ہوگیا ۔

مکہ معظمہ میں قیام | معلم صاحب عبدالرحمٰن مکی کے یہاں ہمارا قیام ایک
شب اور نصف دن رہا ۔ ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۵ء
روز چہارشنبہ برادر معظم نے دو حجرے باب الوداع حرم شریف کے متصل مبلغ
ایک ہزار روپیہ کرایہ پر لئے اور تمام سامان اس میں منتقل ہو جانے کے بعد ہم لوگ
عصر کے وقت اس میں آگئے ۔ جس مکان کے یہ حجرے ہیں وہ مکان سلطان سلیم
عثمانی جس نے حرم اور بیت اللہ شریف کی از سرِ نو تعمیر کی تھی اسی عہد کا اور
اسی سلطان کا قائم حرم کیلئے بنوایا ہوا ہے ۔ بیٹے شریف حسین صاحب کے بھائی

اس میں رہتے تھے۔ انقلاب حکومت کے بعد وہ مصر بھاگ گئے اور اب اُن کے وکیل اس مکان کے حجرے کرایہ سے چلاتے اور کرایہ ان کو مصر روانہ کر دیتے ہیں۔ بہت مستحکم پختہ مکان ہے۔ جو حجرے ہم لوگوں نے لئے ہیں اگرچہ کہ وہ بہت چھوٹے چھوٹے ہیں مگر اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک برآمدہ حرم شریف کی طرف ہے۔ اس کی کشادہ کھڑکیوں سے بیت اللہ شریف بالکل روبرو نظر آتا ہے اور برآمدے میں کھڑے ہو کر نماز باجماعت حرم شریف میں پوری طرح شرکت کی جا سکتی ہے۔ حضرت والدہ ماجدہ کمال ضعف و نقاہت کی وجہ سے چونکہ بار بار حرم شریف میں نہیں جا سکتیں۔ اس لئے وہ اور بسم اللہ خانم صاحبہ پنجوقتہ نماز اسی برآمدے میں جماعت کے ساتھ پڑھتی ہیں اور شبانہ روز خانہ کعبہ کے روبرو دونوں روحانی بہنیں رات دن اسی برآمدے میں رہتی سہتی ہیں یہ بھی ایک فضل باری تعالیٰ عز اسمہٗ ہے کہ ضعفاء کے لئے ایسا سہل سامان مہیا فرما دیا۔

کعبۂ محترم | وہ کعبۂ محترم ہر وقت ہم لوگوں کے نظروں کے سامنے رہتا ہے جو عالمین کے لئے ہدایت کا موجب ہے۔ جس میں آیات بینات ہیں جس میں مقام ابراہیم ہے۔ جس کو صرف دیکھتے رہنے سے ہمیں ۲۰ رحمتیں نصیب

یہ دُنیا میں گھر سب سے پہلا خُدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بِنَا کا



ہوتی ہیں۔ جس کے ارد گرد ایک مجمع عشاق جو دور دراز کے منازل قطع و طے
کر کے آیا ہوا ہے۔ پروانہ وار ہر لمحہ و آن صدقہ و تصدق ہوتا رہتا ہے۔ سوائے
اوقات نماز کے کبھی مطاف طواف کرنے والوں سے خالی نہیں دیکھا گیا۔ تیرہ سو
سال سے زیادہ ہو گئے اس کی یہ شان اور یہی کیفیت ہے جب کہ ناظرین کی
رحمت روح جب۔ کونین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باتباع حکم الٰہی
فَطَهِّرْ بَيْتِيَ الْعَاكِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ میرے گھر کو
اعتکاف کرنے والوں۔ قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک کر دو۔ اپنے اس
بھائی کو جس کے لئے ارشاد ہوا تھا کہ لَحْمُكَ لَحْمِي وَدَمُكَ دَمِي۔
دوش مبارک پر سوار فرمایا جو اولین و آخرین میں پہلے انسان تھے کہ خانہ کعبہ کے
اندر تولد ہوئے۔ آنکھ کھول کر اس چہرہ زیبا اس روئے منور کو دیکھا جس کی
قسم مالک نے وَالشَّمْسِ وَالضُّحٰى فرما کر کھائی ہے۔ اس چہرہ اقدس وانور
کی ضو فشانیاں ان کے رگ و ریشہ میں سما گئیں۔ جس کا عاشق خود خالق اکبر ہے۔
پہلی چیز جو شکم مبارک میں گئی وہ لعاب دہن حضرت رسالت پناہی تھا۔ یعنی
اِمَامُ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ مَظْهَرُ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ اَسَدُ
اللّٰهِ الْغَالِبِ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ دہن سرکار عالم

وعالمیان نے اُن کو اپنے دوشِ مبارک پر چڑھا کر خانہ کعبہ کے تمام داخلی و خارجی
بتوں کو صرف اشارہ کر کے معجزہ سے منہدم کروا کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شرک کے
رجس و ناپاکی کو دور فرما دیا اور بیت اللہ شریف عاکِفِیْنَ وَرُکَّعِ سُّجُوْدِ کے
کے لئے پاک و صاف ہوتے ہی تیرہ سو سال کے عرصہ طویل سے اس کے ارد گرد
صدقہ و نصدیق ہونیوالے دائم طواف ہیں۔ دیوانہ وار چکر کاٹتے رہتے ہیں۔ اور
جب تک کہ روئے زمین پر ایک بھی اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ کا نام لینے والا باقی
رہے گا طواف بھی جاری وساری رہے گا۔ ہاں جب کہ تمام وہ لوگ جن کے
دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا۔ قربِ قیامت میں ایک ہوا کے چلنے سے عالم
جاوداں کو سدھار جائیں گے تو حبشی کافر خانہ کعبہ کو منہدم کر ڈالیں گے۔

آیاتِ بیّنات قطع نظر تقدس مذہبی کے حرم مبارک بیت اللہ شریف
میں ظاہر بین نظروں کے لئے بھی اس قدر ظاہر و مبرهن آیات بینات ہیں کہ
بڑے بڑے متشکک و عملی یقین لوگوں کو ان آیات بینات کا مشاہدہ
کر کے تازگی ایمان و پختگی عقیدت میسر ہو جاتی ہے۔ حرم پاک میں ایک دو
نہیں کم از کم پندرہ بیس ہزار سے زائد جنگلی کبوتر رات دن رہتے بستے ہیں۔
یہ ان خوش نصیب کبوتروں کی نسل سے ہیں جن کے جوڑے نے غار ثور پر انڈے

دے کر اشقیاء و کفار مکہ کو جو سرورِ عالم دو عالمیان کی تلاش میں دہانہ غار تک آ گئے واپس کر دیا تھا۔ ایک تو کبوتر پرندہ اور مکلف بالشرع ہرگز نہیں ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ ہزارہا کبوتروں کی بیخال اور بیٹ سے سیاہ غلاف کعبہ محترم شاید سفید نشانوں سے بھر جاتا۔ مگر کعبہ غلاف تو درکنار اتنے وسیع حرم پاک ہی جس میں لاکھوں مخلوق سما جاتی ہے۔ باوجود تلاش کسی جگہ بیٹ کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔ اور خاص خانہ کعبہ بیت اللہ شریف کے اوپر سے چیل وغیرہ کوئی پرندہ نہیں اڑتا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ خانہ کعبہ کے اوپر ساتوں آسمانوں اور تحت میں ساتوں زمینوں میں ایسا ہی خانہ کعبہ موجود ہے۔ جس کے اطراف ہر لمحہ طواف جاری و ساری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ساتویں آسمان پر جو کعبہ ہے وہ بیت المعمور کہلاتا ہے اور اعلیٰ ملائکہ عظام و ارواح طیبات اس کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ بیت المعمور سے اوپر بیت العزت اور لامکان وہ مقام ہے جہاں شب اسریٰ کو جانیوالے مسافر جلیل القدر مقامات قرب کو طے فرماتے ہوئے ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی کے منازل سے گزر کر قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کی حالت پر فائز ہوئے تھے۔

"وصلی اللہ علی نور کزو شد نورہا پیدا"

دوسری بین آیت جس نے بڑے بڑے عقلا کی عقل کو حیران و متحیر کر دیا ہے اور کوئی توجیہ اس کی ظاہری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ یہ کہ ایام حج میں تقریباً دو لاکھ سے زائد حاجیوں کا اجتماع ہو جاتا ہے اور بیت اللہ شریف کے اطراف کا مطاف جس میں طواف کیا جاتا ہے۔ ایک محدود مقام ہے۔ کس طرح لاکھوں بندگانِ خدا حالت طواف میں اس مطاف کے اندر حیرت انگیز طور پر سما جاتے ہیں اور طواف پورا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر فہم بشری سے یہ خرق عادت بہت بلند اور ارفع ہے اور کعبہ محترم کے آیات بینات میں سے ہے۔

رموز طواف بتاریخ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ بعد نماز ظہر اتفاق ہوا طواف کعبہ میں ہر قدم پر گناہ دھلتے اور صاف ہوتے ہیں۔ مولانائے روم فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن کعبہ بود

حج رب البیت مردانہ بود

اور خود میاں ارشاد فرماتے ہیں فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ

اس گھر کے مالک کی عبادت کرو توحج رب البیت درحقیقت کیا ہے سنو سنو۔ حج رب البیت اپنے بطون میں غوطہ زن ہو کر وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کی حقیقت میں مستغرق ہو کر حقیقی کعبۃ اللہ یعنے قلب میں جمال یار کا مشاہدہ کر کے اس کے اردگرد پروانہ وار صدقے اور بار بار بیشمار مرتبہ اس کے تصدق ہونے کا نام ہے۔ ہر ذرہ وجود دیکھو کہ ہر لمحہ و ہر آن طواف ہی میں مصروف مشغوف ہے۔ دیکھو، ذرا غور سے دیکھو، تم جس گردش خون سمجھتے ہو۔ وہ درحقیقت طواف کا دور ہے آلودگیوں سے۔ کثافتوں سے، غلطتوں سے، بھرا ہوا سیاہی مائل خون دوڑا دوڑا کعبہ قلب کی طرف آکر شش یعنے پھیپھڑے کے مطاف میں موکل طواف کرتا اور اس کے صدقے ہوتا ہے۔ کعبہ قلب اس کے طواف کو قبول کر کے اس کی کثافتوں کو دور کردیتا اور اس کی سیاہی کو زائل کر کے سرخ روئی بخشدیتا ہے۔ اس عروج کے بعد پھر خون نزول کرتا ہے۔ گردش کرتا تنزلات کے دور سے گزرتا۔ سیاہ ہو کر دوڑا ہوا آتا اور پھر طواف قلب کرتا ہے۔ بقول ؎

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست ؎ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ۔

یہ طواف پتھر سے خون کو سُرخ و صاف کر دیتا ہے۔

داخلی کعبہ شریف | کعبہ محترم و معظم کو اپنی روحی حضرت احمد اعلیٰ اللہ مقامہ نے اسلام کا نقطۂ نظر دیکر کیا خوب اجمال میں تفصیل کے دریا بہا دیئے ہیں۔ ہر مسلمان کی دو انتہائی آرزو ہوا کرتی ہے۔ درجۂ اول میں تو زیارت مدینہ منورہ اور گنبد خضرائے مدینہ پر دل و جان کو قربان کرنا۔ دوسرے زیارت بیت اللہ شریف کسی مسلمان کی یہ انتہائی پہنچ اور حد کی رسائی ہے۔ کہ وہ اللہ کے گھر تک پہونچ جائے۔ اس کو دیکھئے۔ اس کے ارد گرد صدقہ ہو جائے سات چکر طواف کے لگائے اور صفات سبعہ مرتفع ہو جائیں۔ ساتوں پردے اٹھ جائیں اور وہ اس حدیث صحیح کا مصداق ہو جائے کہ طواف کرنیوالا ابھی اپنا پہلا قدم اٹھاتا ہے کہ اس کے تمام گناہ معاف ہو کر بے شمار حسنات اس کے نامۂ اعمال میں لکھدیئے جاتے اور ساتھ خصوصی رحمتوں کا وہ مستحق ہو جاتا ہے۔ یہ تو اس گھر کے باہر کا حال تھا۔ اللہ اللہ جن خوش بخت اور خوش نصیب انسانوں کو خانہ کعبہ کے اندر داخلی میسر ہو جائے ان کے بخت رسا کی بلندیوں۔ ان کی قسمت کی کامگاریوں کا کیا ہی کہنا ہے۔ مالک کے بے نہایت فضل نے ہم کو یہ زندگی کا سب سے کامیاب موقع مرحمت فرمادیا۔ ۱۱ر ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ

روز پنجشنبہ کو برادر معظم نے شیبی صاحب کلید بردار خانہ کعبہ سے ملاقات کر کے
ہم سب لوگوں کے لئے داخلی کعبہ محترم کا پروانہ اور تحریری اجازت نامہ حاصل
کر لیا تھا۔ شب جمعہ کو ہم پچھلی رات تک حرم شریف ہی میں رہے۔ اوراد
وادعیا پڑھتے رہے۔ دوسرے دن جمعہ کو نماز صبح کے بعد حضرت والدہ ماجدہ
کو لے کر حرم شریف میں گئے۔ اور مقام ابراہیم پر پھیر کر اوراد فتحیہ
پڑھے۔ عربی وقت کے دو بجے اور ہندوستان کے آٹھ بجے صبح کو خانہ کعبہ
کا دروازہ کھلا اور سیڑھی لگائی گئی۔ حالانکہ ہم لوگ دروازہ کھلنے سے پہلے
سیڑھی کے قریب جا کھڑے ہوئے تھے۔ مگر ہجوم کا ایسا زبردست فشار
اور اس وجہ کی کشمکش تھی کہ الامان والحفیظ۔ ہر طرف ہر سمت سے لوگ
عقل سے بیگانہ خود رفتہ سے باہر کھلے دروازہ کو دیکھ کر جنون سے سرشار ہو کر
پوری طاقت سے اپنے اطراف والوں کو دبا رہے تھے کھینچ رہے تھے
ہڈی پسلی تو کہیں تھا رہی ہے۔ سانس دشواری سے لی جا سکتی تھی۔ ہم لوگوں
کو اپنی تو کوئی پرواہ نہیں تھی۔ مگر نحیف وضعیف والدہ ماجدہ کی سلامتی کا
خیال تھا۔ اس لئے ان کے اطراف حلقہ سا بنا کر ان کی حفاظت کی جا رہی تھی
بارے نزع کی سی کشمکش کے بعد سیڑھی کے ذریعہ ہم لوگ دیر کے بعد

دیگرے حج سے جس طرح جنت میں جانے سے پہلے پل صراط سے گزرنا لازمی ہے۔

اسی طرح داخلی خانہ کعبہ سے پہلے سیڑھی بھی ایک پل صراط ہے۔ کوئی سہارا نہیں۔ کوئی پکڑ سکنے کی جگہ نہیں اور پھر جمنا اس لئے سخت مشکل کہ نہ معلوم کس مصلحت سے سیڑھی کے زینے بجائے سیدھے ہونے کے ترچھے بنائے ہوئے ہیں۔ آخری سیڑھی پر ہم قریب تھا کہ پھسل کر نیچے جا پڑتے۔ اور ہجوم کے قدموں میں کچلے جاکر کیا یہ کا کچھ ہو جاتے کہ اللہ تعالیٰ اولاد کی نعمت سے ان کو سرفراز فرمائے۔ محترم حجابی صاحب نے ہاتھ کا سہارا دیدیا اور ہم اوپر آسکے۔ سخت شدید کشاکش کے بعد داخلی خانہ کعبہ سب کو الحمدللہ نصیب ہوگئی۔ وہاں کی حالت کیا کہی جائے۔ خوش بختی، کامگاری اور عالم ناسوت ظاہری میں عروج کی یہ انتہائی حد ہے۔ عجیب حال طاری ہوگیا۔ عجب طوفان گریہ امنڈا۔ دریائے رحمت خاص جوش و خروش میں تھا۔ طوفانی سمندر کی طرح قطرات اشک برس رہے تھے اور دل کی کھیتی کو سرسبز کر رہے تھے۔ ہمارے طریق میں احوال خاص کا بیان علانیۃً ممنوع ہے، مگر تحدیث بانعمت کا بھی چونکہ حکم ہے۔ اس لئے باتباع حکم صرف چند

اشارات کیے جا سکتے ہیں۔ رازوں کا بیان نا اہلوں کے سامنے کرنا رازوں کو کھونا، اور خدانخواستہ اگر وہ نافہمی سے اس کا انکار کر دیں تو اُن کو ڈبونا ہے، تاہم ؎

"اے بیر پاکدامن معذور دار ما را"

فتوحاتِ مکیہ | داخلی کے دروازے کے سامنے والی دیوار کے پاس جب دو رکعت نماز ادا کی تو حجابات مرتفع ہو کر تمام عالم اور جو کچھ اس میں ہے ہر تفصیل کے ساتھ اس طرح سامنے آیا جیسے ہم ہتھیلی پر رکھی ہوئی کسی چھوٹی سی چیز کو دیکھ رہے ہیں۔ روئے اور سجدہ کر کے عرض کیا کہ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ یہ آفاق کی آیات ہمیں مت دکھلائیے۔ طے سلوک کے وقت ہم نے بے شمار عوالم اور نورانی حجابات دیکھے ہیں اور خوب سیر کی ہے۔ ہم پر رحم فرمائیے اور ذرہ سا پردۂ رخسار سرکا دیجئے۔ جب شمالی جہت میں جدھر حطیت میں میزاب رحمت اور اسی طرف مدینۂ پاک ہے۔ رخ کر کے دو رکعت نماز انتہائی طوفانِ گریہ و زاری میں بمشکل ادا کی۔ کیا کہیں کہ کیا دیکھا۔ کیا سنا۔ وہ خود فرماتا ہے کہ میں ٹوٹے ہوئے دلوں کے پاس رہتا ہوں اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوبُهُمْ ۔ حضرتِ امجد کے اس لاکھا شعر کی ہیچ

تصویر سامنے آگئی ہے

دل کی شکستگی نے آج جوڑ دیا کسی کے ساتھ
دیکھ لیا رخِ حسیں اس درِ نیم باز سے

کچھ کہہ ڈالوں ہے

سرکنم نالہ اگر تابِ شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقتِ دیدن داری

بجلیاں کوندیں۔ تجلیات لا انتہاہی کا بے پایاں سمندر اس زور و شور سے امنڈا کہ چشم روحانی میں چکا چوند سی ہو گئی۔ کچھ نظر جمی۔ ٹھیری تو کچھ دیکھا وہ حسن وہ جمال وہ حالت۔ وہ چشم سرمگیں کی برق آسا چوٹ کہ واللہ بالکل طاقت بشری سے خارج ہے کہ ایک شمہ اس کا کسی طرح بھی بیان کر سکے۔ ہے

اے مثل تو در حسن بشر خوش بشرے نیست
اے بے ہمہ و باہمہ واللہ بسے نیست

بشر کی شکل مگر بشر ہرگز نہیں مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ کے مصداق عجب کرشمہ و ناز ہے

زہے تراوشِ جوشِ شیونِ احسانی
ظہورِ خاص کو توش آئی وضعِ انسانی

دامنی غُرباں پنڈلی پر جس کا حسن و جمال ناقابلِ بیان ہے۔ سورج ضوفشاں پائیں پر چاند کی لمعانی نور سے بھرے ہوئے ہر جوڑ پر اس قد حسین و جمیل آنکھیں کہ ہر آنکھ پر بنی چاہے کہ ہزار بار تصدق ہو جائیں۔ اب معلوم نہیں یہ احمدِ بے میم یا احد مثال سے بڑی حد مثال میں آ گیا تھا یا عاقبت آں۔ شکل عرب و در برآمد" کہلانے والے مراٰتِ جمالِ لم تر انی کی جلوہ گری تھی معلوم نہیں معلوم نہ کر سکے۔ معلوم نہ کرایا گیا۔ بہرحال بخودی کا عالم سرشاری کمال میں عالمِ ناسوت کے چند سکنڈ کے اندر جو لاہوت و جبروت کے سالہا سال کے برابر طویل تھے نہ معلوم ہم نے کتنے روحانی سجدے کر ڈالے ع

اس پائے نازنیں پہ جبینِ نیاز تھی
واللہ کیا نماز ہماری نماز تھی

کیسے کیسے پروانہ وار تصدق و قربان ہوئے۔ مثالی ہاتھوں سے اس روئے منور اور پیارے مکھڑے کی بلائیں لینا چاہیں کہ سورج ایک نقطہ میں سما گیا۔ تجلیاں جو لاتناہی زمان و مکان کی قیود سے مبرا و منزہ ہیں روح کو نواز رہی

تجلیں سمٹیں۔ اور آور ہمارے کعبۂ قلبی دل جلوہ گاہ خاص میں سماگئیں۔

ہم نے سمجھا ؎

کن روز ازل نعرہ زد مستانۂ دل تھا

نقش دو جہاں گردش پیمانۂ دل تھا

اللہ اللہ کیا قلب کی بھی سمائی ہے۔ کیا قلب کی بھی رسائی ہے۔

آج اور صرف آج صحیح معنوں میں ہمارا دل کعبۃ اللہ ہو گیا۔ ہم کعبہ میں کیا داخل ہوئے کہ کعبہ والا ہمارے دل میں سما گیا اور دو سمتوں میں بھی حسب معمول نمازیں پڑھیں۔ مگر کیا پڑھیں کس طرح پڑھیں کمالِ مدہوشی اور انتہائے بیخودی سے کچھ یاد نہیں۔ کچھ خیال نہیں۔ آفاق کے اور انفس میں آیات کے مشاہدہ نے ایسا سرشار کر دیا کہ ماحول گم تھا۔ ہوش جب درست ہوئے کہ جناب محترم شیبی صاحب کلید بردار کعبۃ اللہ ہمارے سر پر کلید کعبہ رکھکر دعا پڑھ رہے تھے۔ آخر نے وقت کمالِ لطف سے یادگار داخلی خانہ کعبہ ایک چاندی کی انگوٹھی مرحمت ہوئی جو ہم نے دائیں ہاتھ میں پہن لی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جسم اور روح اس درجہ سبک ہو گئے ہیں کہ جیسے شکم مادری سے ابھی دوبارہ تولد ہوئے ہیں ؎

اے خدا قربانِ احسانت شوم

دوگانہ شکرانہ داخلی کعبۃ اللہ شریف عظیم میں ادا کیا گیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

کچھ اور سرفرازیاں | ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ یوم یکشنبہ کے کچھ حالات سنئے۔ میرے ارحم الراحمین کے لاانتہائی فضلِ خاص کی سرفرازیاں تمام سفرِ حج کے ہر ہر مرحلہ پر محیر العقول طریقوں سے ایسے مبرہن طور پر ظاہر ہوتی رہی جس کا کوئی حد و شمار نہیں ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ ہر دشواری انتہائی سہولت کی شکل میں مبدل ہوتی رہی۔ اور میرے اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْم مالک نے اپنے گناہگار نابکار ادنیٰ سے ادنیٰ بندے کو اپنے کرم سے ایسا نوازا کہ میرا کوئی لمحہ ادائے شکر گزاری سے شاید ہی خالی گزرا ہو۔ چونکہ اس نے فرمایا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ تم شکر کروگے تو میں اور زیادہ مرحمت کروں گا۔ عملاً ہر قدم پر ازدیادِ نعمت مشاہدہ میں آرہا ہے۔ صرف آج کے نمازِ ظہر کی واردات سنیئے۔ طواف عمرہ اور سعی ختم کرنے کے بعد گزشتہ چہارشنبہ کو لباس معمولی تبدیل کیا تھا۔ اور چونکہ اسی لباس میں جمعہ کے دن داخلی خانہ کعبہ ہوئی تھی۔ نامعلوم

کیا لیچڑپن سما گیا تھا کہ اس کو تبدیل کرنے جی نہ چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ کثیف ہو رہا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے حرم محترم میں الحمد للہ ادا ہو رہی تھی۔ نماز ظہر کے وقت حیا دامنگیر ہوئی کہ اس قدر کثیف لباس میں کیا جماعت میں شامل ہوں۔ اور جماعت بھی کیسی بلامبالغہ تقریباً ایک لاکھ نفوس کا اجتماع۔ کسی نے کان میں کہا۔ یوں تعبیر فرما لیجئے کہ نفسِ فلکی تھا کہ داخلیٔ کعبہ کے ساتھ ہی کعبہ والا بھی تمہارے حریم دل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جلوہ فگن ہو چکا ہے۔ دل میں اتر آیا۔ ہے وہ صورت بطون کو دیکھتا ہے ظاہر کو نہیں۔ یہ سنتے ہی جائے نماز جس پر ہمیشہ اپنے مطب میں سالہا سال سے مغرب کی نماز جماعت سے پڑھا یا کرتے تھے۔ لئے ہوئے حرم شریف میں جاکر بیٹھے ہی تھے کہ عقب میں ایک زمزمی کمسن یتیم بچے کی زمزمی ٹوٹی اور ہم زمزم میں نہا گئے۔ دل کی کلی خوشی میں کھل اٹھی اور باغ باغ ہو کر زمین پر بہتے ہوئے زمزم میں اپنی جائے نماز کو جس کو برکت کیلئے حرم شریف میں لے جایا کرتے تھے تر بتر کرلیا۔ سو

خلعت زمزمی ملا اس کے حریم پاک سے

زمزم والا یتیم بچہ رونے لگا کہ اس کی صراحی شکستہ ہوگئی۔ ہم نے اُس کو
ایک ریال دے دیا۔ عربی بچے غمگین ہو نہ تیری تو صراحی ٹوٹی مگر تجھے کیا خبر اس
پردے میں کس پر کیا سرفرازی ہوئی۔ کم از جائے نماز جو زمزم میں تربتر
ہوگئی وہ تو اپنے عروج کمال مقبولیتِ سجودِ عبودیت کو پہونچ گئی۔ باقی رہے
ہم۔ ہمارا نفسِ لعین تو ایسا سنگِ اشد شدید پلید ہے کہ بظاہر ٹس سے
مس نہیں ہوتا۔ شاید اسی کے لئے "چوں آید خرابات شد" کہا گیا ہوگا۔
البتہ روح وہ کسی پرتو جمال سے جگمگا رہی ہے۔ اور قلب دل وہ صحیح معنوں
میں کعبتہ اللہ بن چکا ہے۔ غرض کہ مجموعہ اضداد جمع ہوگئے ہیں۔ ممکن ہے کہ
فضلِ ربی سے مجالست کے باعث روح و قلب، کا پرتو نفسِ خبیث پر بھی پڑ جائے
اور لوامہ سے ہمیشہ کیلئے عروج حاصل کرکے وہ مطمئنہ بن جائے۔ یوں تو اکثر وہ
مطمئنہ ہی ہو جایا کرتا ہے مگر اس حالت کو ثبات نہیں ہے، مستقل ثبات کیلئے
عرض کی۔ آواز آئی کہ بہت حرص نہ کرو۔ اب پاؤں پھیلانے لگے۔ پیغمبرانِ
اُولوالعزم تک نے جب یہ کہدیا لَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَ
مَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ۔ تمہاری کیا ہستی، اور کیا طاقت ہے۔ مکروہات
دنیا دی کے کیچڑ میں گلے تک تو دھنسے ہوئے ہو اور ہر لمحہ یکساں مطمئنہ رہنے دا

نفس بھی چاہتے ہو۔ یہ کشاکش، یہ باہمی جدل، یہ کھینچا تانی، جو نفس، قلب اور روح میں ہوتی رہتی ہے یہ خاص ہماری مشیت ہے۔ ہماری یہی مرضی ہے۔ ایسا ہی ہوتا رہیگا۔ ہاں مرنے سے پہلے تمہارا رب تمہارے نفس کو جو کامل اور اکمل مطمئنہ ہو چکا ہو گا اپنی طرف بُلا لیگا۔ اور اپنے خاص بندوں اور اپنی جنت میں داخل کر لے گا۔ اُس وقت تم کو ندا آئے گی یَاۤ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ بشرطیکہ استقامت سے تمہارے قدم نہ ڈگمگا جائیں۔ روح عبادت خدمت خلق کو ہمیشہ کی طرح سمجھ کر اُس پر عمل پیرا رہو۔ محبت کی سرشاریوں میں جیسے ڈوبے ہوئے ہو اور ڈوب جاؤ اور گہرائیوں میں اتر جاؤ۔ ورنہ خبردار سمجھ لو کہ موجودہ حالات واحوال ایک لمحہ میں سلب بھی کر لئے جا سکتے ہیں۔ یہ تحدید، یہ سرزنش سنکر ہم نوشن ہو گئے اور سمجھ میں آگیا کہ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَآءِ اور پھر یہ کہ وہ ذات تعلّی بے نیاز اور غنی عن العالمین ہے۔

یَا خَالِقَ الْاَکْوَانِ بِالْلُّطْفِ عَافِنِیْ ؛ لَئِنْ اَلْعَمَلُ یُوْطِیْكَ اَنْتَ الْغَنِیُّ عَنِّیْ

ہمارے لئے تو بس ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ شیوہ عاجزی و شکستگی نہ چھوڑنا اور عبدیت کے بے نہایت رشتہ کو استواری سے پکڑے ہوئے رہنا ہے کہ مقام عبدیت سے بڑا کوئی مقام نہیں ہے اسی میں سب کچھ تھا اور سب کچھ ہے۔ بقول حضرت امجد ؎

رشتہ عبدیت نہ توڑ شیوہ بندگی نہ چھوڑ

خادم کعبہ | جلالتہ الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود عالم اسلام کی ایسی منفرد ہستی اور مایۂ صد نازش و افتخار ہیں جو صدیوں میں کبھی کبھی مرضی باری تعالیٰ سے اقوام و عالم کی نشاۃ ثانیہ کیلئے منصۂ شہود پر ظہور کرتی ہیں۔ ان کے تمام حالات زندگی خوارق عادات سے مملو اور محیر العقول کارناموں سے مزین ہیں۔ آپ کی غیر معمولی بسالت۔ شجاعت اور تہور کے حالات قرن اول کی یاد دلاتے اور خالد ابن ولید سیف اللہ کے حالات سے ملتے جلتے ہیں۔ آپ نے صرف چالیس مجاہدین کی مختصر جماعت سے جدوجہد کا آغاز فرمایا تھا۔ عقل ورطۂ حیرت میں غرق ہو جاتی ہے کہ آپ نے صرف دس نفوس کی ہمراہی میں اپنے قدیم آبائی پائے تخت ریاض پر قبضہ فرما لیا تھا۔ اس درجہ مدبر۔ دور اندیش۔ غیر معمولی فہم و فراست کے حامل

اور مکارم اخلاق سے مزین فرد ہیں۔ میرا ایقان ہے کہ عالمِ اسلام کی زندگی جدید کے دور سعودیہ میں جس کا آغاز بحمد للہ ہو چکا ہے اور جس کی جھلکیاں وحدتِ عربیہ کے اندر اہلِ نظر کو نظر آ رہی ہیں۔ جلالۃ الملک سلطان ابن سعود کا بہت قائم مقام ہونے والا ہے۔ سلطان کو خدا کے فضل سے وزیر مالیہ عبداللہ سلیمان ایسے غیر معمولی رفیع المرتبت جلیل الشان انسان ملے ہیں جن کو فقید المثال و عدیم النظیر کہا جائے تو بجا نہ ہوگا۔ سفرنامہ ہٰذا کے محترم ناظرین کو یہ ملحوظ رہے کہ فقیر دعا گو کو سلطان ابن سعود یا ان کی مملکت سے کوئی ذاتی تعلق یا میرا اُن سے کوئی شخصی ذاتی مفاد نہیں ہے کہ یہ گمان کیا جا سکے کہ مبالغہ سے تعریف و توصیف کی جا رہی ہے میرا قلم حقیقتِ نفس الامر کو لکھ رہا ہے۔ میں جماعت اہلِ حدیث میں سے بھی نہیں ہوں کہ بیجا تعریف کے پُل باندھ رہا ہوں۔ میں تو اہلِ حدیث حضرات کے طعن و تشنیع کا شکار ہونے والے حضرات صوفیائے کرام کا نام لیوا ہوں۔ بہر حال اب اصلی خادمِ کعبہ کی خدمت کا حال بھی سن لیجئے۔ ذی الحجہ کی رات تاریخ کو حرم شریف میں تشریف لائے ان کے لئے سونے سے منڈھی ہوئی بڑی سیڑھی جو چاہ زمزم کے حجرہ کے قریب رکھی ہے لگائی گئی۔ اس سیڑھی کے ذریعہ وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ تقریباً چالیس پچاس چھوٹی قد و قامت کی جھاڑوؤں کو ایک جگہ باندھ دیا گیا تھا۔

سلطان کوشش کی گئی، اور انہوں نے داخلی کعبۃ اللہ میں بہت اہتمام سے خود
جاروب کشی کی۔ بعد ازاں زمزم کے گھڑے جن میں گلاب، مشک، عنبر اور
زعفران گھلا ہوا تھا اُن سے بیت اللہ شریف کے اندرونی حصہ کو انہوں نے
خود غسل دیا اور ان خدمات کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ چونکہ معظم الاخوان
حکیم عبدالقادر صاحب انصاری جلالۃ الملک کے معالج خاص ہیں۔ اس لئے ایک
جاروب اور غسل کا پانی اُن کو تبرکاً عطا ہوا۔ اور انہوں نے از راہ عنایت
مجھے دے دیا۔

حج کو روانگی

مکہ معظمہ میں معلوم ہوا کہ عیدالفطر ہندوستان سے دو یوم قبل
ہوئی ہے۔ اس لئے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سہ شنبہ منگل کو مطابق ۶ر نومبر ۱۹۴۵ء
یہاں قرار پائی۔ اس طرح عرفہ یا یوم الحج چہارشنبہ کو معین ہوگیا۔ یعنی ساتویں
تاریخ سے برادر معظم موٹر کے لئے وزیر صاحب مملکت حجاز کے یہاں برابر دوڑ
دھوپ کر رہے تھے اور انہوں نے وعدہ بھی کر لیا تھا مگر وہ حسب وعدہ ایفاء
نہ کر سکے اور سخت مجبور تھے۔ اس لئے تحریک وحدت عربیہ کے بعد سے حجاز
اور مصر کے تعلقات بیش از بیش استوار اور باہمی ربط بہت ہی قریبی ہوتا
جا رہا تھا۔ شاہ فاروق والی مصر نے پہلے اقدام کیا اور حجاز آکر ملک ابن سعود

سے ملے۔ پھر ملک صاحب قاہرہ جاتے والے تھے۔ حج کی وجہ سے رک گئے مصر سے اس سال نہایت سربرآوردہ ارکین حکومت حج کے لئے آئے تھے اور عام مصری حجاج بھی اور سالوں سے زیادہ آئے ہوئے تھے۔ ایک تو مصری معززمہمانوں کے لئے حکومت کی سب موٹریں وقف تھیں۔ اور دوسرے اس سال نجد سے بکثرت مسلح فوجیں امریکن ٹرکس اور لاریوں میں بھری ہوئی مکہ معظمہ چلی آرہی تھیں۔ اور ہر طرف فوجی نقل و حرکت کے غیر معمولی مناظر نظر آرہے تھے اور زبردست حربی مظاہرہ میدکا تک۔ فوجوں مشین گنوں اور جدید آلات حرب کا مکہ معظمہ منیٰ اور عرفات وغیرہ میں کیا گیا تھا۔ انہیں غیر معمولی فوجی مظاہر کی۔ صرف دو وجوہات بادی النظر میں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حسب معمول سالانہ ۸ ذی الحجہ کو سربرآوردہ ممالک اسلامیہ کے ایک ہزار منتخب حجاج کو ملک ابن سعود والی حجاز نے اپنے محل میں مدعو کیا تھا۔

دعوت سلطانی منتخب دعوتیوں کو مخصوص کارڈ بھیجے گئے تھے۔ سب دعوتی ایک بہت بڑے ہال میں جس میں ایک وضع قطع کی تقریباً ڈیڑھ ہزار کرسیاں بچھی ہوئی تھیں بٹھلائے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک عربی نقیب نے

بلند آواز سے کہا۔ جلالت الملک سلطان عبدالعزیز ابن سعود اور ملک صاحب برآمد ہوئے۔ معمولی سرخ عربی رومال اور عُقال سر پر تھا اور بادامی رنگ کا اوسط قسم کا عبا جسم پر۔ غیر معمولی طویل القامت ہیں۔ نہایت لحیم و شحیم۔ عقابی ناک۔ ایک آنکھ میں نقص۔ دوسری آنکھ اس قدر تیز کہ مخاطب کے دل و دماغ کی خبر لے لیتی ہے۔ ملک صاحب نے سلام میں تقدیم کی اور حضار مجلس کو السلام علیکم کہا۔ پھر اپنی خاص کرسی پر متمکن ہوئے۔ ملک صاحب کے ایک جانب مولائے تونس اور دوسری جانب مصری پاشاہ تھے۔ حضار مجلس پر گلاب چھڑکا گیا۔ پھر بازو کے دروازے کھولے گئے۔ اندر ہر طرف کھانوں کی میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ملک صاحب اٹھے اور مہمانوں کو لے کر کھانے کی میز پر تشریف لے گئے۔ کھانے کی میز پر بڑے بڑے طباق میں مسلّم بُھنا ہوا دنبہ جس کا نام عرب میں کوزی مشہور ہے رکھا ہوا تھا۔ طباق کے اطراف مرغ پلاؤ اور ٹماٹر پلاؤ تھا۔ سموسے اور ایک دو طرح کے عربی سالن بھی تھے۔ کئی اقسام کی روٹیاں تھیں۔ کھانا کھلانے والے خدام بڑے بڑے چھرے لئے ہوئے مسلّم دنبے کو کاٹ کر مہمانوں کو پیش کر رہے تھے۔ عرب حضرات تو اس طرح بے تحاشہ گوشت کے

چھ فٹا قد۔ سرخ آنکھیں۔ بغل میں مختصر کوتت دبائے خیمہ کے دروازہ پر نمودار تھے۔ دیکھ کر جان سن سے نکلنے کے قریب ہو گئی یا اللہ یہ اصلاح ساز ہے یا بقر قصاب، یا کوئی جلاد۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ پٹ ایک زبردست استرا جو ہم کو قتل کرنے کا تیغہ محسوس ہوا۔ نکالا اور پاڑ دینے لگا۔ ہر چند ہم نے بار بار اصرار کیا کہ بھئی ہمارے بال بہت بڑے بڑے ہیں تم قینچی نکال کو پہلے ان کو تراش لو۔ اور پھر استرے سے باحتیاط صاف کرو۔ مگر توبہ کیجئے وہ کس کی سنتا۔ برابر استرا تیز کئے جا رہا تھا۔ ہم کو یقین ہو چلا کہ آج سر منڈوانا نہیں شاید سر کٹوانا ہے۔

اتنے ہی میں بڈ باشندہ دنیائی اصلاح ساز خیمہ کے دروازہ پر نمودار ہوا۔ ہم نے اس کے دوسرے ہم پیشہ کو دیکھ کر آنے سے انکار کرتے پر منت و سماجت اس کو اندر بلوالیا۔ اس نے عربی میں عفریت نکرونی کو لعنت ملامت کی کہ مردک کیا تم بدو۔ جمال اونٹ چلانے والے کی اصلاح بنانے آئے ہو یا مہذب آدمی کی۔ بہر حال نکرونی دیو سے نجات ملی اور کمال چابکدستی سے پہلے قینچی سے چالیس سالہ رفیق بالوں کو جن میں دو ثلث حصہ

حجاز۔ میرے سب بال بچے اعلائے کلمۃ اللہ اور مسلمانوں کے حقوق کے لئے راہِ خدا میں شہید ہو جائیں گے۔ جوہری بم سے اتحادی کس کو ڈرانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو جو موت کو کھیل سمجھتے ہیں۔ جو شہادت کی موت کیلئے ہر وقت بیقرار اور اس کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ ہم مسلمان نہ موت سے ڈرتے ہیں اور نہ مادی ہتھیاروں سے کبھی خائف ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس تقریر کے شاید عملی مظاہرے کے لئے ملک الحجاز و النجد نے اپنی فوج موج در موج جدید ترین ہتھیاروں سے مسلح اور لیس طلب کر کے اس کا مظاہرہ کر دیا تھا یا ممکن ہے کہ مصری سربرآوردہ حجاج کو اپنی حربی طاقت بھی دکھلا دینا چاہتے ہوں۔ بہت سی نجدی۔ گھوڑے سوار افواج منیٰ اور عرفات کے راستہ میں حج سے پہلے احرام پوش ہونے کے باوجود کمر پر رائفل اور سینہ پر کارتوس کی پیٹیاں باندھے ہوئے لمبے لمبے کندھوں تک گھنگریالے بال۔ ننگے سر گھوڑوں پر سوار بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔

بہرحال تذکرہ اس کا تھا کہ باوجود وعدہ کرنے کے اشد شدید جد و جہد کے بعد وزیر صاحب ایک موٹر بس جس کو عرب بس بکسہ کہتے ہیں سات نشستی عنایت کی اور تاریخ ۸ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ یوم سہ شنبہ ظہر کے وقت ہم لوگ مکہ معظمہ سے روانہ ہو گئے۔ اور نصف گھنٹہ میں منیٰ پہونچ گئے۔ معلم صاحب نے ایک ایسا بالا خانہ ٹھہرنے کے لئے تجویز کیا جس میں صرف ایک نہایت تنگ حجرہ تھا۔ اور ذرا سا صحن۔ حالت اس قدر تنگی تھی کہ

صحن کی چھت جا بجا سے منہدم ہو گئی تھی اور شگاف پڑ گئے تھے اور بالاخانہ کے حجرہ کی چھت اس حال میں تھی کہ جہاں ذرہ بھی زور سے قدم رکھا جاتا تھا تو دھسا جاتی تھی۔ اور کرایہ تین سو روپیہ اس کو ناقابل قیام کہہ کر مجبوراً ایک رات کیلئے ایک دوسرے دُہرے کمرے میں ہم لوگ منتقل ہو گئے۔ آجکل حجاز میں ہندوستان کی طرح حد سے سوا گرانی ہے۔ اور اشیاء کی قیمتیں کئی سو گُنا زائد ہو گئی ہیں۔ اور چونکہ کئی سال کے بعد ہندوستان سے حجاج آسکے ہیں۔ اس لئے ملکی عرب تہیہ کئے بیٹھے ہیں کہ ہو سکے تو جسم کے کپڑے تک اتروالیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان لوگوں کی گذر بسر بھی صرف حجاج کی آمد پر منحصر ہے۔ مگر نفع ستانی کی بھی ایک حد ہوا کرتی ہے اس سال تو اس کی کوئی حد معلوم نہیں ہوتی۔ پہلے کبھی ایسا بالاخانہ جو قریب الانہدام ہو اس میں غریب غربا چند ریال دے کر ٹھہر جاتے تھے۔ اب اس کا کرایہ تین سو کر دیا گیا ہے۔ اور مرمت جس چیز کا نام ہے شاید مالک مکان اُس کو جانتے تک بھی نہیں۔ بہر حال ایک رات دوسرے دہرے حجرہ میں جس کو وہ ایسی عرفات کے بعد ٹہرنے

کے لئے مصریوں نے ایک ہزار روپیہ میں لے لیا تھا۔ گزار کر ہم لوگ صبح کی نماز کے بعد بس میں عرفات روانہ ہوگئے۔

عرفات وقوف عرفات ہی حج کی اصل روح رواں ہے۔ اور فرائض حج میں سب سے اہم اور ایسا اہم فرض ہے کہ اگر خدانخواستہ فوت ہو جائے تو حج نہیں ہوتا۔ حج کے فقہ حنفیہ میں تین فرائض ہیں ایک احرام۔ دوسرے نو تاریخ ذالحجہ کو وقوف عرفات۔ اور تیسرے طواف زیارت وسعی فضل ربانی کے بے نہایت کرم نے ہم کو یہ زندگی کی کمال کامرانی کا دن دکھلایا کہ ہم بھی لبیک لبیک لاشریک لبیک کہتے ہوئے میدان عرفات میں جا پہونچے والدہ ماجدہ نے آج باوجود ہم سب لوگوں کے بہت منت وسماجت منع کرنے کے یہ فرما کر روزہ رکھ لیا کہ میں نے منت مانی تھی۔ ایک تمبو رخیمہ معلم صاحب نے لگایا تھا اس میں زنانہ ٹھیر گیا۔ باہر ایک بڑا خیمہ شامیانے کی طرح عام حجاج کے لئے معلم صاحب نے لگوا دیا ہم اسی میں ٹھیرے رہے۔ ہر انسان کے داہنے اور بائیں جانب وو فیٹ کی مخلوق مشیت ایزدی سے جنیک وہ بقید حیات رہے

علاوہ کراماً کاتبین کے جن کا کام نامۂ اعمال کا لکھنا ہے رہتی سہتی ہیں۔ بائیں طرف والی مخلوق ناری ہے اور نوع شیاطین میں سے ہے۔ اس کا نام خناس ہے اور وہ مدام وسوسے ڈالنے اور برائی کی طرف رغبت دلاتے رہنے کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ اور جانب یمین یا داہنی طرف کی مخلوق قطعی نوری، اور ملائکہ کی جنس سے ہے۔ اُن کا نام نفس فلکی سمجھ لیجئے۔ وہ ہمیشہ خنّاس کے وسوسوں کا توڑ کرنے رہتے اور انسان کو نیکی کی ترغیب دیا کرتے ہیں۔ ذکر الٰہی سے نفس فلکی کو تقویت ہوتی رہتی ہے اور خناس مضمحل ہوتا جاتا ہے اور جو غافلین ارحم الراحمین کے ذکر سے اعراض کرتے ہیں تو خناس مضبوط ہوتا جاتا قریب سے قریب تر ہوتا جاتا اور بالآخر نعوذ باللہ انسان پر بالکلیہ مسلط ہو کر اپنی من مانی کروانے لگتا ہے۔ وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَهٗ قَرِيْن نص قطعی کلام پاک کی ہے۔ میرے بائیں طرف والے نے سفرنامہ ہذا کے متعلق اپنی یہ رائے پیش کی کہ اس کتاب میں بجز پُر خوئیش خود بینی۔

خود ستائی اور برغیر بدبینی و تحو گوئی کے اور دھرا ہی کیا ہے۔ نہایت لغو تحریر ہے۔ فوراً نفس فلکی نے آواز بلند اس کی بات کاٹ کر کہا کہ یہ کہنا

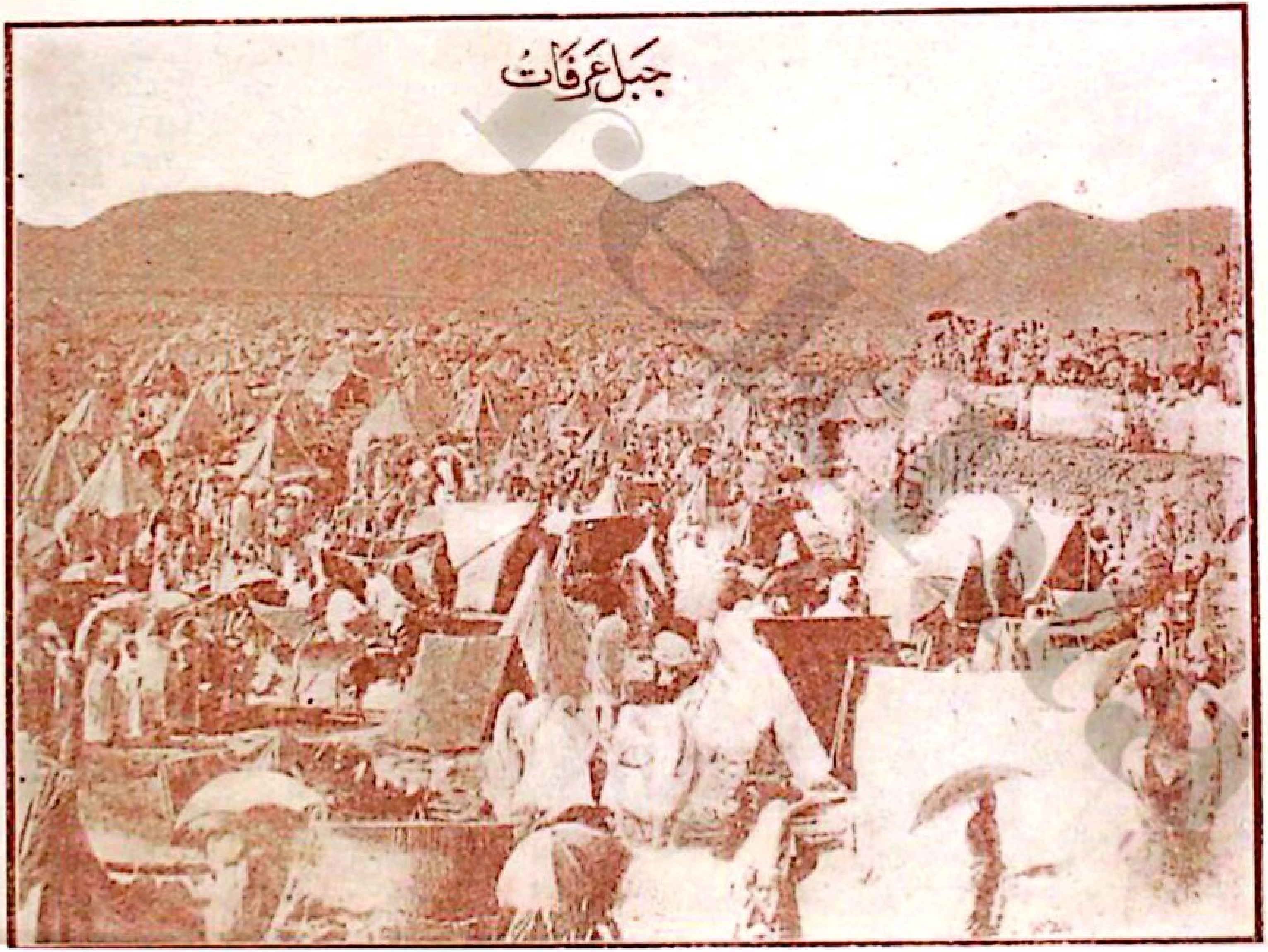
عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۔ وہ صرف نیت اور اخلاص کو دیکھتا
ہے۔ تمام اعمال کی بنیاد اصلی اور حقیقی محض نیت ہے۔ آپ کی
نیت خودستائی و خودنمائی کی نہیں ہے۔ اور جس چیز کو یہ بدگوئی اور
ہجوگوئی سے تعبیر کر کے لغو بتلا رہا ہے۔ وہ تو اصلاحی نشتر ہے۔
تاکہ اس سے برستے اور بہتے ہوئے ناسور اور زخم برہنہ ہو کر سامنے
آنے کے علاوہ قلم کا نشتر مواد فاسد کو خارج کرا دے۔ میں آپکو
تاکید کرتا ہوں اور جتلا دیتا ہوں جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ آپ اس
سفرنامہ کے لکھنے پر مامور کئے گئے ہیں۔ اور آپ کو من وعن حالات
کیفیات۔ مشاہدات۔ اور نعائم جو فضلِ ربانی سے۔ سفر حرمین
شریفین میں عطا ہوں وہ سب لکھنا چاہیئے اور ضرور لکھنا چاہیئے
اس داخلی گفتن و تنقید کے بعد میرا قلم اب آزاد ہے اور میں بعونِ
اللہ تعالیٰ میرے مالک میرے ارحم الراحمین کے جملہ انعامات کو نہایت
آزادی و بیباکی سے قلمبند کر دوں گا۔ مجھے اس بات کا ذرہ برابر کوئی
خیال نہیں ہے کہ اگر یہ سفرنامہ شائع ہو گیا تو اس کے محترم ناظرین اسکے
متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ خناس کی ہمنوائی کی جائیگی یا نفسِ فلکی کی رائے

تو افق ہوگا۔ مجھے تو بس ایک کی رضا اور ایک ہی کی خوشنودی درکار ہے

میری سانس نندیا پھیری تو پھیری
مجھ سے پھر کیوں نہ جائے سبھی گاؤں رے
ایک تو نہ پھیرے مجھ سے او ساوں رے
میرے پیّاں پکڑنے کی لاج رہے

آمدم بر سرِ مطلب۔ تذکرہ میدان عرفات کا تھا۔ عرفات پہاڑیوں کے درمیان ایک وسیع میدان ہے۔ جو یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ کو ایک لباس ایک ہی صدائے لبیک لگانے والوں۔ عاشقانِ سوختہ دل اور سوختہ جانوں سے پٹ جاتا ہے۔ دیکھو اللہ میاں کا میلہ دیکھو۔ وہاں حدِ نظر تک ہر طرف خیمے اور طرح طرح کی رنگ برنگ علموں کی جھنڈیاں نظر آتی ہیں۔ کوئی کھانے پکانے میں مصروف نظر آتا ہے۔ کوئی تسبیح پھیر رہا ہے کوئی اوراد پڑھتا ہے اور کوئی کلام پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ یوم الحج میں اس گدائے بینوا خسرو شاہ پر جو غیر معمولی فضل ربانی ہوا۔ اور جن نوازشات بے پایاں سے سرفرازی بخشی گئی وہ کما حقہٗ ناقابل بیان ہے مگر کچھ تھوڑی سی کیفیت دو وجوہات سے عرض کیجاتی ہے۔ ایک تو بالکلیہ

عرفات جہاں حاجی خُطبہ سُنتے ہیں



تحدیث با النعمت کی تعمیل دوسرے اس لئے کہ عشاق مجروح قلب و جان کے لئے سامان صد ہزار ممکن بہم پہونچ جائے۔ اول تو ایسے غیر معمولی خرق عادت کا ظہور ہوا کہ ہماری عقل اس بارہ میں خود نخستہ حیران ہے۔ ہم نے ۹ تاریخ کو منیٰ میں تہجد کے وقت جو وضو کیا تھا وہی وضو نہ صرف تمام دن میدان عرفات میں بلکہ تمام شب مزدلفہ میں بھی تقریباً اڑتالیس گھنٹے مسلسل قائم رہا اور مطلق کوئی حاجت یا حوائج کی حاجت وغیرہ نہیں ہوئی کہ دوسرا وضو کرتے۔ حالانکہ ہم جسمانی طور پر الحمد للہ آدمی۔ خاندانی نوند۔ کافی الفریہ خواہ مخواہ نظر آنیوالے انسان ہیں۔ اور باقتضائے بشریت شاذ و نادر ایک نماز سے دوسری نماز تک کوئی وضو قائم رہتا ہے۔ مرض قلبی کی وجہ سے جسمانی حالت ایسی ہے کہ بغیر سہارے اور ٹیکے کے دس پندرہ منٹ بھی نہیں بیٹھ سکتے۔ میدان عرفات میں غروب آفتاب تک صبح سے مسلسل و متواتر بغیر ٹیکے اور سہارے کے بیٹھے ہوئے کام میں مشغول اور اوراد پڑھتے رہے اور ایک شمہ برابر تکان یا بے کیفی محسوس تو کیا ہوتی اپنا اور اپنے گرد و پیش کا بہت کم شعور باقی رہ گیا تھا بلا شک و شبہ ذوالفضل العظیم رب العرش الکریم کے فضل کی تجلی نے بشریت کو

بڑی حد تک ہم سے مرتفع فرمادیا تھا اور صفات ملکوتی کا اشتد ظہور ہو رہا تھا۔ نہ حوائج بشری کا کوئی ذرہ برابر احساس تھا نہ بھوک پیاس تھی۔ بس اس کا ذکر پیہم و مسلسل دہر سانس کی آمد و شد میں جاری و ساری تھا۔

عصر سے پہلے دوران اوراد خوانی میں یکایک ایک خاص حالت و کیفیت ہم پر طاری ہوئی۔ ہم نے کامل اتحاد قلب و روح و زبان سے لبیک لبیک لا شریک لک لبیک تلبیہ ادا ہی کیا تھا کہ معلوم ہوا کہ ہر ذرہ ریگ صحرائے عرفات میں گویا لوڈ اسپیکر لگ گیا ہے۔ اور تحت و فوق یمین و یسار سے نہیں ذرہ ذرہ سے ایک ندائے جاں نواز بہ ہزاراں انداز محبوبی آنے لگی۔

"کہ میرے بندے میں بھی حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔
تو صرف حاضر ہوا ہے۔ میں تو حاضر بھی ہوں۔ اور ناظر
بھی ہوں۔ تو نے صفِ نعال اور نہ معلوم کتنی دشوار گھاٹیوں
کو میرے لئے طے کیا ہے۔ بہت کچھ میرے لیے چھوڑ دیا ہے
تو میری طرف ما سوا سے منہ موڑ کر آیا ہے۔ صرف میرے لئے آیا
ہے میں جو محیط بالکل ہوں۔"

کچھ اور سنائی دے رہا تھا مگر یہاں تاب کہاں تھی کہ وہ سن سکتے۔ رواں رواں رقص کناں وجد کامل ہو گیا۔ دل چاہا کہ فوراً نہ صرف جامۂ احترام بلکہ جامۂ ہستی کو اسی دم چاک چاک کر کے پرخچے اڑا دوں اور نذرانہ جان اس جان نواز کے قدموں پر پیش کر کے جسم و جسمانیات سے تعینات تشخصات سے یہ کہتا ہوا الگ ہو جاؤں کہ ؂

"قدموں میں تیرے جان دئیے جا رہا ہوں"

مگر کسی نے فوراً دامانِ ہوش تھام کر تنبیہ کی کہ خبردار ادب سے سنبھلے ہوئے رہو۔ فوراً سنبھل جاؤ۔ عنانِ ضبط جو ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی تھام کر عرض کی، کہ اپنے روئے زیبا کی قسم ذرا سا نقاب بھی تو سرکا دیجئے۔ میرے روح کے دیدۂ دیدار طلب نے کیا قصور کیا ہے وہ بھی مشتاق جمال بے مثال ہے۔ پھر ہدایت ہوئی کہ ایسی بیجا درخواست نہ کرو۔ آج کے دن ایک خاص شان ہے اس کی تاب دید باوجود حدِ مثال میں آ کر جلوہ فرمائی کے بھی کوئی بشر نہیں لا سکتا۔ آج ایک خاص شان ستاری و غفاری کا ایسا اتم ظہور ہے کہ اگر ایک شمہ اس کا بشر بے پردہ دیکھ لے تو گناہ کرنے میں دلیر ہو کر بالکل گمراہ ہو جائیگا۔ اس گفت و تنبیہ اور فہمائش سے ہوش ٹھکانے آ گئے۔

مگر پھر دل بیتاب کیا کہ آہ پُرسوز سینہ پُر درد سے کھینچوں۔ پھر کوئی القا ہوا اور کہا کہ یہ بھی نہ کرو۔ یہ مقام افشائے راز کے لئے نہیں ہے۔ خبر

؎ گُھٹ کے مرجائیں یہ مرضی میرے صیاد کی تھی

تعمیل حکم کی گئی۔ تمام جسم پسینہ میں غرق ہوگیا۔

عصر کی نماز کے بعد جیسے ہی دن ڈھلا ویسے ہی سینے میں دل بھی ڈھلنے لگے۔ ہر طرف سے گریہ وزاری اور باآوازِ بلند دعاؤں کی صدا آنے لگی۔ معلم صاحب نے اپنے حجاج کو دعائیں پڑھائیں۔ یہ خاص الخاص وقت ہوا کرتا ہے۔ اسی وقتِ خاص کے لئے مصیبتیں سہتے، معقول خرچ کرتے حجاج دُور دراز سے میدان عرفات میں جمع ہوا کرتے ہیں۔ جبلِ رحمت و جبلِ نور پر حجاج کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ آنکھیں آنسو کا مینہ برسا رہی تھیں اور زبانیں مصروف استغفار، بخشائش گناہ و حصول مقاصد دارین تھیں۔ حدِ نظر تک تمام عرفات میدان میں ہر حاجی مصروف گریہ وزاری نظر آتا تھا۔ عجب حضوری حسب مراتب حاصل تھی۔ عجب کیفیات کا ظہور تھا۔ اِدھر سے مانگ تھی اُدھر سے کمال رحمت کاملہ سے مانگنے اور طلب کرنے سے بھی بہت زیادہ مل رہا تھا۔ مدت العمر کے صغیرہ اور

کبیرہ گناہ اپنے معاف کر دیے جارہے تھے جیسے شکم مادری سے اُس کے بندے پھر بچے معصوم ہو کر تولد ہو پیدا ہو رہے ہیں۔ دعاؤں کے اختتام پر باہمی مبارک باد اور معانقہ کا سلسلہ شروع ہوا ہم بھی زنانہ خیمہ میں گئے۔ وہاں ہماری والدہ ماجدہ ہماری ربّہ وہ جن کے مبارک قدموں کے نیچے ہماری جنّت ہے غشی کی حالت میں روزے اور تکان کے باعث چٹائی پر لیٹی ہوئی تھیں۔ ہم بے اختیار اُن کے مبارک قدموں پر گر پڑے اور زار و قطار رونے لگے غشی سے اُن کو ہوش آگیا۔ ہم سب نے ایک دوسرے سے خطائیں معاف کرائیں۔ سورج اور نیچے ہونے لگے۔ غروب سے ذرا پہلے بس میں سوار ہو کر ہم لوگ مزدلفہ چل دیے۔

وحشی عربی ڈرائیور اللہ اکبر۔ شاید یورپ و امریکہ کو چھوڑ کر ہندوستان کے کسی شہر حتیٰ کہ بمبئی کلکتہ میں بھی اس کثرت سے ہر قسم اور ہر ماڈل کی نو بہ نو موٹر کاریں ہونگی نہ دنیا کے کسی خطہ کے ایسے بے باک اور جری ڈرائیور ہوں گے محض حافظِ حقیقی کا فضل اپنے بندوں اپنے حجاج مہمانوں کو بچا دیتا ہے۔ ورنہ وحشی نیم مجنون عربی ڈرائیور حضرات تو موٹروں کو باہم بھڑا کر ٹکرا کر مسابقت کر کے آگے نکل ہی جائیں گی کوشش میں شاید ٹکڑے ٹکڑے

کر ڈالیں۔ شہر کی تمام وسعت کے علاوہ ہر جانب جہاں کوئی سڑک نہیں ہے۔ اور گڑھوں سے بھری ہوئی پتھریلی اور ناہموار زمین ہے۔ ہزارہا ہر طرح کی موٹریں مزدلفہ کی طرف رواں دواں تھیں۔ ہمارا ڈرائیور بھی بدقسم کا سخت وحشی تھا۔ ہاں ہاں کہنے پر بھی سڑک چھوڑ کر سخت ناہموار زمین پر ہولیا۔ بیسیوں دیو ہیکل عظیم الجثہ فوجی ٹرکس موٹر سے ٹکر ہوتے۔ بعض اوقات صرف انچوں کے فاصلہ سے بال بال بچ گئے۔ رواں دواں تھوڑی دیر میں مزدلفہ پہونچ گئے اور مسجد مشعر الحرام کے قریب ہی ایک مقام پر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ تاخیر سے مغرب و عشاء کی ہر دو نمازیں یکجا ادا کی گئیں۔

مزدلفہ: مزدلفہ کی یہ شب بھی عجیب ہوتی ہے۔ کف دست سنسان میدان دیکھتے دیکھتے انسانوں سے معمور اور رنجبور ہو جاتا ہے گدھے، خچر، گھوڑے، اونٹ ہر طرح کی موٹریں سب گڈمڈ کھچڑی بن کر جہاں جگہ مل سکے ٹک جاتی ہیں۔ عرفات اور خصوصاً مزدلفہ ہر دو جگہ اگر کوئی اپنے پڑاؤ سے ذرا بھی بھٹک جائے تو پھر ساتھیوں کا پتہ چلنا امر محال ہو جاتا ہے۔ اس رات کی بڑی فضیلت ہے۔ بزرگوں نے

اِس کو شب قدر کے مماثل کہا ہے۔ اِس لئے تمام رات ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سوئے اور اوراد و اذکار کا سلسلہ جاری رہا۔ محترمہ بھابی صاحبہ نے اسپرٹ کے چولھے پر کئی بار گرما گرم چائے بنا کر ہم سب لوگوں اور پڑوسیوں کو پلا کر ذکرِ الٰہی کی سرگرمیاں گرمائی پہونچنے سے اور بڑھ گئیں۔ کھلا ہوا ہے۔ ان ہونے کی وجہ سے مزدلفہ میں کافی خنکی تھی۔ مگر ے

گرم فریاد رکھا شکلِ نہالی نے ہمیں
تب اماں ہجر میں دی برد لیالی نے ہمیں

نمازِ صبح سے پہلے موٹر بس اِس لئے منگوائی تھی کہ منیٰ جا کر سویرے سویرے بڑے شیطان کو کنکریاں مار کر فارغ ہو جائیں۔ مگر توبہ کیجئے سخت و شدید وحشی ڈرائیور شاید اپنے بڑے بھائی کو کنکریاں مارنے کا نام سُن کر بھڑک اٹھا۔ بس میں بھلا کر سیدھے مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے قیام پر لا کر موٹر روک دی اور سواریاں اتار دیں۔ ہر چند سمجھایا۔ خوشامد کی منت سماجت کی۔ کافی سے زیادہ لالچ دیا کہ بعض سواریاں کمزور اور ضعیف ہیں پیدل رمیِ جمار کے مقام تک نہیں جا سکتے۔ مگر توبہ کیجئے۔ چھوٹے بھائی صاحب نے حقِ وفاداری اپنے بڑے بھائی شیطان کا پورا

ادا کیا اور ٹس سے مس نہ ہوا اور موٹر لیکر چلتا بنا۔ پھر اسی نیم شکستہ کوٹھے پر قیام تجویز ہوا جس میں سے پرسوں شب نکل بھاگے تھے ؎

بر سرِ اولادِ آدم ہرچہ آید بگذرد

اگر زنانہ کو کوٹھے پر نہ ٹھیرایا جاتا تو دوسری متبادل شکل خیمہ میں قیام کی تھی اور عرفات میں اس کا تجربہ ہوگیا تھا کہ دن کے وقت خیمہ میں کافی سے زیادہ گرمی ہوجاتی ہے۔ کوٹھے کے تنگ کمرے میں اتنا فائدہ تھا کہ تازہ ہوا آسکتی تھی۔ مگر نصف دن سے زیادہ دیر تک دھوپ بھی آتی تھی۔ پردے باندھکر دھوپ کو روکا گیا۔

منیٰ کے واجبات وسنن دس تاریخ ذیحجہ کو فقہ حنفی میں ترتیب ذیل ہیں۔

اول بڑے شیطان کو رمی کرنا۔ دوسرے ذبح۔ یعنے قربانی تیسرے حلق یا قصر یعنے بال کٹوانا یا منڈوانا۔ پہلے کام کے لئے تو ہم اور برادر معظم پیدل روانہ ہوگئے۔ الاماں وہ ہجوم خلائق وہ دھکا پیل وہ ادنٹ گھوڑے گدھے اور انسانوں کی یکجا نقل وحرکت تھی کہ محسوس ہوتا تھا اب پسے، اب گرے، اور اب دبے۔ اس پر طرہ یہ کہ نجدی

حضرات بے تحاشا حاجیوں کے مجمع میں سے ذرا برابر پرواہ
کئے بغیر اپنے اونٹ اور گھوڑے بے تحاشا دوڑا رہے تھے۔ حافظ
حقیقی اپنے مہمانوں حجاج کا محافظ و نگہبان ہے۔ بڑے شیطان
کے قریب تک پہونچ جانے کے باوجود کم توقع نہیں کہ جلد رمی کرسکنے
کا موقع مل سکیگا۔ اور سانوں کنکریاں جو رات مزدلفہ میں جمع کیگئی
تھیں۔ سات زبردست آتشِ ہم کی طرح عزرائیل یا تو بعلم الملائکت
حال طوق لعنت الی یوم الدین پہنے ہوئے ابلیس اعظم یا شیطان
کبیر پر یکے بعد دیگرے بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے دے مارے۔
اسرار رمی جمار۔ اللہ اللہ کیا اشد شدید ذلت و خواری کیا زبردست
عذاب الیم ان تین دنوں میں شیطان علیہ اللعنۃ پر انسان کے ذریعہ
نازل ہوتا ہے کہ جس خاکی پتلے کے سامنے سجدہ کرنے سے غرور و تکبر
کی وجہ سے منکر ہوگیا تھا۔ وہی خاکی پتلا اسی خاک کی کنکریوں سے
اس کو تین دن تک مارتا ہے۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ ہر کنکری
کی ضرب پر شیطان شدت الم و تکلیف سے بلبلاتا ہے۔ مگر احکم الحاکمین
کے حکم سے تین دن تک اس عذاب کو سہنے کے لئے بند کر دیا جاتا ہے۔

ایک دن پہلے غروب سے قبل میدان عرفات میں وہ اپنے سر پر خاک ڈالتا ہے۔ شدت درد و کرب سے لوٹتا ہے اور بلند آواز سے فریاد و فغاں کرتا ہے کہ میں نے مدت طویل کی شاقہ محنت اور طرح طرح کی شبانہ روز تگ و دو کر کے خاکی انسانوں کو بہلا پھسلا کر اُن سے صغیرہ و کبیرہ گناہ کروائے۔ آج ایک لمحہ میں تمام عمر کے سب چھوٹے بڑے گناہ اس طرح مغفرت کے پانی سے دھو کر پاک صاف کر دیئے گئے۔ جیسے کبھی گناہ ہی نہیں کئے تھے۔ اب پھر یہ ازلی شدید دشمن میرے مرتبۂ عظیم سے مجھے گرا کر میرے آبا و اجداد اجنا کی موروثی زمین پر خود قابض ہی نہیں خلیفہ الٰہی بنا دیئے جانیوالا انسان ایسا پاک و صاف کر دیا گیا کہ جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ ہائے ہائے میری سب محنت اکارت گئی۔ اب یہ آدھی رات تک مزدلفہ میں معصوم بچوں کی طرح گویا کھیل کھیل کر کنکریاں جمع کریگا۔ اور انہی کنکریوں سے میری شامت آئے گی۔

آمدم بر سرِ مطلب۔ کنکریاں مار کر ہم دونوں بھائی پیدل جائے قیام پہ آئے۔ اب دوسرا اہم کام قربانی کا تھا۔ یہ قربانی گویا حضرت

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی پیروی میں اپنے نذرانہ جان کی بجائے دنبہ کی جان پیش کی جاتی ہے۔ مالک بے نیاز کی بارگاہِ عالی تک قربانی کا خون وگوشت وغیرہ مادی چیزیں نہیں پہنچتیں۔ البتہ اس جذبہ قربانی سے جو تقویٰ یا پاکیزگی حاصل ہوتی ہے وہ دربارِ عالی میں پہنچائی جاتی ہے۔ قربانی کے متعلق ایک لطیفہ بھی ہے۔ ارے بھئی بچہ جب پیدا ہوتا ہے اس کا عقیقہ بھی تو کیا جاتا ہے۔ سر منڈا دیا جاتا ہے۔ اور بکرے قربانی کئے جاتے ہیں یہاں منیٰ میں بھی تو نو لد شدہ بچوں، حاجیوں کو بھی، سر منڈوانا اور قربانی کرنا ضروری قرار پایا ہے۔ بہرحال ہم چونکہ شدید علالت کے بعد صحت یاب تو ہو گئے تھے مگر نقاہت باقی تھی۔ اس لئے برادر معظم کے سپرد اپنی دو قربانی ایک حج اور عمرہ کی۔ ایک احتیاطاً دم جنایت کی دینے کیلئے عرض کر دیا گیا تھا۔ دو بزرگ بھائی صاحب قربانی اور حلق یعنے سر منڈوائی سے فارغ ہو کر تشریف لائے۔ احرام اتارا۔ غسل کر کے لباس بدلا۔ بے احتیاط حجام نے جابجا ان کے سر پر استرے سے زخم کر دیئے۔ اگلا گر اپچھلا ہوشیار۔ ہماری

سرمنڈوائی از حد اہم تھی اس لئے کہ مسلسل چالیس سال سے بھی زیادہ طویل عرصہ سے استرا ہمارے سر پر نہیں پھرا تھا۔ پانچ سالہ سن تک سرمنڈوایا جا رہا تھا۔ اور شفیق اُستاد ہر ہفتہ سر منڈوانے پر دستوری کے نام سے چپت مارا کرتے تھے۔ پھر طالب علمی کے زمانہ تک چھوٹے چھوٹے بال رہے۔ عملی زندگی میں آنے پر اور بڑے ہوئے۔ اور سن ۴۳ء میں چوبیس سال قبل جب کہ سلوک طے کر کے ہم نے خلافت و لقب خسرو شاہ حاصل کیا تو بال چھوڑ دیئے اور ہمیشہ کندھوں تک رہتے تھے۔ اتنے بڑے بڑے بالوں کو کسی اناڑی اصلاح ساز سے ہم منڈوانا نہیں چاہتے تھے۔ بارے ایک ہندوستانی ہونہار ہنگامی اصلاح ساز ہمارے معلم صاحب کے کیمپ میں آگیا۔ مگر یکے بعد دیگرے جو حاجیوں کا اس کے اطراف تانتا لگا تو نویہ کیجئے۔ ہندوستانی گیارہ بجے دن سے شام کے پانچ بج گئے اور انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں۔ زچ ہو کر ہم نے معلم صاحب کے لوگوں سے کہا کہ کیا حضرت منیٰ میں صرف ایک ہی اصلاح ساز رہتا سہتا ہے۔ اجی دوسرے کو بلاؤ جو فیس ہوگی دی جائیگی۔ ذرا سی دیر میں ایک دیو پیکر عفریت نما کردنی

چھ فٹا قد۔ سرخ آنکھیں۔ بغل میں مختصر کوت دبائے خیمہ کے دروازہ پر نمودار تھے۔ دیکھ کر جان تن سے نکلنے کے قریب ہو گئی یا اللہ یہ اصلاح ساز ہے یا بقر قصاب' یا کوئی جلاد۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ پٹ ایک زبردست استرا جو ہم کو قتل کرنیکا تیغہ محسوس ہوا۔ نکالا اور پاڑ دینے لگا۔ ہرچند ہم نے بار بار اصرار کیا کہ کنپٹی پر بڑے بال بہت بڑے بڑے ہیں تم قینچی نکال کو پہلے ان کو تراش لو۔ اور پھر استرے سے باحتیاط صاف کرو۔ مگر توبہ کیجیے وہ کس کی سنتا۔ برابر استرا تیز کئے جارہا تھا۔ ہم کو یقین ہو چلا کہ آج سر منڈوانا نہیں شاید سر کٹوانا ہے۔

اتنے ہی میں بد باشندہ ثانی اصلاح ساز خیمہ کے دروازہ پر نمودار ہوا۔ ہم نے اس کے دوسرے ہم پیشہ کو دیکھ کر آنے سے انکار کرنے پر منت و سماجت اس کو اندر بلوالیا۔ اس نے عربی میں عفریت نکروئی کو لعنت ملامت کی کہ مردک کیا تم بدو۔ جمال اونٹ چلانیوالے کی اصلاح بنانے آئے ہو یا مہذب آدمی کی۔ بہر حال نکروئی دیو سے نجات ملی اور کمال چابکدستی سے پہلے قینچی سے چالیس سالہ دقیق بالوں کو جن میں دو ثلث حصہ

چھ فٹا قد۔ سرخ آنکھیں۔ بغل میں مختصر کوتت دبائے خیمے کے دروازہ پر نمودار تھے۔ دیکھکر جان تن سے نکلنے کے قریب ہو گئی یا اللہ یہ اصلاح ساز ہے یا بقر قصاب، یا کوئی جلاد۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ پٹ ایک زبردست استرا جو ہم کو قتل کرنیکا تیغہ محسوس ہوا۔ نکالا اور پاڑ دینے لگا۔ ہر چند ہم نے بار بار اصرار کیا کہ کنپٹی کے بال بہت بڑے بڑے ہیں تم قینچی نکال کو پہلے ان کو تراش لو۔ اور پھر استرے سے باحتیاط صاف کرو۔ مگر تو یہ کیجیے وہ کسی کی سنتا۔ برابر استرا تیز کئے جا رہا تھا۔ ہم کو یقین ہو چلا کہ آج سرمنڈ وانا نہیں شاید سر کٹوانا ہے۔

اتنے ہی میں بدّ باشندہ ثانی اصلاح ساز خیمہ کے دروازہ پر نمودار ہوا۔ ہم نے اس کے دوسرے ہم پیشہ کو دیکھکر آنے سے انکار کرنے پر منت و سماجت اس کو اندر بلوا لیا۔ اس نے عربی میں عفریت نکروتی کو لعنت ملامت کی کہ حرد ک کیا تم بدو۔ جمال اونٹ چلانیوالے کی اصلاح بنانے آئے ہو یا مہذب آدمی کی۔ بہر حال نکروتی دیو سے نجات ملی اور کمال چابکدستی سے پہلے قینچی سے چالیس سالہ رفیق بالوں کو جن میں دو ثلث حصہ

سفید بال نچے تراش کر سامنے ڈہیر لگا دیا۔ ہم اس ڈھیری کو تک رہے تھے اور تخیلات کا سیلاب دماغ میں موج مار رہا تھا کہ نہ معلوم کتنی سیاہ کاریوں ۔ گناہوں اور کتنے سجدہ ہائے نیاز میں یہ بال بھی ہمارے شریک رہے۔ سلطان الذکر کے دور میں ہر تن مو سے اللہ ہی اللہ، اسم ذات کی آواز خود ہم نے سنی ہے نہ معلوم کہاں کہاں کی گرد سیاحت ان بالوں میں جمی۔ چالیس سالہ رفیق بالوں کی ڈھیری نے زبان حال میں ہم سے کہا کہ ہم کو یوں ضایع نہ کرو۔ پہلے ہی بال ترشوا کر حسین ساگر کے تالاب میں چونکہ اس کا پانی غیر مستعمل ہے ڈلوا دیا کرتے تھے۔ ہم کو جنت البقیع میں لے جا کر سپرد خاک کر دیجئے: تاکہ کم از کم ہم اپنے معراج کمال کو پہونچ جائیں۔ ہم نے قبول کیا اور ان کو محفوظ کر لیا۔ اپنے کام میں ماہر بڈھے نے نہایت سبک طور پر ذرا سی دیر میں سر استرے سے صاف کر دیا۔ جب ہمارا منڈ منڈ کر چکنا سر ہو گیا تو کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا۔ زمانہ دراز کے بعد ہوا سر کی جلد سے مس کر رہی تہی، تو سنسنی سی معلوم ہوتی تھی۔ ہم نے سر تو منڈوا لیا مگر اولے مطلق نہ پڑے۔ بادل ضرور اُمنڈ کر آئے اور خوف ہونے لگا کہ ضرور برسیں گے۔ مگر یہ بھی ایک رحمت کا ظہور تہا کہ تیز ہوا اُن کو اڑا لے گئی۔ ورنہ خیمہ میں مقیم حاجیوں اور بہم شکستہ چھت پر ٹہیرنیوالے زنانہ کو اشد شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا۔

سفید بال نجھے تراش کر سامنے ڈھیر لگا دیا۔ ہم اس ڈھیری کو تک رہے تھے اور تخیلات کا سیلاب دماغ میں موج مار رہا تھا کہ نہ معلوم کتنی سیاہ کاریوں۔ گناہوں اور کتنے سجدہ ہائے نیاز میں یہ بال بھی ہمارے شریک رہے۔ سُلطان الذکر کے دور میں ہر تن مو سے اللہ ہی اللہ، اسم ذات کی آواز خود ہم نے سنی ہے نہ معلوم کہاں کہاں کی گرد سیاحت ان بالوں میں جمی۔ چالیس سالہ رفیق بالوں کی ڈھیری نے زبان حال میں ہم سے کہا کہ ہم کو یوں ضایع نہ کرو۔ پہلے ہی بال زر شوار حسین ساگر کے تالاب میں چونکہ اس کا پانی غیر مستعمل ہے ڈلوا دیا کرتے تھے۔ ہم کو جنت البقیع میں لے جا کر سپرد خاک کر دیجئے۔ تاکہ کم از کم ہم اپنے معراج کمال کو پہونچ جائیں۔ ہم نے قبول کیا اور ان کو محفوظ کر لیا۔ اپنے کام میں ماہر بڈھے نے نہایت سبک طور پر ذرا سی دیر میں سر استرے سے صاف کر دیا۔ جب ہمارا منڈ منڈ کر چکنا سر ہو گیا تو کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا۔ زمانہ دراز کے بعد ہوا سر کی جلد سے مس کر رہی تھی تو سنسنی سی معلوم ہوتی تھی۔ ہم نے سر تو منڈوا لیا مگر اولے مطلق نہ پڑے۔ بادل ضرور امنڈ کر آئے اور خوف ہونے لگا کہ ضرور برسیں گے۔ مگر یہ بھی ایک رحمت کا ظہور تھا کہ تیز ہوا اُن کو اڑا لے گئی۔ ورنہ خیمہ میں مقیم حاجیوں اور ہم شکستہ چھت پر ٹہیر نیوالے زنانہ کو انتہا شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا۔

پنجشنبہ جمعہ اور ہفتہ تین دن رمی جمار اور بقیہ قربانی کے لئے منیٰ میں قیام رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اور فضلِ خاص ہم لوگوں پر یہ بھی ہوا کہ ہمارا خیمہ پنجوقتہ نماز باجماعت کے لئے مسجد قرار پاکر کثیر جماعت سے پانچوں وقت نماز ہوتی تھی۔ اکثر نماز میں امام و مفتی صاحب مسجد فتح پوری دہلی نے جو ایک بہت نیک منش فرشتہ خصلت بزرگ ہیں پڑھائیں۔ اور نمازوں میں قرعہ فال اس دیوانہ کے نام بھی پڑ گیا۔ اور ہم نے پیش امامی کا فرض ادا کیا۔

انتشار اہلِ حدیث ہمارے خیمہ کے سامنے ایک بڑے شامیانے میں پنجاب اور امرتسر کے بہت سے اہلِ حدیث حضرات بھی ٹھہرے ہوئے تھے اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کی نسبت سخت گستاخانہ عقیدہ رکھنے کی یہ رجت اور پھٹکار ہے کہ اُن کے قلوب پر مُہر کر دیجاتی ہے۔ ایسے قسی القلب شقی لوگ کم دیکھنے میں آئے تھے۔ سرکار سے جتنی زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی ایمان میں ترقی میسر ہوگی۔ بقول حضرت اقبال ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبیست

رمی جمار کر کے آتے ہی اول تو ہر وقت اُن کے آپس میں سخت
فحش قسم کی گالی گلوچ باآواز بلند ہوتی رہتی تھی۔ پھر غریب بے زبان معلم
عبیدالرحمن کی شامت آئی اور ان کو ابولہب کے ان امتیوں نے خوب
خوب سنائی۔ ایک سر منڈے داڑھی خضاب سے سرخ رنگین کئے ہوئے
آتش مزاج بڑے میاں ان لوگوں میں گالی گلوچ کے امام ہی نہیں تھے۔ بلکہ
اپنی زوجہ محترمہ کو نہایت پابندی سے صبح شام زدوکوب بھی علانیہ فرما کر
تفریح حاصل کرتے تھے۔ بھلا آگ کے قریب رہنے والے کیسے ممکن ہے کہ گرمی
بھی اُن کو نہ پہونچے۔ منیٰ کے قیام کے دوسرے دن ہم صبح کے وقت آمد و رفت
کے دروازہ پر وضو کر رہے تھے کہ پیچھے سے ایک اہل حدیث ابولہبی نے
از حد کرختگی سے چیخنا شروع کیا کہ فوراً یہاں سے ہٹ جاؤ۔ ہم غسل کر چکے
ہم نے نرمی سے عرض کیا کہ ہم ٹخنیاں دھو رہے ہیں دو ایک منٹ میں ہمارا
وضو ختم ہو جائیگا اور ہم ہٹ جائیں گے۔ جامہ سے باہر ہو کر ارشاد ہوتا ہے
کہ اگر فوراً تو یہاں سے نہیں ہٹے گا تو ہم یہ بڑا پتھر جو یہاں رکھا ہے تیرے
سر پر دے ماریں گے۔ ہم نے اس کا جواب نہ دیا اور سکون سے پیر دھونے
لگے۔ اگر معلم صاحب کے آدمی اس اخوان الشیاطین کے فرد کو پکڑ نہ لیتے

اور نہ سمجھانے تو بالکل ممکن تھا کہ ہابیل وقابیل والا قصہ تازہ ہو کر پھر سے وہ ہمارا سر کچل ڈالتا اور ہمارا خونِ شہادت منیٰ کی سرزمین کو رنگین کر دیتا۔ ہم لوگوں کو ابو بھی لوگوں سے نہ کوئی واسطہ نہ سروکار۔ مگر ایکدن خواہ مخواہ ان کے اکثر افراد فرمانے لگے کہ ذرا علم کو آجانے دو اس کو مطلع کر کے ہم سب مل کر ان لوگوں سے نبٹ لیں گے۔ نہ معلوم ہم لوگوں نے اُنکا کیا بگاڑا تھا۔ ان لوگوں سے ہم لوگ بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ اور بات چیت بھی نہیں ہوتی تھی۔ ہمارے ہمراہی چودھری محمد شریف صاحب میونسپل کمشنر اور ماسٹر محمد رمضان صاحب دونوں پنجابی اور محرورالمزاج وہ لوگ بگڑ گئے کہ دیکھیں بلا وجہ اسبب یہ اہلِ حدیث لوگ ہم لوگوں سے کیسے نپٹتے ہیں۔ ہم نے ان کو سمجھا کر ٹھنڈا کر لیا کہ بھائی صبر کرو اس کی بڑی جزا ملیگی۔

جوابِ جاہلاں باشد خموشی

ان کو کوئی جواب نہ دو اپنے سکون کو برقرار رکھو۔ اگر خدانخواستہ یہ حملہ ہی کر دیں تو البتہ مدافعت کرنا ہمارا فرض ہو جائیگا۔ اس وقت یہ دیکھ لیا جائیگا کہ آیا اُن کے ہاتھ اور پیر چار چار رہیں یا دو ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے ہم لوگوں کو بھی طاقت اور اس سے زیادہ ہمت دی ہے کہ ہم تو عسکر رسول اللہ ؐ

انصاری لوگ ہیں۔

ایک دن ہم کوٹھے سے نیچے اتر رہے تھے کہ جماعت اہلِ حدیث حضرات میں سے ایک ابو لہب کے چیلے فرماتے ہیں۔ یہ شیطان جو اتر رہا ہے یہ سہاگ ہر قسم کا ہے۔ اصل میں اس کو سب مل کر سنگسار کر دینا چاہیئے۔ سچ ہے مومن کا چہرہ بھی آئینہ ہوتا ہے کہ اس میں اپنا ہی عکس نظر آتا ہے۔ تین دن تک شیاطین خود تو محبوس اور اسیر ہو کر کنکریاں کھا رہے ہیں۔ مگر ان کو اطمینان کلی ہے کہ نوعِ انسان میں سے بہت سے انسانی خناس و شیاطین ان کے فرائض بجا لا رہے ہیں۔ ہم تو اہلِ حدیث کی یہ چہرہ دستی، یہ فسق و فجور یہ کیفیات، محقق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اروا حنا فداہٗ سے سخت گستاخی کی رجعت اور اسی کا وبال اس کا باعث سمجھتے ہیں۔ اور باقی انفرادی حیثیت سے واقعی ہمارا وجود ننگِ انسانیت، اور زمین کا ایک بوجھ ہے۔ گناہوں کی گرانباری اور انبار در انبار معصیتوں کا بوجھ ہماری پیٹھ پر ہے۔ ہم نے شاید ہی کبھی کوئی قابلِ ستائش کام کیا ہو ہم سے تو دربارِ نبویؐ کے گلی کوچوں میں خاک بسر پھرنے والے کتنے کا مرتبہ کہیں اعلیٰ ہے کہ وہ پاکوں کی گذرگاہ پر پڑا رہتا ہے۔ اور یثرب پاک کی خاک کو طوطیائے چشم بنائے ہوئے ہے۔ اگر اہلحدیث

حضرات جن میں کہ ایک فرد نے اس سے قبل پتھر سے سر توڑنے کی دھمکی دی تھی۔ سب مل کر ہم کو سنگسار کر دیتے تو خوب ہی ہوتا۔ ممکن تھا کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے مقام قربانی پر ہمارا خون بہ کر اس محترم مقام کی وجہ سے ہماری آمرزش کا باعث ہو جاتا۔

طواف زیارت اہم فرائض حج میں سے اب صرف ایک آخری فرض طواف زیارت اور سعی صفا مروی کرنا باقی رہ گیا تھا۔ برادر معظم تو شب شنبہ کو ٹکسی موٹر پر مکہ معظمہ جا کر چند گھنٹے میں فارغ ہو کر منیٰ واپس آگئے تھے۔ منیٰ میں عجیب وغریب ٹکے سیر کا بھاؤ یہ دیکھا کہ گدھے پر مکہ معظمہ جاؤ تو آنے جانے کے ڈیڑھ ریال خچر پر وہی کرایہ اور اونٹ کا وہی بھاؤ اور موٹر ٹکسی میں بھی اتنا ہی معاوضہ آمد ورفت یعنے ڈیڑھ ریال خرچ ہوتا تھا۔ اسی لئے بکثرت لوگ ٹکسی لاریوں میں جا رہے تھے۔ ہم ایک تو مرض قلبی کے باعث عرصہ سے زیادہ مشقت اور چلنے سے عادی۔ پھر اسپر طرّہ علالت شدید کے بعد کی کمزوری اور والدہ ماجدہ بہت نحیف وکمزور نفر بہا یہی حال بسم اللہ خالہ صاحبہ کا ہے۔ ہم کو بڑا کھٹکا اس بات کا لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم طواف زیارت میں کیس قدر شدید ہجوم اور انتہائی کشمکش کا سامنا

کرنا پڑیگا۔ ایام حج میں صبح اور بعد مغرب کا طواف کمزوروں کے لئے گویا ایک معرکہ سر کرنے کے برابر ہے۔ لوگوں کا مطاف کی پوری سمائی میں اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ عام طور پر طواف کے ساتوں چکر جو بندرہ بیس منٹ میں ختم ہوجاتے ہیں۔ مغرب اور صبح کی نماز کے بعد نصف گھنٹے میں پورے ہوتے ہیں اور ہجوم کے شدید فشار۔ مصری فیل مست دیو پیکر ابو الہول قسم کے حجاج کے زور سے کھنیاں مار کر آگے بڑھنے کی عادت تمثل جبیعت ثانیہ کی یادگار میں پسلیاں اور جسم کا بند بند درد کرنے لگتا ہے۔ یہ تو روزانہ کی حالت ہے۔ اب طواف زیارت میں جس کے بغیر حج مکمل ہی نہیں ہوتا اور وہ فرائض میں سے ہے جس کا ادا کرنا ڈیڑھ دو لاکھ سے زاید جمع شدہ حجاج کے ہر فرد کے لئے فرض عین ہے۔ اس طواف میں اندیشہ تھا کہ نہ معلوم ہم کمزوروں اور ضعیفوں کا کیا حال ہوگا تو کیا حال ہوا اس کی کیفیت آگے سنئے۔

بتاریخ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یوم شنبہ ہم۔ والدہ ماجدہ۔ بسم اللہ خالہ صاحبہ اور بھاوج صاحبہ کو لیکر ٹیکسی یعنی موٹر بس میں منٰی سے چلدیے۔ برادر معظم منجھلے بھائی صاحب قبلہ سامان وغیرہ اپنے سامنے روانہ کر کے

ٹیکسی لاری میں بعد میں آنے کے لئے ٹھیر گئے۔ بڑے شیطان کی طرف سے
ایک نزدیکی راستہ مکہ معظمہ جانے کا ہے۔ اُسی طرف سے موٹر بس روانہ ہوئی
اور دس پندرہ منٹ میں عربی وقت کے تین بجے اور ہندوستانی وقت کے
نو بجے دن کو ہم لوگ حرم محترم کے باب الوداع پر پہونچ گئے۔ ہم فوراً والدہ
ماجدہ اور خالہ صاحبہ کو لیکر حرم شریف میں داخل ہوگئے۔ دیکھا کہ مطاف میں
بمشکل دس پندرہ آدمی طواف کر رہے ہیں اور مطاف تقریباً انسانوں سے
خالی سا ہے۔ پہلے قرار پایا تھا کہ والدہ ماجدہ اور خالہ صاحبہ کو شبسری پر
طواف زیارت اور سعی کروائی جائیگی۔ مگر فضل ربانی کے اس ظہور خاص کو
دیکھکر ہم بے اختیار ہو گئے۔ ہم نے والدہ ماجدہ سے کہا کہ اس سے بہتر اور
کوئی موقع نہیں مل سکتا۔ آپ حجر اسود کو ہجوم نہ ہونے سے بآسانی بوسہ بھی
دے سکتی ہیں اور بہت اطمینان سے طواف بھی ہو جائیگا۔ ذرا سا ہمت فرمائیے
وہ فوراً راضی ہو گئیں اور ہم خود مطوف بن گئے۔ اور ہم نے ایک مہینہ کے
قیام طویل میں خود دوسری بار حجر اسود کا بوسہ لیا اور والدہ ماجدہ کو تو تین مرتبہ
حجر اسود کے بوسہ کا موقع ملا۔ بہت ہی اطمینان سے ہر چکر کی مخصوص دعائیں
پڑھتے ہوئے طواف زیارت کے ساتوں چکر ختم کرا کے ملتزم پر دعا

پڑھوا نیکے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز واجب الطواف پڑھوا کر وہاں
کی دعائیں پڑھوائیں۔ حطیم میں چاشت کی نماز پڑھ کر میزاب رحمت کے نیچے
غلاف کعبہ کو پکڑ کر سب نے حضوری کامل سے رو رو کر دعائیں مانگیں۔ صاف
محسوس ہو رہا تھا کہ وہ قبول فرمائی گئیں۔ ہم لے اپنے لئے صرف یہ دعا کی کہ
میرے مولا میرے مالک! میں تو اپنی ذات کے لئے صرف تیری رضا چاہتا ہوں
اور کچھ بھی نہیں مانگتا۔ مانگنے سے پہلے تو سب کچھ مرحمت فرما دیتا ہے۔ ہاں
بڑی ہمشیرہ صاحبہ کے لئے بصمیم قلب دعا کی گئی اور قرین قبولیت ہوتی صاف
معلوم ہو گئی۔ حطیم سے فارغ ہو کر تسبیری کے انتظار میں چاہِ زمزم پر بیٹھ گئے۔
سراج نامی ایک مستعد از حد کارکن نوجوان نے جو جدہ سے ہم لوگوں کی خدمت
کم کر رہا ہے۔ دو تسبیریاں لا دیں اور والدہ ماجدہ اور بسم اللہ خالہ صاحبہ
نے تسبیریوں میں بیٹھ کر سعی پوری کر لی۔ ہم نے پوری سعی کے ساتوں چکر نہ صرف پیدل
مکمل کر لئے بلکہ جوتیاں باب الوداع پر چھوڑ دینے کی وجہ سے ننگے پیر سعی
کرنی پڑی۔ بظاہر خود ہم کو اس کی مطلق توقع نہ تھی کہ ہم پیدل سعی مکمل کر سکیں گے
ایک رات پہلے برادر معظم جب طواف زیارت سے فارغ ہو کر سعی کرنے
لگے تھے تو ان کا بیان ہے کہ ایک چکر کے بعد طاقت نے جواب دے دیا۔

اور انہوں نے شہری پر سعی مکمل کی۔ مگر محض میرے ذُوالقُوَّۃِ المَتِینْ

ارحم الرّاحمین کا یہ بھی ایک فضلِ خاص ہے کہ اُس نے زار و نزار بیماری

شدید سہے ہوئے ہمارے جسم میں اتنی طاقت مرحمت فرما دی کہ فرض سعی پیدل

بحسن و خوبی پورا ہوگیا۔ ساتوں چکر پورا کرنے کے بعد جب دعا کر کے مروہ سے

گھر آرہے تھے تو جسم تک اس قدر سبک اور ہلکا بجائے تکان کے محسوس ہو رہا

تھا کہ جی چاہتا تھا جو سما میں پرواز کریں۔ صفا و مروہ کے درمیان جہاں سعی

کی جاتی ہے۔ اُم القریٰ مکہ معظمہ کا سب سے زیادہ آباد بازار واقع ہے

اور طرح طرح کی اشیاء اور نوادرات سے ہر دو جانب دوکانیں سجی ہوئی

ہیں سعی کرنیوالوں کیلئے یہ بھی ایک ابتلاء و آزمائش ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ آیا وہ دوران

سعی میں مخصوص ادعیہ ماثورہ پڑھتے ہوئے سعی مکمل کرتے ہیں یا دنیا زیب و زینت کی ان اشیاء کی طرف بنظر خواہش دیکھتے ہیں

مصریوں کی چیرہ دستیاں | مصر ایک وسیع زرخیز خوش حال نیم خود مختار

ملک ہونیکی وجہ سے عالم اسلام میں اس کی بڑی وقعت اور اس کا ایک خاص

مقام ہے۔ جدید تحریک وحدت عربیہ کا مرکز ہونے کی وجہ سے اس کے درجہ

سیاسی میں روز افزوں اضافہ ہونیوالا ہے۔ اور غلامستان ہند کے مسلمان

تو ہمیشہ سے آزاد و نیم آزاد ممالک اسلامیہ کے متعلق حسنِ ظن کے عادی سے

ہو گئے ہیں۔ اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ فقیر دعا گو سفر حرمین شریفین سے بخیریت
اپنے وطن حیدرآباد دکن واپس ہونے کے بعد بعون اللہ تعالیٰ اس کا
عزم مصمم رکھتا ہے کہ سفیر صاحب مصر کے پاس ایک بہت مدلل تحریر بنابر
رشتۂ اخوت اسلامیہ اسبارہ خاص میں ارسال کروںگا کہ جاپان جیسے اشد شدید
ننگ انسانیت ظالم و اظلم ملک والے محض سیاسی اغراض کیلئے ازراہ مکروریا
غیر ممالک کے سیاحوں کے روبرو اس قدر اخلاق فاضلہ اور انکسار کاملہ کا
مظاہرہ کرتے تھے کہ ان خشتیوں کے پراگندہ نقاب ہو کر چینیوں پر حملہ آوری
کر کے نہایت درجہ مظالم توڑنے تک تمام تہذیب ممالک کے سیاحان جاپان
ان کے مکارم اخلاق کے رطب اللسان اور ثنا خواں تھے۔ اس لئے اشد ضروری
ہیں علمائے جامعہ ازہر اس بات کو اپنا فرض عین تصور فرمائیں کہ حجاج مصر
جب حرمین شریفین آنے لگیں تو ان کو بار بار بہ تاکید شدید بہ رابطہ مواعظ حسنہ
اس امر کی تنبیہ کریں کہ مکہ معظمہ کے حرم شریف میں خصوصاً اور دوسرے مقامات
پر عموماً اسلام اور مصر کے مفاد کا خیال کرتے ہوئے۔ مجنونانہ طور پر اپنی زور
آوری۔ طاقت وسبقت کا مظاہرہ دوسرے کمزور حجاج خصوصاً ہندوستان
کے جیسے نحیف اشخاص پر نہ کریں۔ حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم جس کے

متعلق نص قطعی کلام پاک کی ہے ۔ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا
وہ حرم پاک ومقدس جس کے جانداروں کبوتروں تک کو ایذا دینا سخت منع
ہے۔ اس میں مصری حضرات جو اپنی جسمانی قبل پیکری اور کمال پرخوری کی
وجہ سے اکثر حالتِ سکر میں رہتے ہیں۔ دوسرے حاجیوں کو طواف میں اور
چلتے پھرتے سخت جسمانی اذیت پہونچا کر شاداں مسرور الوقت ہوتے ہیں۔ بلا تامل
پیر کچل کر بڑھ جائیں گے۔ اگر پیچھے ہوں تو طاقت اور زور سے آگے والے حاجی
کو ڈھکیل کر مسافت کر کے آگے بڑھتے ہوئے اپنی زبردست کہنی سے
پسلی میں ایسا ٹھوکر دیں گے کہ کئی دن تک پسلی دکھتی رہے گی۔ حتیٰ کہ مدینہ
طیبہ میں مجھے ایک ضعیف العمر حاجی نے اپنا سینہ کھول کر پسلی کا ریم آلود زخم
دکھلایا جو مصری کی کہنی کی مار کا نتیجہ تھا۔ دھکا دینا۔ نماز کے لئے تنگ سے
تنگ مقام پر طاقت اور زور کے بل سے ارد گرد والوں کو اذیت میں ڈالکر
جگہ حاصل کرنا۔ اکثر طواف کے وقت آٹھ آٹھ اور دس دس کی تعداد کا ہاتھ
میں ہاتھ ڈال کر آگے والوں کو ڈھکیلتے کچلتے گراتے ہوئے آگے بڑھ جانا
سجدہ میں پڑے ہوئے نمازیوں کے سر پہ بلا تامل پیر رکھکر گزرنا۔ یہ ایسے
روزمرہ کے ازحد سوہان روح اور تکلیف دہ خود اپنے پر بیتے ہوئے

واقعات ہیں کہ جن کو دیکھ دیکھ کر اپنی تکالیف کے لئے نہیں بلکہ محض اس

خیال سے کہ بہت اذیت ہوتی ہے کہ یا الٰہی کیا یہ لوگ مسلمان ہیں۔ وہ مسلمان

جن کی شان یہ بیان کیگئی ہے کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ

مِنْ يَدِہٖ وَلِسَانِہٖ۔ مسلمان وہ ہیں جن کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے

مسلمان محفوظ رہیں ضعیف نحیف ہندوستانی ان مصری ابوالہول حجاج کی

چیرہ دستیوں کے زیادہ تر شکار ہوتے ہیں۔ اور محض دو وجوہات سے صبر

کر لیتے ہیں۔ اول تو یہ کہ بے نیاز مالک کا دربار عالی ہے۔ یہ کوچہ عشاق

ہے۔ یہاں کا لوازمہ دکھ سہنا اور طرح طرح کے مصائب کا برداشت

کرنا ہے۔ اور جسمانی آلام کو انگیز کرنا ہے۔ دوسرے حرم محترم کے احترام کے

خلاف ہے کہ سخت جسمانی اذیت پہنچنے پر بھی بلا وجہ اذیت پہونچا نیوالے کے

ساتھ جوابا زبان یا جسم سے کچھ کارروائی کیجائے۔ ٹھیک اسلامی قانون یہ ہے

کہ تھپڑ کا بدلہ تھپڑ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ دانت کا بدلہ دانت ہے۔ مگر یہ

قانون حرم شریف کے اندر بروئے کار نہیں لایا جاسکتا۔ یہاں تو واقعی ہدف

سہام مصائب جفا و نفا برداشت کر کے خاک ہوجانیکی جگہ ہے۔ مگر ان

بیجا کارروائیوں ان بہاہمی قسم کی جسمانی قوت کی زورآوریوں کے حرم میں

مظاہرہ کرتے رہنے سے خدارا کوئی کہے کہ مصریوں کے متعلق دوسرے
ممالک کے مسلمان اور ہندوستانی آیا ایک گمانی قائم کریں گے یا تنفر
اور شدید تنفر کا جذبہ جاگزیں ہوگا۔ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ ایک جمعہ
کو حرم شریف میں ایک اندھا از حد ضعیف بد حال کمزور اور بدنصیب انسان
لکڑی سے راستہ ٹٹولتا ہوا لوگوں کے ہجوم سے گزر رہا تھا۔ ایک نیل زدت
مصری کی پشت سے غریب ذرا سا ٹکرا گیا تھا کہ مصری نے اس قدر
زور اور طاقت سے اس معذور کو دھکا دیا کہ وہ بے اختیار زمین پر
گر پڑا۔ قریب تھا کہ سنگ بستہ حرم شریف کے فرش پر سر شدت سے
ٹکرا کر پھٹ جاتا اور وہ قید زندگی سے آزاد ہو جاتا۔ کہ دو چار بیٹھے
ہوئے نمازیوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ سنبھال لیا۔ غریب۔ نحیف۔
آنکھوں سے معذور بندا زار و قطار اس ظلم صریح پر رونے لگا اور بار بار اپنی بے نور
آنکھوں کو دکھلا کر کہتا تھا کہ بابا ان میں روشنی نہیں ہے۔ میرا نہیں ان معذور
آنکھوں کا قصور ہے۔ ہمارا انصاری خون اس قدر شدت سے جسم میں
کھولنے لگا کہ پسینے آ گئے۔ اگر حرم محترم نہ ہوتا تو اس فرعون مصری کی غرور
کا فی گت بنا دیتا۔ سفرنامہ ہذا کے ملاحظہ فرمانے والے محترم حضرات خدارا

آپ خود انصاف فرمائیے کہ آیا مصریوں کا جو تقریباً سو فیصدی تودہ لحمی اور فیل پیکر ہوا کرتے ہیں۔ حرم شریف میں ایسی ناشائستہ ہیمانہ حرکات کرنا آیا پسندیدہ فعل ہے۔ یا اس قابل ہے کہ ان کے علماء ان بادہ غرور طاقت جسمانی سے سرمست جاہلوں کو اچھی طرح سمجھائیں کہ وہ حجاز مقدس اور حرم شریف میں ایسی سعی حرکات کر کے اسلامی ملک مصر کو ہر جگہ بدنام نہ کریں۔ انشاء اللہ میں نہ صرف سفیر مصر بلکہ وزیر خارجہ وزیر داخلہ تمام ذمہ دار مصری حکام اور جامعہ ازہر کے پاس اس بارہ میں مفصل حالات کا گشتی خط ارسال کروں گا۔ اور پوری سعی کروں گا کہ یہ بدنما داغ اسلامی ملک کے دامن سے قطعی پاک وصاف ہو جائے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ۔

امتحانِ عبدیت ہم نے جہاں تک سمجھا ہے رُوحِ شریعت محض امتحان عبدیت ہے۔ اتباع احکام شرع سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور تقویٰ سے ہر طرح کی مشکلات دینی و دنیاوی حل ہو جاتی ہیں۔ ہر طرح اور ہر قسم کی رجس و نجاست چاہے ظاہری ہو یا باطنی بالکلیہ دُور ہو کر نجات کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ ارکان اسلام میں سب سے زیادہ اہم الاہم اور شرائط خاص

سے مشروط رکن حج ہے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے دنیاوی امتحانات میں سے ڈاکٹریٹ یا ایم۔ اے کی ڈگری ہے۔ انتہائی امتحان یا ابتدائی کئی نوع کے پرچے امیدوار کو دیے جاتے ہیں۔ کوئی پرچہ فلسفہ کا ہوتا ہے کوئی تاریخ کا اور قس علیٰ ہذا۔ اس طرح حج کے امتحان میں بھی چند خاص پرچے دیے جاتے ہیں۔ ایک پرچہ صبر و تسلیم اور رضا کا ہے کہ اس راستہ میں جو مشکلات جو موانعات جو جسمانی و روحانی شدائد پیش آئیں حاجی اس کو اس راستہ کے لوازمات میں سے سمجھ کر اس پر مجبوری سے نہیں بلکہ خوشی و خرمی سے صبر کرے اور یہ سمجھ لے کہ ہے

چاشنیٔ دردِ عشق قابلِ ہر سفلہ نیست
زہر زخواں شہاں تا مورا دہند۔

ایک پرچہ شکر کا ہے جو آرام و سہولت اور فضلِ خاص نصیب ہوا اس پر شکر کرے کہ مزید نعمائے الٰہی اس کو اس شکر سے مرحمت ہوں گے وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ ایک پرچہ ادب کا از حد اہم ہے کہ ہر مقام کا کما حقہٗ جس قدر کہ ادب ملحوظ رکھکر زیارت کی جائے گی۔ اس قدر فیضان سے بہرہ ور ہوں گے۔ اور خدانخواستہ بے ادبی یا سوئے ادبی سے رہی سہی پونجی

تلف ہونیکے علاوہ نعوذ باللہ سلب ایمان کا خطرہ ہے۔ ایک یہ چیز خدمت خلق کا ہے۔ اور خدمت خلق ہی تمام تر عبادات میں سب سے افضل اعلیٰ اور اتم عبادت اور عنداللہ بحد مقبول ہے۔ سفر حج میں جس قدر خلق اللہ کی خدمت ممکنہ کی جائے گی اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول اکرم کی بارگاہ عالی میں اسی قدر تقرب کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے تصدق سے ہر عازم حج بیت اللہ شریف اور زائر مدینہ طیبہ کو توفیق ارزانی فرمائے کہ ان امتحانات کے پرچوں میں ندامتیں تو پاس ہوجانے کے قابل نمبر ضرور حاصل کر سکے۔ آمین۔

دورِ سعودی کی برکات اور شکایات

فقیر وتا گو ایک بوریا نشین زاویہ خمول گمنامی میں مقیم سیاسیات سے الگ تھلگ رہنے والا انسان ہے اور میرا مسلک صلح کل اور میرا مشرب ہے۔

ہر حال میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ
دنیا ہی میں رہتے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

اس لئے میں نے سفر حرمین شریفین میں جو حالات بچشم خود دیکھے یا معتبر لوگوں سے سنے ہیں ان کو سفرنامہ ہذا میں درج کر دیا ہے۔ از راہ مکرمت کوئی

سیاسی مذاق رکھنے والے محترم اس کو سیاسیات کی عینک لگا کر ہرگز ملاحظہ نہ فرمائیں۔ سب سے اہم الاہم اور حد درجہ قابلِ ستائش اصلاح جو کہ روح وحدت کا مظہر ہے اور دَورِ سعودی کا میں اس کو بہترین کارنامہ سمجھتا ہوں۔ وہ حرم شریف بیت اللہ میں اور مدینہ طیبہ میں حرم نبویؐ کے اندر ایک ہی جماعت کا قائم کرنا ہے۔ سبحان اللہ ایک ہی امام کی اقتداء اور بیت اللہ شریف کے اطراف لاکھوں متعینوں کا بیک وقت نماز ادا کرنا ایک ایسا منظر جلیل الشان ہے کہ توحید کا لطف آجاتا ہے۔ اور جن خوش نصیبوں نے اس کو دیکھا ہے وہ کبھی بُھلا نہیں سکتے۔ ورنہ اس سے پہلے اہلِ سنت والجماعت کے چار مُصلّوں پر چار جا نمازیں علٰحدہ علٰحدہ ہوا کرتی تھیں۔ اب امام ایک ہی ہوتا ہے۔ اور ہر عقیدہ۔ ہر مشرب ہر مسلک اور تمام تر دنیائے اسلامیہ کے اہلِ قبلہ مسلمان مقتدی بن کر بیک وقت اس کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ صاف مشہود ہوتا ہے کہ رب البیت کا ید رحمت تمام جماعت کے سر پر سایہ فگن ہے کہ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الجَمَاعَۃِ

دوسری اصلاح احکام شرعیہ کا کامل اجراء ہے۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں چاہے وہ خود مختار ہوں یا نیم خود مختار کہیں۔ بعینہٖ احکام شرعیہ کا

کامل اجرا بجز مملکت سعودیہ عربیہ کے پایا نہیں جاتا۔ اس کی ایک مثال سارق کا ید یعنے چور کا ہاتھ کاٹنا ہے کہ کہیں کسی اسلامی ملک میں افرنجیت سے مغلوبی کے باعث قطع ید کے حکم پر عمل نہیں کیا جاتا۔ تیسری اصلاح کامل امن و امان کا قیام ہے۔ جس کی مثال صدیوں سے عرب میں ناپید تھی۔

نہ کی حکومت جو صحیح اور سچے معنوں میں خادم الحرمین الشریفین تھی۔ عربوں کی تکریم کے باعث ان کو باگ ڈور ایسی ڈھیلی چھوڑ دی تھی کہ غریب حجاج و زائرین کی جان عرب بدوؤں سے شدید خطرہ میں رہتی تھی اور لوگ اس زمانہ میں سر سے کفن باندھ کر حج کیلئے روانہ ہوا کرتے تھے۔ حکومت سعودیہ کے دور میں اب کسی بدوی کی مجال نہیں کہ بُری آنکھ سے کسی حاجی کو دیکھ بھی سکے۔ مگر اس کامل امن و امان کی قدر حجاج بہت کم کرتے ہیں۔

اس کی نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ نعمت کی قدر صرف انسان دو ہی صورتوں میں کیا کرتا ہے۔ یا تو سخت زحمت و مشقت کے بعد وہ نعمت حاصل ہوئی ہو یا خدانخواستہ ناشکری سے نعمت زائل ہو جائے کہ "قدرِ نعمت بعد زوال"۔ یہ صحیح مقولہ ہے یہ چند امور تو حکومت کے محاسن ہیں۔ مگر حجاج کو حکومت سے کچھ واجبی شکایت بھی ہے۔ پہلی شکایت یہ ہے کہ بعض

معلمی کے نام سے جدہ ہی میں دو سو روپیہ بہت زیادہ رقم لے لی جاتی ہے۔
یہ مانا کہ عرب میں اقتصادی تباہ حالی کا دور دورہ ہے۔ مگر دوسری عالمگیر جنگ کے اثرات کے باعث تمام عالم کا کوئی ملک کوئی خطہ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جو قحط عام اور اقتصادی تباہ حالی کی زد سے محفوظ رہ سکی ہو۔ ہمارا ملک ہندوستان تو پہلے ہی سے ازحد غریب و نادار ملک ہے اور اکثر اوسط طبقہ کے مسلمان ہندوستان سے حج کیلئے آیا کرتے ہیں۔ اس لئے اگر سعودی حکومت ٹیکس کم کردے تو بہت زیادہ تعداد میں حجاج آسکیں گے۔ اور اس طرح انکو مالی منفعت بھی بہت زیادہ ہوگی۔ دوسری سخت شکایت یہ ہے کہ حجاج سے مدینہ منورہ جانے کے لئے پیشگی کرایہ لاری کے نام سے مبلغ ساڑھے چھ سو ریال کی خطیر رقم وصول کرلیجاتی ہے اور جب حجاج کو اس کا علم ہوتا ہے کہ سعودی عرب کی رعایا سے ہر زمانہ میں اور دوسرے لوگوں سے ماہ ربیع الاول میں کوشان اٹھ جانیکے بعد صرف پچیس ریال کرایہ آمد و رفت جو کہ واقعی واجبی ہے وصول کیا جاتا ہے تو حجاج کے غم و غصہ کی حد نہیں رہتی۔ اولاً جب کہ اونٹ کی بجائے موٹر پر مدینہ منورہ آمد و رفت جاری ہوئی تھی تو یہ قاعدہ تھا کہ کم از کم پانچ چھ لاریاں قافلہ بنا کر روانہ کی جاتی تھیں اور ایک

موٹر میں علیحدہ فالتو پرزے ٹائر کی اصلاح کا سامان وغیرہ رہتا تھا۔
تاکہ راستہ میں کوئی موٹر خراب ہو جائے تو فوری اصلاح کر لی جاسکے۔ مگر اب
ایسا نہیں کیا جاتا اور راستہ میں موٹر خراب ہو کر گھنٹوں اور بعض اوقات
دنوں کبھی آتی جاتی۔ موٹر پر اپنا آدمی منزل سے امداد لانے روانہ کرنے کے لئے
پڑی رہتی ہیں۔ حکومت ضرور قافلہ کی صورت میں لاریاں روانہ کرنے کا
بندوبست کرے۔ اور موٹر کے فالتو پرزے اصلاح کرنے کے سامان کے
علاوہ زخمیوں کی مرہم پٹی کا ضروری سامان اور ایک ابتدائی مدد جراحی
کا کام جاننے والا آدمی قافلہ کے ساتھ رکھا کرے تو بڑی سہولت ہوگی۔
سنا جاتا ہے کہ امریکن کمپنی جو مملکت سعودیہ عربیہ سے اس قدر کثیر مقدار میں
پیٹرول نکال رہی ہے کہ وہی پیٹرول مشرق وسطیٰ میں کام آرہا ہے۔ اور اندازہ
کیا جارہا ہے کہ عرب کے تیل کے چشمے ایران کے چشموں سے کم از کم پانچ گنا
بڑے ہیں۔ کمپنی روزانہ ایک لاکھ روپیہ کی رقم حکومت سعودیہ کو بطور حق مالکانہ
دے رہی ہے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں پیٹرول اس قدر سستا ہے کہ
چار پانچ ریال میں بارہ گیلن کا پیپا مل جاتا ہے۔ پہلے پہل یہ عذر کیا جاتا
تھا کہ حکومت کو بجز حجاج سے وصول کرنے کے اور کوئی آمدنی کسی قسم کی نہیں ہے

اس لئے وہ مجبور ہے کہ اپنے کثیر اخراجات کی پابجائی حجاج سے ٹیکس وصول کر کے پوری کرے۔ مگر جب کہ پٹرول جیسی بیش بہا چیز حجاز میں برآمد ہو رہی ہے تو اب حکومت کا یہ عذر۔ عذر لنگ سے زیادہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اقتصادیات کے نقطۂ خیال سے جس قدر نفع کم لیا جائے اسی قدر گاہک بڑھتے ہیں۔ اور آمدنی میں توفیر ہوتی ہے۔ بہر حال یہ گدائے بینوا کلب کوئے نبویؐ خسروشاہ عزمِ صمیم رکھتا ہے کہ بے اثر اور بیکار سہی اپنی ناتوان آواز اسبارہ میں ضرور بلند کریگا اور جس طرح بھی ممکن ہوگا حکومت عربیہ سعودیہ کو ان امور کی طرف متوجہ کرے گا۔ چوتھی شکایت جو ہر ہندوستانی حاجی کی زبان پر عام ہے وہ ایسی ہے کہ حکومت ہند اور حکومت سعودیہ کو اس کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ اور سمجھوتہ کر لینا اشد ضروری ہے۔ وہ شکایت ہندوستانی سکہ کی بے قدری اور اُس پر حد سے زیادہ کٹوتی کا عاید کر دینا ہے کہ سال گزشتہ صرف فیصدی گیارہ روپیہ کم کر کے عربی سکہ ریال مبادلہ میں دیا جا رہا تھا۔ اس سال چونکہ نسبتاً حاجی ہندوستان سے زائد آ گئے۔ اس لئے شرح مبادلہ بھی فیصدی گیارہ سے بڑھکر ساڑھے تیرہ اور چودہ تک ہو گئی۔ روز انہ گویا سٹہ بازی ہو کر ریال کا بھاؤ گرنا اور چڑھنا تھا۔ اولاً جب کہ ہم لوگ جدہ میں اترے تھے تو

ہندوستانی سکہ اور ریال کا بھاؤ مساوی تھا۔ سو روپیہ کا نوٹ دینے پر سو
ریال پورے ملتے تھے۔ اور اوائل ذی الحجہ میں حج کے قریب ساڑھے تیرہ اور
چودہ فیصدی کم ہو کر ملنے لگا۔ اور تحریر ہذا کے وقت تک جبکہ محرم ۱۳۶۵ھ
کی پانچ تاریخ ہے بھاؤ بارہ روپیہ کم فیصدی ہے۔ اس سے بھی زیادہ نقصان
دہ ریال یعنے عربی روپیہ کے مبادلہ میں چھوٹے سکے لینے میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی
چیز بازار سے خرید کیجائے تو ایک ریال کے بائیس قرش لئے جاتے ہیں۔ اور
اگر وہی ریال صراف کے یہاں دے کر قرش لیا جائے تو دو کم کرکے بیس قرش
ملتے ہیں۔ چھوٹا سکہ حلالہ ہے جو ایک قرش کا چوتھائی ہوا کرتا ہے۔ حساب سے
جب کہ حلالہ قرش کا چوتھائی ہے تو ایک ریال کے اسّی ملنا چاہیے۔ مگر آپ
کو تعجب ہوگا کہ عربی صراف ایک ریال کے صرف چالیس حلالہ دیا کرتے تھے
اوسط طبقہ کے حجاج زیادہ تر حلالہ سے خیرات کیا کرتے ہیں۔ اس اُلٹ
پھیر میں حلالہ تبانے کے بعد ہندوستانی سکہ گویا پچاس فیصدی گھٹ جاتا ہے
خیال فرمائیے کہ روپیہ کی قیمت جب پچاس فیصدی گھٹ جائے تو اس کا کیفدر
بار غریب حاجیوں پر پڑے گا اور نہ معلوم کتنے لاکھ روپیہ کا ہیر پھیر ہو چکا ہوگا
ہندوستانی سکے کی یہ بے قدری معمولی نہیں۔ بلکہ ایسے اشد ضروری اُموریں سے ہے

کہ جن کا حل کرنا حکومت ہند کیلئے بعجلت ممکنہ لوازمات میں سے ہے۔

حجاز کی منزل آخری

از مکۂ معظمہ تا مدینۂ منورہ

برادر معظم حکیم عبدالقادر صاحب انصاری کو ملک الحجاز و سلطان نجد عبدالعزیز ابن سعود نے بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ یاد فرما کر اپنی اور اپنے محلات کی نبض دکھلائی۔ دوا میں تغیر کرنے فرمایا اور مدینہ منورہ جانے کے لئے لاری کی اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ ۲۵ ذی الحجہ کے دن سامان کے حمل و نقل کی ایک لاری وی ایٹ فورڈ بغیر چھت کی آگئی۔ تمام قدیم و جدید لاریاں مصری حجاج کو لیکر مدینہ منورہ چلی گئی تھیں۔ اس لئے وزیر صاحب مالیہ عبداللہ سلیمان صاحب نے اپنے ذاتی سامان کی لاری عطا کی۔ غنیمت سمجھا گیا اس لئے کہ اگر مدینہ طیبہ سے اچھی لاریوں کا انتظار کیا جاتا تو کم از کم ہفتہ عشرہ اس میں اور لگ جاتا۔ ایک دن لاری کو کینوس کا چھت ڈالنے اور عارضی سیڑھی تیار کرنے میں لگا۔ بروز شنبہ مطابق یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو ہم لوگوں نے تہجد کے وقت طواف وداع سے فراغت کی۔ اور خانہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے

اُٹھے پیر باب الوداع تک آکر وہاں قریب کھڑی ہوئی لاری میں سوار ہو گئے سامان کے صندوقوں پر بستر لگا دیئے گئے تھے۔ سامان کی کثرت سے لاری پٹی ہوئی تھی چیونٹوں کی طرح سب ہم سفر بیٹھ گئے اور رات کے پچھلے پہر مکہ معظمہ سے جدہ روانہ ہو گئے۔ صبح کی نماز لاری میں سب نے اشارہ سے ادا کی۔ عربی وقت کے دو بجے اور ہندوستانی وقت کے آٹھ بجے صبح جدہ اپنے وکیل صالح بسیونی کے مکان پر پہونچے۔ وہاں والدہ ماجدہ کا کچھ سامان رکھا تھا اسکو لاری میں منتقل کیا گیا۔ صالح بسیونی صاحب نے بہت پر تکلف ناشتہ کروایا۔ گیارہ بجے دن کو جدہ سے روانہ ہوئے۔ پٹرول کے ذخیرہ پر حکومت کے پروانہ سے رابغ تک کیلئے بھروایا گیا اور مدینہ طیبہ کی کچی سڑک پر لاری روانہ ہوئی۔

"چل مدینہ کی طرف چل تجھے چلتے ہیں چل"

وردِ زبان تھا اور دل تڑپ رہا تھا۔ رابغ سے پہلے ایک منزل پر لاری روک کر حوائج اور نماز ظہر سے سب لوگ فارغ ہو گئے۔ اس منزل سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر سمندر موجیں مار رہا تھا اور ہوٹل میں تازہ تازہ نہایت فربہ مچھلیاں روغن زیتون میں تلی ہوئی حاجیوں کو لذت کام و دہن بہم پہنچا رہی تھی۔ مغرب سے پہلے رابغ میں پٹرول دوبارہ بھروا کر لاری جلدی۔ لاری کا

سرکاری ڈرائیور حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہم قوم حبشی ہے اور اپنے کام میں مہارت کلی رکھتا ہے۔ ہم نے اس کا نام شمامۃ العنبر رکھدیا۔ درحقیقت اس کا نام علی تھا۔ رابغ کے بعد بیر حسان تک کی منزل ڈیڑھ سو میل کی منازل مدینہ طیبہ میں سب سے زیادہ سخت منزل اس لئے ہے کہ پر صحرا اور ریگستان ہے۔ ایسی نرم بالو ہے کہ موٹر کے پہئے تقریباً دو ثلث سے زائد بالو میں دھنس جاتے ہیں۔ اس بالو سے بہ سہولت دھنسے اور پھنسے بغیر موٹر نکال لیجانا بہت ماہر ڈرائیور کا کام ہے۔ شاذ ونادر کوئی موٹر اٹکے بغیر اس کڑی منزل سے جو ڈیڑھ سو میل لمبی ہے نکل سکتی ہے مگر شمامۃ العنبر نے کمال کر دکھلایا اور موٹر کو ایک جگہ بھی اٹکنا یا رکنا نہیں پڑا۔ یہ بھی مالک ذوالجلال کا فضل اور رسول اکرم ﷺ کی رحمت خاص کا ظہور ہے جدہ سے روانگی کے وقت احتمال تھا کہ شاید دھوپ کی شدت کو کیا تو بس کی چھت نہ روک سکیگی اور ضرور تمازت کی اذیت پہونچے گی۔ مگر مدینہ پاک کی سڑک پر لاری آتے ہی ایسی تیز و تند مگر از حد خوشگوار ہوا طوفانی انداز سے چلنے لگی کہ ابر چھا گیا دھوپ غائب ہوگئی اور ہوا کی شدت نے کیا اس کی چھت کے پرخچے اڑا دیئے۔ ارادہ تھا کہ بیر حسان پہونچکر

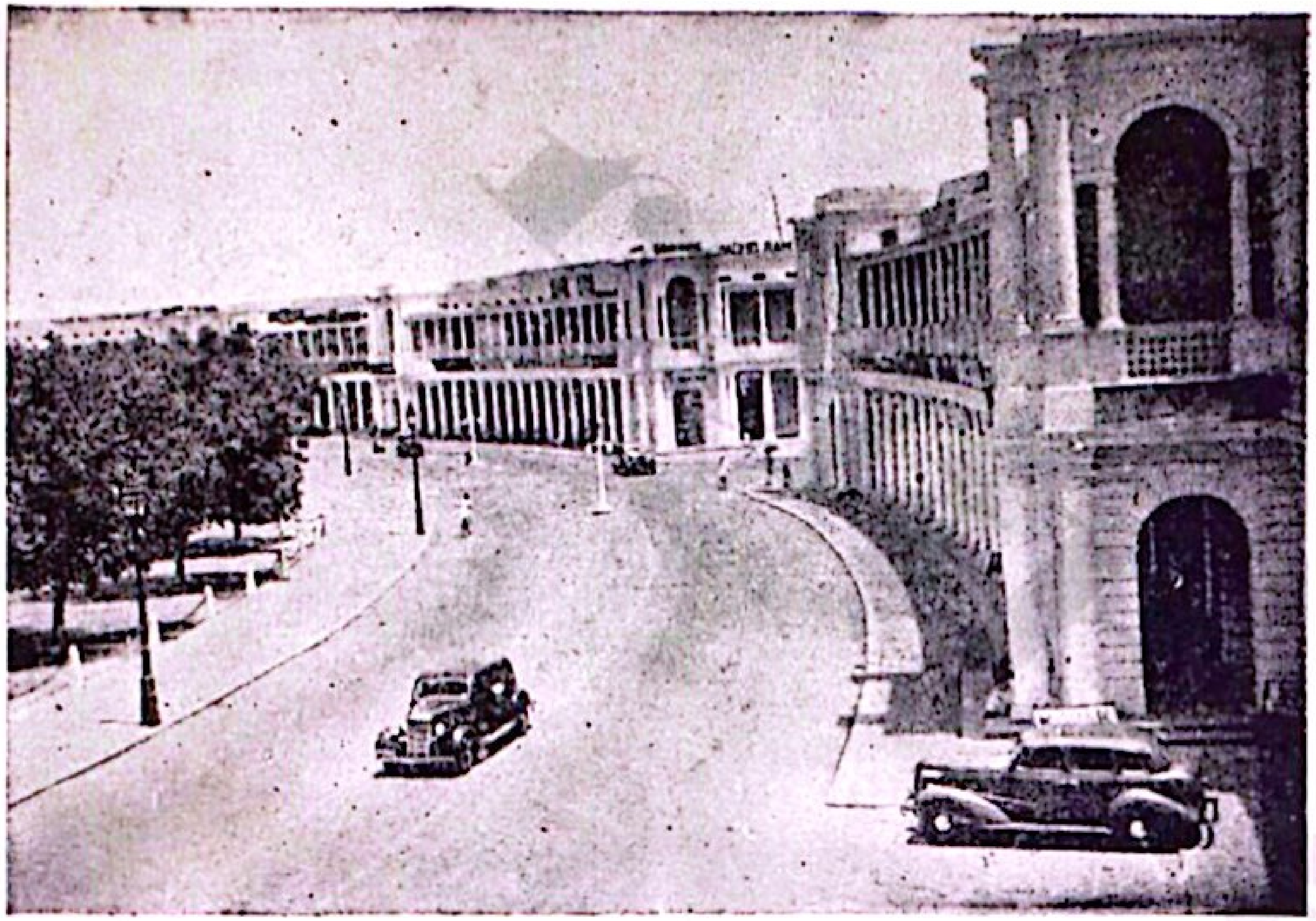
منزل کی جائیگی۔ مگر رات کے گیارہ بج جانے سے بیر حسان سے ادھر کی ایک منزل اور رک گئے۔ ہوٹل کے چھپر میں گیاس لیمپ جگمگا رہے تھے۔ پچاس ساٹھ عربی کرسیاں جو رات کو پلنگ کا کام دیتی ہیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور دو قافلے مصریوں کے ٹھیرے ہوئے تھے۔ سردی خوب چمک رہی تھی۔ والدہ ماجدہ اور زنانی سواریوں نے تولاری میں استراحت کی اور سردی کے باعث برّاد پر برّاد یہ سمجھ کر کہ یہ بھی مکہ معظمہ کا علاقہ ہے۔ چائے اڑائی گئی۔ مگر صبح یہ چائے نوشی خوب رنگ لائی۔ اور رنگ رخ اڑ سا گیا۔ جب پتہ چلا کہ ہوٹل کے چھپر والے کہوہ جی یا ہوٹل طائفہ دزدانی عرب میں سے ہیں اور انہوں نے فی برّاد دو ریال قیمت لگائی۔ حالانکہ عام نرخ کے اعتبار سے ایک ریال میں تین برّاد ملا کرتے ہیں۔ برّاد چھوٹا چائے دان ہوا کرتا ہے۔ جس میں تین چار فنجان چائے ہوتی ہے۔ اس پر بھی مستزاد شب باش ہونے کا کرایہ فی کس دو ریال وصول کیا۔ پھر درویش بر جانِ درویش۔ یہ سمجھ کر جملہ تین ریال ادا کر دیئے گئے کہ یہ وہاں ٹھیرنے کی فیس ہے۔ رات ہمارے ہمسفر رفیق تو آرام سے خراٹے بھرنے لگے ہم کو تمام شب مطلق نیند نہ آئی۔ اسلئے کہ مکہ معظمہ میں ایک ابوالہول مصری نے حالت طواف میں اپنے بوٹ کی

ایڑی سے کچل کر ہمارے داہنے پیر کی پشت پر زخم ڈال دیا تھا۔ بے احتیاطی اور لاپرواہی سے اس میں زہر پڑ گیا اور وہ زہر جابجا لگ کر چھ سات بڑے دردناک پھوڑے پیدا ہو گئے۔ مسافرت کے باعث کوئی علاج نہ ہونے، گرد وغبار جذب کرنے اور لاری میں کچلے جانے سے ان پھوڑوں میں سمیت پیدا ہو کر ازحد ٹیس ٹیک اور درد پیدا ہو گیا۔ مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد جب تمام تدابیر اختیار کی گئیں تو بتدریج اندمال ہو سکا۔ ورنہ تقریباً دو ہفتے سے زیادہ تک چلنے پھرنے میں ازحد تکلیف ہوتی اور نماز میں قیام کے وقت اور قعدہ کے وقت بہت درد اور اذیت ہوا کرتی تھی۔ اگرچہ کہ اس جسمانی اذیت نے قلبی و روحانی راحت بہم پہونچائی اور اسی مرض نے مسیحائی اصلی روح حبیب الکونین کے مبارک ومحترم قدموں تک غلامان غلام کو نہ صرف پہونچا دیا بلکہ غلام نوازیوں کی انتہا ہو گئی کہ پرسش احوال اپنے ایک ذلیل ترین ناکارہ امتی کی فرمائی گئی۔ بار روحنا فداہ۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔

آمدم برسر مطلب۔ صبح اس منزل سے چلے اور بیر حسان سے گزرتے ہی پتھریلی اور سنگلاخ سڑک پر آئے۔ سڑک تو اس کو کوئی نہیں کہہ سکتا البتہ کثرت سے لاریوں کے چلنے سے کچھ نشان سے بن گئے ہیں۔

دو ٹرک کا کام دیتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی جدہ سے سرزمین پاک طیبہ
مدینہ منورہ پہنچنے تک ٹرک کی جو حالت دیکھی گئی اس سے یہ ایمان راسخ
ہوگیا کہ محض میرے سرکار کا معجزہ اور کشش باطنی اور تصرف خاص ہے کہ لاریاں
اور اس کے مسافر بہ سلامتی پہنچ جاتے ہیں ورنہ بظاہر لاریوں کے تو ان سڑکوں
پہ جو انتہائی تنگ۔ لائق ہیں پرخچے اڑ جاتے اور جوڑ جوڑ الگ ہوجانے چاہیئے
منزل بیر حسان سے مدینہ منورہ تک تمام راستے ازحد مفلوک الحال، نیم برہنہ
بھوک کے مارے ہوئے ہر عمر کے بدو مرد عورت بھیک مانگتے نظر آتے
تھے۔ جن میں بعض چار چار سال کے ننگے بچے بھی تھے۔ کپڑے کے تھان جو کراچی
اور مکہ معظمہ میں لیکر چار چار گز کے ٹکڑے بنا کر ہر ٹکڑے میں دو دو ریال باندھے
گئے تھے۔ راستہ بھر ان غربا کیلئے چلتی موٹریں سے پھینکے جاتے رہے۔ اور
ہمراہی رفیق ٹرک کے دونوں طرف قرش کی گویا بارش ہی کرتے رہے۔ بدو
خاموشی سے کپڑے اور قرش وغیرہ اٹھا لیتے تھے۔ مگر ایک بدو عورت کو
کپڑا ملتے ہی بے اختیارانہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے دعا دی۔ اور ایک
نیم برہنہ بدو کو کپڑا ہاتھ آتے ہی وہ خوشی سے ناچنے لگا اور دوڑتی موٹریں
سے دور تک نظر آتا رہا کہ وہ ناچ رہا ہے۔ اس کی اس حرکت سے دل پر

طیبہ منزل کناٹ پلیس نئی دہلی



علامہ لقمان الملک حکیم نابینا صاحب کے جامعہ طبی مدینہ منورہ کے لئے وقف کردہ
اڑھائی لاکھ روپئے کی جائداد جسکا افتتاح حضرت اقدس و اعلیٰ نے فرمایا تھا

اس قدر زیادہ اثر ہوا کہ جس کی حد نہیں۔ اور جی چاہا کہ جسم کے کپڑے بھی اتار کر ان غریبوں کو دے ڈالیں۔ اللہ اکبر اس غریب قوم مسلم کے افلاس کی یہ حد ہو چکی کہ آج اس کے نام لیوا ذرا سے کپڑے کا ٹکڑا ملنے پر بے اختیارانہ حرکات کرتے ہیں۔ اللھم ارحم علی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت والد ماجد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی موقوفہ جائداد طیبہ منزل دہلی کی جمع شدہ رقم میں سے مبلغ ۲۸ ہزار روپیہ اسی غرض سے لائے گئے تھے کہ حرمین شریفین کے مستحقین کو دیدیں۔

بہر حال عصر سے پہلے مدینہ طیبہ کے دروازہ پر لاری ہو چکی۔ طوفان گریہ امنڈ آیا۔ اللہ اللہ یہی وہ منزل ہے جو کشاں کشاں جسم زار و نزار کو کھینچکر سرزمین حجاز لے آئی ہے۔ اسی پاک سرزمین طیبہ پر سر کے بل چلنے کی آرزو ایک مدت دراز سے دل میں درد بن کر جاگزیں ہو رہی تھی۔ اسی خطۂ رشک فردوس میں سانس لینے کی تمنا سانس کی آمد و شد کے ساتھ پرورش پا رہی تھی۔ وہ لوگ بے اختیار شوق میں کبھی حضرت جامیؒ کا یہ شعر ورد زبان تھا

کے شود یارب کہ او در یثرب و بطحی کنم
گہ بہ مکہ سر زنم گہ در مدینہ جا کنم

آرزوئے جنتِ معلیٰ بروں کردم زسر

گہ بہ بابِ جبرئیلؑ از شوق واویلا کنم

گاہے اپنے سرکار سلطان السلاطین سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کا یہ مبارک شعر گھنٹوں مصروف تواجد رکھتا۔ ؎

صبا بہ سوئے مدینہ روکن

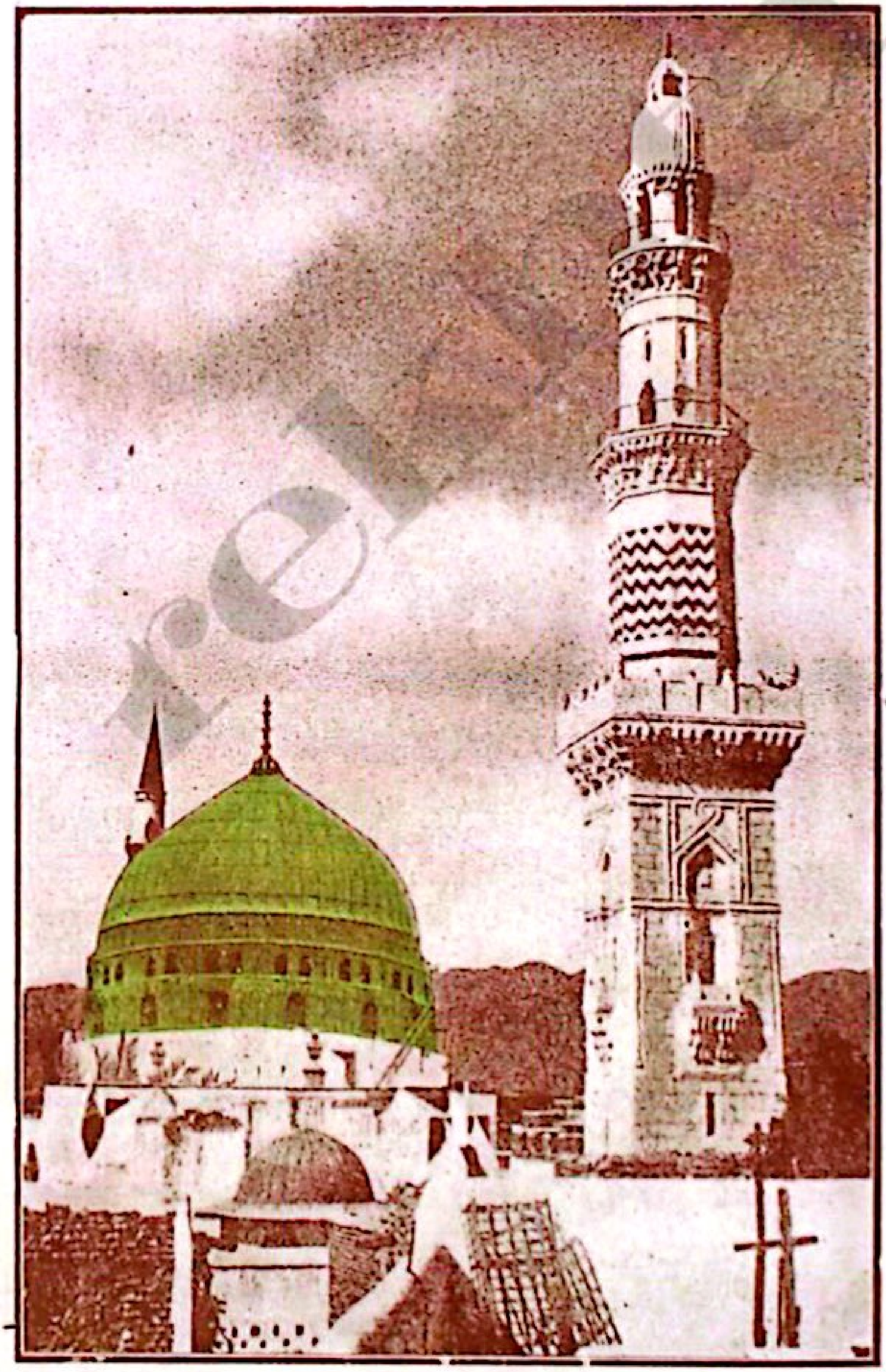
ازیں دعاگو پیام برخواں

بگرد شاہِ رسلؐ بہ گردد

بصد تضرع سلام برخواں

لاری مدینہ طیبہ کے دروازہ سے اندر داخل ہوئی اور حضرت شیخ المشائخ مدینہ طیبہ سید حمزہ صاحب رفاعی کے دولت خانہ پر پہونچے۔ حضرت کے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ حضرت سید احمد رفاعی صاحب مدظلہٗ ہم لوگوں کے استقبال کے لئے سڑک پر تشریف فرما تھے۔ کمال محبت سے حضرت نے معانقہ فرمایا۔ حضرت سے فقیر دعاگو کو تقریباً چوبیس سال سے نیاز حاصل ہے جب کہ ہم بمبئی میں ۱۹۲۱ء میں حضرت والد ماجد قبلہ کے ہمراہ تجربہ عملی حاصل کر رہے تھے تو حضرت سید احمد صاحب نے مدینہ منورہ سے اپنے والد ماجد قبلہ

مدینہ پاک میں رسول اللہ کی آرام گاہ



کی طرف سے خاندان عالیہ رفاعیہ کا ہم کو خلافت نامہ لاکر مرحمت فرمایا تھا
سُبحان اللہ کمال حُسن وخلق اور مہمان نوازی میں سادات گرامی کا کامل
واکمل نمونہ ہیں۔ دوڑ دوڑ کر ہمارا سامان کندھوں اور سر پر اٹھا لینے کی
کوشش فرمارہے تھے۔ بڑی منت وسماجت سے اس حرکت سے باز رکھا
گیا۔ جس وقت ہم کو یہ علم ہوا تو ہماری حالت غیر ہو گئی کہ بڑے حضرت قبلہ
شیخ المشائخ سید حمزہ صاحب کی طرف سے حکماً ہم کو قیام کے لئے ایسی مبارک
ومحترم جگہ ملی ہے کہ جس کی عتبہ بوسی کو بہائے زندگی کہا جائے تو کم ہے۔
جس کی خاک پاک توطیائے چشم ہمارے ہے۔ یعنے خاص مولد حسنین علیہم الصلوٰۃ
ترکی حکومت میں بعہد سلطان عبدالمجید خاں صاحب اس مقام پر گنبد بنا
دیا گیا تھا۔ اور حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا محترم
بیت پاک اور مولد حسنینؑ حضرت شیخ المشائخ صاحب کو مع ایک سہ منزلہ
عظیم الشان حکومت کے تعمیر کردہ رہائشی مکان کے عطا کر دیا گیا ہے۔
اِس لئے کہ سلطان عبدالمجید خان اور سلطان عبدالحمید خاں ہر دو حضرت
کے خاص مرید تھے۔ ہم پر اس سرفرازی سے جو کیفیت گزری۔ جو رقت
وتواجد ہم پہونچا وہ کیا بیان کریں۔ اس مبارک مکان کے دہلیز کی خاک پاک

پیشانی سے لگائی اور یہ سمجھا کہ پنجتن پاک کی کمال محبت والفت اور فدا کاری کے طفیل ہم کو یہ سرفرازی میسر ہوئی ہے۔ برادر معظم اور اُن کے زنانہ کے لئے اس مقام سے کافی ہٹا ہوا دوسرا آرام دہ کمرہ قیام کے لئے دیا گیا۔

جلد جلد سامان رکھوا کر وضو کر کے لباس بدل کر باب النساء کی طرف سے مغرب سے ذرا ہی پہلے اس جگہ جیتے جی داخلہ نصیب ہوا جو حقیقت زمین پر مہر اعتبار سے ہر نقطۂ نظر ہر جہت سے خطۂ فردوس بریں ہے جو واقعی جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم میں قدم رکھتے ہی ایسا منظر چشم ناسوتی ظاہری کو نظر آیا جو وہم وخیال و تصور سے بھی برتر تھا۔ اس کے کمال احترام اور تقدس کے علاوہ چشم ظاہر کے لئے بھی تمام روئے زمین پر مسجد نبوی سے زیادہ حسین و جمیل مسجد کہیں کسی جگہ موجود نہیں ہے۔ سلطان عبدالمجید خان صاحب نے تقریباً اکیس کروڑ روپیہ کی رقم خطیر صرف کر کے اعلیٰ ترین ماہر انجنیروں حُسن کاروں اور صناعوں سے اس کی تعمیر کروائی ہے مسجد پاک کے بیشمار سنگین ستون جن پر عربی کمانیں قائم ہیں ان کا غیر معمولی



ارتفاع حجم اور ضخامت دیکھکر عقل فرطِ حیرت میں غرق ہو جاتی ہے کہ ایسے
عظیم الشان غیر معمولی سنگین ستون کہاں تراشے گئے اور کیسے دستیاب ہوئے
ہوں گے۔ معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ مسجد مبارک کا نقشہ بن جانے کے بعد شیخ الاغواط
خادم خاص کو سرکار عالم و عالمیان نے ارشاد فرمایا کہ فلاں پہاڑ کے غار میں
تیار ستون تراشے ہوئے رکھے ہیں وہاں سے حاصل کرلئے جائیں۔ چنانچہ
شیخ الاغواط کی نشاندہی پر اس غار میں جتنے ستون تعمیر کے لئے درکار تھے۔
اتنی ہی تعداد میں تراشے ترشائے مکمل حالت میں پائے گئے۔ اور وہاں سے
لاکر مسجد نبوی صلوٰۃ اللہ علیہ میں لگوائے گئے۔ تمام ستون اور پوری مسجد میں
گہرا مرجانی آئیل پینٹ کا اس قدر خوبصورت رنگ ہے کہ نظر اس کے
حسن کو دیکھکر ہٹنا نہیں چاہتی۔ سنگین ستونوں کے نچلے حصہ میں چالیس چالیس
من کے وزنی پیتلی حلقے پڑے ہوئے ہیں اور اوپری حصوں میں جابجا نہایت
گہرا سنہری رنگ ہے۔ معلوم ہوا کہ ترکوں کے زمانہ کا رنگ کچھ ہلکا پڑ گیا
تھا۔ اور نواب صاحب بہاولپور نے جلالت الملک سے خاص اجازت
لے کر تین سال قبل بعینہٖ ترکوں کے زمانہ کے جیسا جاذب نظر رنگ از سر نو
کروا دیا ہے۔ البتہ گنبدوں میں جو رنگ۔ اور کلام مجید کی آیات لکھی ہوئی ہیں

وہ قدیم زمانہ کی بجائی ہیں۔ سنا گیا ہے کہ حرم نبوی کے تمام گنبدوں میں زریں کلام مجید نہایت خوشنما خطِ نسخ میں لکھے ہوئے ہیں۔ سمت قبلہ میں سُرخ زمین پر سنہری اُبھرے ہوئے حروف میں بھی خوشنما آیات کلام مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارک طلائی رنگ میں لکھے ہوئے ہیں۔ مگر امتداد زمانہ سے سُرخ زمین اور طلائی رنگ کچھ ماند ہو گیا ہے سمت قبلہ میں جو جنوب کی طرف ہے رنگین شیشوں کے دریچہ حسین و جمیل دریچے بنے ہوئے ہیں۔ اور دن کے وقت جب روشنی ان میں سے گزرتی ہے تو بہت ہی جمیل منظر نظر آتا ہے۔

بہرحال تذکرہ پہلی بار داخلۂ حرم پاک کا تھا اسی ضمن میں بے اختیار مسجد نبوی کے حسن و جمال کا ازحد سرسری خاکہ پیش کر دیا گیا۔ داخلہ کے بعد عجیب حالت عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ عقل و حواس و ہوش سب سلب تھے۔ نیم غشی کی حالت طاری تھی۔ دل تھرا رہا تھا۔ کلیجہ منہ کو آ رہا تھا زیادہ تر زبان پر اَرْوَاحُنَا فِدَاكَ يَا رَسُوْلَ اللہ جاری تھا۔ کبھی کبھی اخی روحی حضرت۔ آنکھوں کی ندی بہہ رہی تھی۔ زور زور سے گریہ جاری تھی۔ صحن مسجد کے قریب بالکل بائیں جانب ایک ستون کے

پاس بیٹھ گئے تھے۔ اور جالی روضۂ اطہر پر جب نظر جاتی تھی۔ عجب حالت طاری ہوتی تھی۔ نماز مغرب کے ادا کرنے کے بعد محترم الاخوان حکیم شمس عبدالقادر صاحب کے ہمراہ ہمارے مزدور و وکیل حیدر صاحب کو ساتھ لے کر ہجوم میں سے گزرتے ہوئے آخر کار مواجہ اقدس میں پہونچ گئے۔ جی چاہتا تھا کہ بار بار کہیں ارے کوئی تھاما ذرا آنکھ سے کیسے چل سکتے ہیں اللہ اللہ مجھ سیاہ کار گنہگار، سگِ کوئی نبویؐ غلام غلاماں کی یہ رسائی کہ آج اس سرکار کے حضور میں لے جایا جا رہا ہے۔ جس کے نام پاک پہ عمر بھر تصدق و قربان ہوتا رہا۔ اس کے سامنے جا رہا ہے جو جسدِ کونین کی روح ہیں۔ جو بالمومنین رؤف الرحیم ہیں۔ اُن کے ملاحظہ میں آج ایک کمترین غلام ایک ادنیٰ ترین امتی پیش کیا جا رہا ہے۔ جن کا ارشاد ہے کہ جو امتی میری زیارت کیلئے میرے بعد آئے گا۔ اُس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی اور میری شفاعت اس کیلئے واجب ہو گئی۔ اللہ اللہ میری کیا بساط۔ میری کیا مجال۔ کس منہ سے سامنے جاؤں۔ کیونکر سامنا کروں۔ میرے پاس تو سوائے زنگ آلودہ دل جس کا سدِ گناہ انبار در انبار خرد ار در خرد ار لغزشوں اور خطاؤں کے اور کیا دھرا ہے۔

کیا کروں، کیسے سامنا کروں۔ کیا تحفہ میرے پاس ہے جس کو نذر گزران سکوں۔ سوائے ایک اُنکی فداکارانہ محبت و والہانہ جذبۂ عشق و محبت کے۔ اسی پس و پیش جیس بیس میں کشاں کشاں، بازو پکڑے ہوئے وکیل صاحب نے مواجہ اقدس کی جالی کے سامنے کھڑا ہی کر دیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں۔ حواس تو پہلے ہی سے گم تھے اب اس میں اور زیادتی ہو گئی۔ خواب کی سی حالت میں صلواۃ و سلام پڑھوایا۔ پڑھ دیا۔ مگر اس وقت اور اس موقعہ پر کوئی حضوری میسر نہ ہو سکی۔ وہاں سے ریاض الجنۃ کے مقام پر آ گئے اور ٹھہر گئے۔ نمازِ عشاء کی رکعت اول میں اس قدر شدید قلبی دورہ پڑا کہ قریب تھا حرکتِ قلب رُک جاتی۔ مگر موت تو زندگی کی خود محافظ ہے اور وقتِ معینہ سے ایک لحظہ قبل ممکن نہیں کہ کوئی جامۂ ہستی کو اتار سکے۔ اس لئے بچ گئے۔

جائے قیام پر واپس آنے کے بعد حضرت سید احمدؒ صاحب رفاعی نے مکان کی دوسری منزل ہی پر پُر تکلف دعوت کھلائی۔ مرغ پلاؤ اور بہت ہی نفیس زردہ تھا۔ جس میں یہ جدت دیکھی کہ استنبول کا عطر گلاب ڈالنے سے از حد معطر ہو گیا تھا۔ طعام سے فراغت کے بعد بڑے

حضرت قبلہ شیخ المشائخ مدینہ منورہ حضرت سید حمزہ صاحب مدظلہ العالی نے تیسری منزل پر یاد فرمایا۔ زہے قسمت۔ زہے بلندی طالع کہ آج عالم اسلام کی شاید سب سے معمر ترین ہستی شمس ضو فشاں روحانی سے شرف تلاقی و لقاء حاصل ہوسکا۔ حضرت نے التفات خاص سے نوازا۔ معانقہ فرمایا۔ باصرار تمام اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ دیر تک شرف تکلم عطا فرمایا۔ پھر چائے پلا کر رخصت فرمادیا۔

معراج زندگی جیسے کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے مصری حضرات کی کرمفرمائی سے داہنے پیر کی پشت پر حالتِ طواف میں بوٹ سے کچلے جانے کی وجہ سے زخم پڑگیا تھا جس میں ریم ہوگئی اور وہ جابجا لگ کر چھ سات نہایت اذیت دہ پھوڑے ہوگئے۔ مسافرت میں کوئی علاج نہ ہونے گرد و غبار جذب کرنے اور لاری میں کچلے جانے سے ان پھوڑوں میں سمیت پیدا ہوکر ازحد ٹیس ٹپک اور ورم پیدا ہوگیا نماز میں قیام اور قعدہ میں ازحد تکلیف ہوتی تھی۔ چلنا پھرنا مشکل تھا۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ دوشنبہ عصر کے بعد ہم لوگ مدینہ طیبہ پہونچے تھے۔ دوسرے دن ۲۹ ذی الحجہ منگل کے روز پانچوں نمازیں حرم شریف مسجد نبوی میں

ادا کی گئیں مگر سرکار کی طرف سے یاد نہیں ہوئی ۔ اس لئے مواجہ اقدس میں حاضری کی جراءت بھی نہیں کی اور صُفّے پر اپنا ٹھکانہ ایک گوشہ میں بنا کر سوائے ضروریات کے لئے جائے قیام پر تھوڑی دیر کے لئے آ بیٹھے صبح سے عشا تک ٹھہرے رہے نجت نارسا کی زبونی حسبِ حال رہی ۔ روئے ۔ گڑگڑائے بار بار معروضہ بادب تمام پیش کرتے رہے ۔ مگر پورا دن ایسی ہی محرومی میں گزر گیا ۔ یقیناً دل کی مکمل شکستگی میں کوئی کسر رہ گئی تھی ۔ اور نا مکمل چیز بھلا کامل واکمل دربارِ عالی میں کیسے شرفِ قبولیت حاصل کرتی ۔ بقول حضرت امجدؒ ۔ ؎

بنتی ہی نہیں ہے کوئی صورت
جبتک اچھی طرح نہ بگڑے
ہوتا نہیں جوشِ بحرِ رحمت
جبتک کوئی ایڑیاں نہ رگڑے

رات کا بڑا حصہ کچھ تو پیر کے زخموں کے درد اور اس سے بھی زیادہ دردِ دل کی ٹیس اور خفیہ آہ و بکا کی شدت سے جاگتے

گزرا۔ چہار شنبہ کا دن ہماری کامرانی و کامیابی کو لیکر طلوع ہوا نماز صبح صُفہ پر ادا کر کے معمولات پڑھ رہے تھے۔ بھیڑ کم ہو گئی تھی بہت کم لوگ صُفہ پر اس وقت موجود تھے کہ یکایک صُفہ کے سامنے کی مبارک سبز جالی کے اندر میرے سرکارِ عالم و عالمیان بنفسِ نفیس تشریف فرما نظر آئے اور میرے خلوت کدہ دل کی شب تار میں شمع شبستانی کا اجالا ہو گیا اور مدینہ کا بدر کامل چمکنے لگا۔

قلب فسردہ کھل گیا حاصل عمر مل گیا
پیشِ ہے اُن کی خاکِ پا میرے سرِ نیاز سے

اس روئے انور و اقدس نے نظر ظاہری کے روبرو اس طرح صاف صاف زندگی میں تیسری بار بیداری اور جاگتے میں اپنے دیدار پُر انوار سے مشرف فرمایا کہ جسم کا ہر ذرہ وجود لمعات انوار سے جگمگا گیا۔ شباہت مرشد پاک حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مدظلہٗ سے بہت ملتی جلتی تھی۔

تو جانِ پاکی سر بسر نے زآب خاک اے نازنین
واللہ زجانِ ہم خوبتر دحی فداک اے نازنین ـــــ اور

اِترائیں نگاہیں جو بڑھیں سوئے محمدؐ
دِل ٹوٹ گیا دیکھ کے ابروئے محمدؐ

اللہ اکبر دُر دہادادی و درمان نیز ہم۔ غلام نوازی کی حد ہوگئی ذرہ نوازی کی انتہا ہے۔ واقعی متحقق کرامت شاید گنا ہگار ہی ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے کسی نے کہا اور کیا خوب کہا ہے۔ ؎

دو عالم بہ کاکُل گرفتار داری
بہر مو ہزاراں بسبہ کار داری
زرحمت بہ یا رحمتی یا محمدؐ
نظر جانب ہر گنہگار داری

ان مبارک و پاک لبوں سے جن کی ادنٰی جنبش سے چاند میں قیامت آگئی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ان محترم لب ہائے مبارک سے جن کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ ارشاد ہوا ام (کیسے ہو) پھر تاب ضبط کہاں تھی۔ یہ مقام اس درجہ ادب کاملہ کا مقام ہے کہ ہماری تو کیا ہستی ہے بڑے بڑے صحابہ کرام

جن کے مراتب علیا فہم بشری سے ماوریٰ ہیں۔ ماوریٰ ہیں اُن کو خداوند تعالیٰ تاکید فرماتا ہے کہ خبردار لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔ اپنی آواز بے ادبی سے نبیؐ کی آواز پر بلند ہرگز نہ کرنا ورنہ تمہارے عمل حبط ہو جائیں گے۔ اگر اس کمال ادب کے مقام پر نہ ہوتے تو نہ معلوم کیا تماشہ کرتے۔ ؎

محمدؐ جو مل جائیں کیا کیا کریں ہم
خدا کی قسم ہے تماشہ کریں ہم

ناچتے کودتے، بے اختیارانہ گھنگھروں مسلسل کامل عالم وجد میں رقص کرتے۔ صدقہ اور قربان ہوتے۔ خود بھی خوب ناچتے۔ اور ایک عالم کو بھی نچا دیتے۔ مگر باوجود نعمتِ عظمیٰ دیدار کی بیداری میں سرفرازی کے بے ادبانہ بے قابو نہ ہو سکے۔ اتنا ضرور ہوا کہ جواباً جو شعر عرض کیا وہ ایک حد تک عاشقانہ مگر گستاخانہ بھی تھا۔ سماعت فرما کر اتنی جھلک اور دیکھ لی کہ میرے سرکارِ عالم عالمیان نے شعر سنکر تبسم فرمایا شعر یہ ہے۔

اب لذتِ دردِ جگری پوچھئے کیا ہو
جب تم ہی نگہداں ہو تو پھر کیوں نہ فزا ہو

مواجہ اقدس میں حاضر ہوئے اور دل کھول کر اپنے اور امت مرحومہ کے سب ظاہری اور باطنی زخم دکھلا دیئے۔ اس حضوری کے میسر ہونے کے بعد دل کی دنیا بالکل بدل گئی۔ اب درود میں کامل لذت آرہی تھی۔

سوز خواہم دَرد خواہم اشتیاق

مدینۃ النبی کی یہ خصوصیت تمام عالم اسلام میں منفرد ہے کہ حرم پاک میں تہجد کی اذاں بھی ہوا کرتی ہے۔ اکثر نماز تہجد ہم باب اقدس میں ادا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پانچ نمازیں صُفّہ پر ادا ہوتی رہیں۔

بتاریخ ۸ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۵ھ بروز چہار شنبہ کے دن حاضری مدینہ طیبہ کا ٹھیک نواں دن تھا۔ ہم کو نماز ظہر کے بعد پہلی بار محراب نبویؐ میں نماز نفل ادا کرنے کا موقعہ مل گیا۔ محراب نبویؐ کس قدر محترم مقام ہے۔ سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔ اس لئے اس جگہ سخت اژدھام اور شدید کشمکش ہوتی ہے۔ بخدا کہ لایزال محراب نبویؐ میں دو رکعت نفل ادا کرتے ہوئے ایسی عجیب و غریب جاں نواز اور لطیف تیز خوشبو سونگھنے میں آئی جو کبھی اس سے قبل سونگھنا تو درکنار وہم و تصور میں

نہ آئی تھی۔ محراب نبوی صحیح معنوں میں حافظ کے اس شعر کی جامع تصویر ہے کہ۔ سے

بہ مقامے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود

سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

سرکار کی وفات ظاہری کے بعد افضل البشر بعد الانبیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار کے مقام سجدہ کو دیوار کھینچکر مستور کر دیا۔ اور جس جگہ سرکار کے وہ مقدس ومحترم پائے مبارک رہتے تھے جو ہتنیہ بخشائش امت عاصی کیلئے نماز تہجد ادا کرنے کرتے متورم ہو گئے تھے۔ اس مقام کو دائما سجدہ گاہ عالم قرار دیکر محراب بنا دی تھی۔ اسی محراب پر سلطان عبدالمجید خاں صاحب نے بے حد حسین وجمیل حسن کاری کا مکمل نمونہ دیا۔ زیب طلائی کام سے مزین اور قیمتی پتھروں سے مرصع محراب بنائی ہے۔ بہرحال دو رکعت نماز ادا کی۔ روح قلب جسد۔ دماغ سب مافوق العادت عنبر ارضی فردوسی لطیف خوشبو سے معطر ہو چکے تھے۔ پہلے مواجہ مبارک میں کمال خشوع وخضوع سے صلوٰۃ وسلام پڑھکر بائیں اقدس کی طرف گئے۔

حاضری کا نواں دن اور عربی وقت کے ٹھیک نو بجے تھے۔ حضرت امجدؔ کی عطیہ رباعی بار بار بہ تکرار عجیب عالم وجد میں کمال سوز و گداز سے جب کہ آنکھیں مینہ برسا رہی تھیں عرض کر رہے تھے۔ ؎

آقا ترے در پہ تشنہ کام آیا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لے کے جام آیا ہے
خستہ پہ بھی اک چشم کرم ہو جائے
قدموں میں ترے تیرا غلام آیا ہے

یکایک تمنّائے حضوری میسر ہو گئی۔ دیکھی کہ سرکار جالی مبارک سے لگے ہوئے تشریف فرما ہیں۔ مگر اس وقت قد انور اس قدر زیادہ غیر معمولی بڑا تھا کہ اندر جو محصورہ اصل حجرہ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اطراف غلاف سے ڈھکا ہوا ہے۔ اُس کی بلندی سے بھی متجاوز تھا۔ جسم اقدس پر ایک سبز گہرا کاہی رنگ کا لبادہ تھا۔ بہت بلندی کی وجہ سے چہرۂ مبارک اور روئے انور اس وقت اچھی طرح نہیں دیکھا جا سکا۔ صرف اتنا محسوس ہوتا تھا۔ صرف اتنا محسوس ہوتا تھا کہ مرشدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ سے بہت

مشابہت ہے۔

ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آیا ہے

اِس مصرعہ پر صاف صاف برار، بعین چشم ظاہری سے الحمدللہ دیکھا کہ دونوں دستِ مبارک جن کا حُسن اور جن کا جمال اور کمالِ نزاکت فہم و تصور و تخیل سے بھی زائد تھا۔ سبز آہنی جالی سے باہر ہو گئے اور میرے سینہ میں قلب کے مقام پر دونوں مبارک و محترم ہاتھ داخل ہو گئے۔ گویا ٹوٹے ہوئے دل کو باندھا جا رہا تھا۔ میرے زخم ہائے نہانی کا مداوا فرمایا جا رہا تھا۔ بے حد کوشش اور سخت جد و جہد سے چیخ روکی اور دل چاہا کہ آخری مصرعہ ؎

قدموں میں ترے تیرے غلام آیا ہے

کہتے ہوئے فوراً مبارک قدموں پر گر پڑوں اور ہو سکے تو جان تصدق کر دوں عسکری کی تو کوئی پرواہ ذرہ برابر نہ تھی۔ چاہے وہ اس طرح سجدہ نما حرکت کرنے دیکھکر چھڑیوں سے ہمارا جسم اُنکا رو زخمی کر دیتا۔ مگر افسوس ہے کہ اس جگہ دو برقعہ پوش مستورات کچھ ایسا جمی بیٹھی ہوئی تھیں کہ ہلنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ چند لمحہ ان کے بیٹھنے کا انتظار کرتے ہیں

گزرا۔

پھر جو دیکھا تو ان کو نہ دیکھا

عالم وجد میں تمام آداب شریعت بالائے طاق ہوگئے۔ جذب اس کو کامل طاری تھا آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔ رقصاں رقصاں رقص کناں وجد تھا۔ سنئے حضرت امام زین العابدین کے اشعار۔

اَلصُّبحُ بَدیٰ مِن طَلعَتِہٖ پڑھتے ہوئے کئی طواف حجرۂ مبارک کے اطراف کر ڈالے۔

قبلۂ دین کعبۂ جاں یا رسول اللہ توئی
سجدۂ مسکین حسن ہر لحظہ با داسوئے تو

کچھ اور احوال شنبہ ۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ ہمارے روزنامچے یا ڈائری کے ایک حصہ کو نقل کیا جاتا ہے۔ آجکل حرم نبوی زائرین کے ہجوم سے پٹا پڑا ہے۔ بلا مبالغہ تِل دھرنے کو جگہ نہیں ہے۔ پنجوقتہ نماز باجماعت شدت ہجوم کے باعث بلا ریب ایک مجاہدہ سے کم نہیں ہے مگر ہر زحمت کمال رحمت محسوس

ہوتی ہے کہ یہی اقتضائے محبت ہے۔ ظہر کے وقت حرم شریف
میں جاتے ہوئے باب النساء پر ایک حسین و جمیل مدنی لڑکا جھاڑو
دے رہا تھا۔ ہم حجرۂ آثار مبارک سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے قدیمی فراش اور مشعلچی ہونیکا افتخار رکھتے ہیں۔ فوراً اس سے
جاروب لیکر دیر تک جھاڑو دیتے رہے۔ رہے سہے باطنی
خس و خاشاک بحمد للہ دور ہو گئے۔ عصر و مغرب کے درمیان
بلا طلبی مواجہ اقدس میں حاضر ہو گئے مگر حضوری میسر نہ ہو سکی۔ ایک
روز بہت سویرے اذان سے بھی پہلے حرم شریف میں حاضر ہو گئے۔
مگر کثرت ہجوم کے باعث مطلق جگہ نہ ملی اور لوگوں کی طرح زبردستی
جگہ حاصل کرنا ہماری عادت کے خلاف اور مسجد نبوی کے احترام کے
منافی ہم سمجھتے ہیں۔ اس لئے باب النساء اپنے داخلہ کے دروازہ پر
ہو کر تو آب سے اجازت لیکر جوتیاں رکھنے کی جگہ پر بیٹھ گئے
اس جگہ قدیمی قالین از حد گلی ہوئی اور جوتیوں سے گری ہوئی مٹی خاک
دھول سے ایسی اٹی ہوئی تھی کہ تیمم کیا جا سکتا تھا۔ نماز باجماعت
کے وقت پہلے سجدہ میں اسی گرد و غبار سے اٹی ہوئی قالین پر بحمد اللہ

یا اللہ ایسی تیز گلاب کی خوشبو آئی جیسے کسی نے ایک قرابہ عطر الٹ دیا ہو۔ دوسرے سجدہ میں الحمدللہ قرب میسر ہوا۔ رواں رواں وجد کرنے لگا۔ ظہر کے بعد کوشش کی کہ محراب النبی میں دو رکعت پڑھ لیں۔ مگر ممکن نہ ہو سکا۔ دیکھا کہ مصری اور سرحدی پٹھان لڑ رہے ہیں اور باہم زدوکوب ہو رہی ہے۔ دل پر سخت چوٹ لگی زار وقطار رونے لگے۔ پائیں اقدس میں کروہی ہمارا اصلی موقف ہے حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رحمۃ اللعالمین آپ کی امت کا اب یہ حال زبوں ہو گیا ہے کہ آپ کے روبرو آپ کے سامنے حیات النبی پر یقین رکھتے ہوئے باہمی زدوکوب کر کے آپ کو سخت تکلیف اور رنج پہونچاتے ہیں۔ للہ مدد فرمائیے۔ اب جلد ظہور حضرت امام الزماں مہدی علیہ السلام کا حکم فرما دیجئے تاکہ عالم اسلام اور تمام دنیا کے لا علاج امراض روحانی خود غرضی و حرص باہمی ان کی برکات وفیوض سے بالکلیہ دور ہو جائیں۔

اسمائے پاک طیبہ۔ کثرت اسماء بزرگی کی دلیل مبرہن و روشن ہوا کرتی ہے۔ نتہائت اسماء مسمیٰ کی شرافت وشان کی

گواہی دیتی ہے۔ سوائے مدینتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا کے کسی اور شہر کو یہ بزرگی حاصل نہیں کہ بعض علمائے ربانی نے اس کے اسمار کی تعداد سَو۔ اور بعض محققین نے سَو سے زائد بتلائی ہے بلد مبارک کے اسمار کتاب جذب القلوب "الیٰ دیار المحبوب" میں تفصیلی طور سے مشرح بیان ہوئے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اسمار ہیں۔

طَابَہ۔ طَیبَہ۔ طَیِّبَہ۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ جملہ مشتقات۔ اس مادہ کے داخل اسمار مبارک ہیں۔ اور اطلاق ان اسمار کا طہارت کُلی کی وجہ سے ہے۔ جملہ شرک کی نجاستوں سے اور ان اسمار مبارک کا توافق سلیم طبائع کیلئے ہے۔ یہ جملہ جو حضرت شیخ نے لکھا ہے غالباً بطور کشف منجانب اللہ لکھا گیا۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ کو معلوم ہی تھا کہ ایک شقی جماعت محروم آئندہ ایسی بھی پیدا ہونیوالی ہے جو حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت سے انکار کرے گی اور ان کو اس بلدہ متبرکہ کی بزرگی سے بھی انکار رہیگا۔ حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں اس بلدہ متبرکہ کی ہوا ہی معطر نہیں ہے بلکہ وہاں کے

در و دیوار سے وہ خوشبو آتی ہے کہ عشاق کا مشام جان معطر ہو جاتا ہے

بِطِیْبِ رَسُوْلَ اللّٰہِ طَابَ نَسِیْمُہَا
فَمَا الْمِسْکُ وَالْکَافُوْرُ وَالصَّنْدَلِ الرَّطْبُ

حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہٗ جو اکابر اولیائے عظام میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ خاک پاک مدینہ میں ایک خاص خوشبو ہے جو کسی مشک یا عنبر یا صندل میں نہیں ہے۔ اگرچہ کہ یہ بات بظاہر تعجب انگیز ہے مگر در حقیقت کوئی جائے استعجاب نہیں ہے۔ صرف مشام ارادت چاہیئے۔ جس جگہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس طیبہ پہونچے ہوں وہاں مشک وغیرہ کی کیا ہستی ہے۔

دراں زمیں کہ نسیمے وزد ز طرۂ دوست
چہ جائے دم زدنِ نافہائے تاتاریست

اسمائے پاک مدینہ منورہ میں سے بعض یہ بھی ہیں۔

دار الابرار۔ دار الاخیار۔ دار الایمان۔ دار السلام۔ دار الفتح۔ طابہ اور شافیہ۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ خاک پاک مدینہ شفا ہے۔ ہر مرض کے لئے حتی کہ جذام۔ برص۔ بعض علمائے

متقدمین نے کتاب اسمائے مدینہ منورہ اور اس کی تخلیص میں ثابت کیا ہے کہ شدید بخار والوں کو مدینہ پاک کی خاک میں کامل اثر صحت دکھلایا ہے۔ اور امراض قلب اور علت عصیاں کے واسطے تو یہاں کی خاکِ پاک عجیب اثرِ شفا رکھتی ہے۔

منجملہ اور بے شمار خصائص و فضائل کے بلدیہ طیبہ ارض مبارک مدینہ منورہ کو یہ خصوصیت بھی اور تمام روئے زمین پر حاصل ہے کہ تخلیق زمین کے وقت زمین نے رب العزت کے امر کی اطاعت کا طوعاً و کرہاً اقرار کیا تھا مگر ارضِ مبارک مدینہ طیبہ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصیت سے ایمان لا چکی ہے۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی کنکریوں نے حضرت کا کلمہ پڑھا ہے اور اس تسبیح کو لوگوں نے سنا ہے۔ یہ معجزہ روایات صحیحہ سے ثابت شدہ ہے اور احادیث اس کی مؤید ہیں اور اسی ارضِ پاک کا ایک پہاڑ جبل اُحد کی شان میں یہ حدیث ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص محبت رکھتا ہے۔ اِسی ارضِ پاک کی لکڑی سے بنا یا ہوا اُستن حنانہ نے مفارقت نبوی سے بیقرار ہو کر باواز بلند گریہ و زاری کی تھی۔ یہ حدیث خاک پاک مدینہ طیبہ کی شان میں وارد ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ تُرْبَتُھَا الْمُؤْمِنَۃُ

سرکار ارشاد فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی میری جان جس کے ہاتھ میں ہے تحقیق خاکِ مدینہ مومنہ ہے۔ سبحان اللہ تمام عالم میں کیا کوئی شہر یا سرزمین ایسی بھی ہے کہ جس کے شجر و حجر نے ایسی شہادت دگواہی دی ہو اور جس کی کنکریوں تک نے تسبیح پڑھی ہو اور روح جسد الکونین پر ایمان لائی ہوں اور جس کے پہاڑ تک کو سرکار عالم و عالمیان سے محبت ہو اور جس کی خاک کو مُؤمِنَۃٌ کا خطاب عطا ہوا ہو۔ ان لوگوں کی محرومی و شقاوت قلبی پر حیف ہے کہ جو اس پاک و محترم شہر کی کوئی تکریم و تعظیم نہیں کرتے اور صرف حج کرکے یہ کہہ کر مکہ معظمہ سے پلٹ جاتے ہیں کہ مدینہ طیبہ جانا فرض نہیں ہے۔ حضرت امام مالک رح کا فتویٰ اور مذہب یہ ہے کہ جو مسلمان ارضِ پاک مدینہ طیبہ کی تکریم نہ کرے یا خدانخواستہ کچھ برائی سے منسوب کرے اس کی تعذیب واجب ہے۔ اس کو محبوس کیا جائے حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے۔ حدیث کی اولین کتاب موطا ابن مالک ہے۔ جس کو حضرت امام مالک رح نے سب سے پہلے خدا

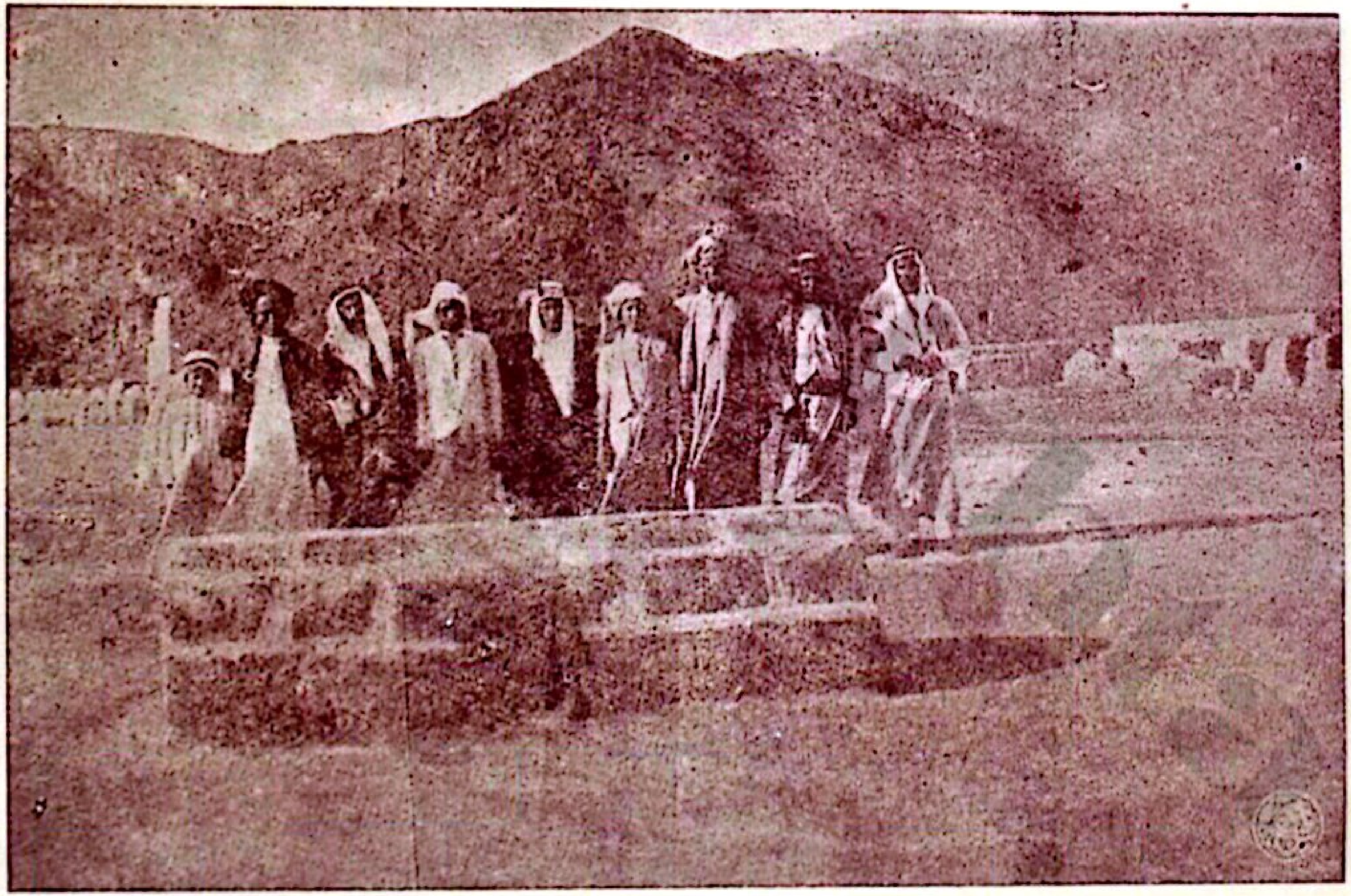
مدینہ طیبہ میں مدون کیا تھا۔ حضرت امام مالکؒ کو اس ارضِ پاک سے ایسا اُنس تھا کہ ڈر اور خوف کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے کہیں باہر نہیں جاتے تھے کہ اور جگہ انتقال ہوجائے تو جنت البقیع سے محروم ہوجائیںگے تمام زندگی میں انہوں نے صرف ایکبار حج فرض ادا کیا ہے اور وہ بھی اِس طرح کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں بہ تاکید ارشاد فرمایا کہ حج فرض ادا کرلو۔ تم مدینہ سے باہر فوت نہیں ہوگے۔ واضح ہو کہ حضرت امام مالکؒ جنت البقیع میں آرمیدہ ہیں۔

اطراف مدینہ منورہ کی زیارات [بتاریخ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ] روز دوشنبہ صبح ناشتہ کے بعد جس لاری میں مکہ معظمہ سے آئے تھے اسی میں والدہ ماجدہ کو لیکر ہم لوگ اطراف مدینہ طیبہ کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ پہلے جبل احد جاکر مزار مطہر حضرت سید الشہدا سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فاتحہ خوانی کی۔ عسکری کی نظر بچاکر چبوترہ مبارک سے تھوڑی سی مٹی تبرکاً لے لی۔ پھر گنج شہداء پر سلام عرض کیا گیا۔ گنج شہداء کی حالت از حد خراب وخستہ ہے۔ اخی روحی حضرت امجد صاحب کی منہ بولی صاحبزادی مقبول بیگم نے ایک اپنا ٹوٹا ہوا دانت اور ایک اچھا دانت

اکھاڑ کر حیدر آباد میں ہمارے حوالہ کیا تھا کہ مدینہ منورہ میں دفن کر دیا جائے۔ ہم نے گنج شہدا میں وہ دانت پہونچا دیئے۔

مسجد سیدنا حمزہ میں جس کو نجدیوں نے قبوں کے ساتھ شہید کر دیا ہے۔ دو رکعت پڑھ کر پانچ مختلف رنگ کے سنگریزے جبل احد کے لیکر وہاں سے مسجد قبلتین حاضر ہوئے۔ مسجد قبلتین وہ مقام ہے جہاں پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور سمت قبلہ بجائے فلسطین کے کعبہ کی طرف بدلائی گئی۔ قدیم محراب سمت فلسطین کی قائم اور متروک ہیں اور سمت کعبہ کی محراب اُس کے بالمقابل موجود ہے بعض جہلا اپنے اجہل زوار لوگوں کی ترغیب پر دونوں سمت نماز ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعی حرام ہے۔ اصل مسجد قبلتین کے آثار جس پر چھت نہیں ہے اور جس کی تعمیر خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابائے کرام کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ بجنسہ موجود ہے۔ اور اُس کے داہنے طرف ترکوں نے دوسری مسجد چھت دار مستحکم بنا دی ہے۔ اصل مسجد میں دو رکعت نماز ادا کر کے دیوار کی مٹی اور اینٹ کا ایک ٹکڑا اس خیال سے تبرکاً حاصل کیا گیا کہ تیرہ سو سال

اُحد کا پہاڑ اور سیدنا حضرت حمزہؓ کا مزار



قبل محترم اور مقدس ہاتھوں نے اس کو مس کیا ہوگا۔ وہاں سے
مسجد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نماز پڑھ کر مسجد
قبا میں حاضری میسر ہوئی۔ مسجد قبا کو جو درجہ اہمیت حاصل ہے
یہ وہی مبارک اور محترم مسجد ہے جس کی تعریف کلام پاک میں آئی
ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے اور صحیح حدیث میں اسکی
فضیلت ہے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز ادا کرنا عمرہ کے مساوی
ہے۔ نجدیوں نے اس مبارک مسجد میں بھی جا بجا اپنی کارگزاریاں
دکھلائی ہیں۔ اس مسجد میں ایک مقام طاقت کشف کے نام سے
معروف تھا۔ سرکار عالم وعالمیان کو ایک مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت
کا اشتیاق ہوا مسجد کی دیوار سمت قبلہ میں شق ہوگئی اور تمام صحابہ
کرام کو خانہ کعبہ کی اس شگاف کے سامنے زیارت ہوئی۔ نجدیوں
نے اس شگاف کو بند کر دیا۔ اسی مسجد کے صحن میں ایک مقام پر
قصویٰ اونٹنی کے بیٹھنے کا مقام بنا ہوا تھا۔ نجدی حضرات نے اس کو
مٹا دیا۔ بہرحال مسجد مبارک میں نوافل پڑھی گئیں۔ مدینہ طیبہ سے
خاص اسی مقام پر تقسیم کرنے کے لئے خمیری روٹیاں لی گئی تھیں

وہ تقسیم کرائی گئیں۔ ہمارے وکیل کے نائب اور مسجد نبویؐ کے موذن عبدالخلیل غریب کے کپڑے اس تقسیم میں تار تار ہو گئے۔ مسجد قبا سے سبع ابیار یعنی سات ان متبرک کنوؤں کا پانی جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا تھا پی کر جائے قیام پر لوٹ آئے۔

جنت البقیع | ایک روز عصر کی نماز کے بعد چودھری محمد شریف میونسپل کمشنر لاہور کے ہمراہ جنت البقیع کی زیارت کے لئے گئے۔ چودھری محمد شریف صاحب برادر معظم کے دوسرے قدیم مخلص دوست اور ہم لوگوں کے ہمراہ رفیق سفر حج و زیارت ہیں ان کا جہاز پہونچ سکنا ایک خرقِ عادت سے کم نہیں ہے۔ برادر معظم جب اوائل شوال میں حیدرآباد تشریف لائے تھے تو ان کے لئے وہاں سخت کوشش حصول ٹکٹ کی حیدرآباد کے قافلہ کی گنجائش سے کی گئی تھی۔ مگر ناکامی ہوئی۔ پھر کراچی میں ان کے لئے انسانی کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ کامیابی نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ ہم لوگ جہاز رضوانی میں ان کا تمام سامان لیکر جدہ روانہ ہو گئے۔ اور طے یہ پایا کہ وہ ہوائی جہاز امپیریل ایرویز

کے ذریعہ قاہرہ تک جائیں اور وہاں سے جنیوا بہ لائن کے ذریعہ بحری راستہ سے جدہ پہونچیں۔ مگر چودہری صاحب کے جذبۂ بے اختیار شوق کو ارحم الراحمین اور اس کے رسول کریم بالمومنین رؤف الرحیم نے شرف قبولیت مرحمت فرمادیا انکو اکبر جہاز میں جگہ مل گئی وہ مکۂ معظمہ میں دو ہفتہ بعد ہم لوگوں سے آملے۔ چودہری صاحب فقراء کی محبت میں سرشار اور بہت ہی عقیدت مند دل رکھتے ہیں۔ نہایت سیر چشم اور مہمان نواز ہستی ہیں۔

ذکر اس کا تھا کہ ہم ایک روز عصر کے بعد چودہری صاحب کے ہمراہ جنت البقیع کی زیارت کے لئے گئے۔ اللہ اللہ وہاں کی حالت اور کیفیت کو دیکھکر دل خون ہوگیا۔ سعدی نے زوال سلطنت عباسیہ کو دیکھکر کہا تھا۔

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

مگر اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور اصحاب کبار کے مطہر و مقدس مزارات کی حالت دیکھکر صدمۂ عظیم ہوا۔ ماثر قدیمہ اور یادگار سلف سمجھ کر موجودہ حکومت

حجاز کم از کم مزارات کے سرانے الواح اسماء لگا دیتی تو کتنی سہولت ہوتی مگر اتنی سی بات بھی شاید شرک وکفر کے مماثل معلوم ہوتی ہے۔ اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو افراط وتفریط ہر دو جانب نظر آتی ہے تا شرمقدسہ کی حد سے بھی زیادہ ایسی تکریم جو حدود شرک سے جا ملے نہایت نازیبا اور قابل اعتراض ہے۔ توحید کاملہ پل صراط کے جیسا تیز دھار وتنگ راستہ ہے۔ فضل باری کی رہنمائی سے حبل اللہ المتین کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے اس صراطِ مستقیم بہ سلامتی کاملہ انسان پار اتر جاتا ہے ورنہ ذرا سی لغزش ایمان کو مجروح کر کے کفر وشرک کے جہنم کی گہرائیوں میں گرا دیتی اور خسر الدنیا والآخرۃ کر دیتی ہے۔

حسن مصلحت سے ہی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیعت الرضوان والا درخت کاٹ ڈالا تھا اسی مصلحت کو ذرا زیادتی اور غلو کے ساتھ نجدی لوگ کام میں لا رہے ہیں۔ بہرحال جو خیال حد سے گزرا وہ ٹھیک سا ہوا۔

حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اہلِ بیت اطہار کے محترم حجروں کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھا۔ حضرت

خاتونِ جنت کے مزار مطہر کے ظاہری سادگی کے باوجود ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیدہ پاک ہر لمحہ وہر آن بخشائش اتیانِ عاصی کے لئے کوشاں وساعی ہیں۔ وہاں سے اور تمام مزارات پر حاضر ہو کر علیحدہ علیحدہ صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا۔ جنت البقیع میں جب تک کہ کامل واقفکار شخص ہمراہ نہ ہو اور وہ نشاندہی نہ کرے تو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کون سی بزرگ ہستی کہاں آرمیدہ ہے۔ ایک علیحدہ مقام کو نواحہات المومنین کی آرامگاہ بتلایا جاتا ہے۔ مگر کسی طرح عقل ظاہری میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ صرف تین تین انچ کے فصل سے نہایت تنگ مقام پر جو نو مزارات کے نشان بتا دیئے گئے ہیں توفی الواقعی محال عقلی ہے کہ نواحہات المومنین کی تدفین اتنے تنگ مقام پر کیسے ہو سکی ہوگی۔ بات دراصل یہ ہے کہ مدینہ منورہ پر تسلط کے بعد نجدیوں نے جنت البقیع پر عام حملہ بول دیا تھا۔ اور بلا استثنیٰ تمام پختہ مزارات اور قبے منہدم کر کے ملبے کا ڈھیر لگا دیا گیا سالہاسال مزارات مطہر اسی ملبے کے نیچے رہے۔ جب سواد اعظم نے مسلمانوں کے بہت احتجاج کیا تو ملبہ ہٹا کر کچے مزارات نمایاں کر دیئے گئے ہیں۔

جنت البقیع بھی چھوٹا سا خطہ تیرہ سو سال سے نہ معلوم کتنے بیشمار لاتعداد و لاتحصیٰ مسلمانوں کی آخری آرامگاں بن رہا ہے۔ سنا گیا ہے کہ یہاں کی مٹی انتہا درجہ شور ہے۔ اور دو ہفتہ کی قلیل مدت میں مدفون جسد کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ اکثر مزارات کے اوپر کی مٹی میں بڑی چھوٹی انسانی ہڈیاں علانیہ نظر آکر دنیا اور انسان کی بے ثباتی کا جلی نشان ظاہر کر رہی تھیں۔ کبھی کسی شہر خموشاں میں دل پر اتنا زیادہ اثر نہیں ہوا تھا۔ جتنا جنت البقیع کی زیارت سے ہوا۔

مدینہ منورہ سے روانگی سے دو یوم قبل ایک روز ظہر کے بعد دوبارہ جنت البقیع جا کر جب کہ دروازہ پر سوائے عسکری پہرہ داروں کے کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ اپنے چالیس سالہ رفیق سر کے بال اس خاکِ پاک میں دفن کیے۔ پھر تنہائی میں موقع پا کر سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا کی مزار اطہر سے جرأت کر کے خاکِ پاک حاصل کی جس کے مقابلہ میں کونین کی دولت بھی ہیچ ہے۔ بحمد اللہ عسکریوں نے ہم کو یہ حرکت کرتے نہیں دیکھا ورنہ نہ معلوم وہ کیا فتنہ کھڑا

کر دیتے۔

مدینہ منورہ میں ہمارا معمول | تقریباً سولہ یوم مدینہ طیبہ میں حاضری

نصیب ہوئی۔ دل تو چاہتا تھا کہ کم از کم اربعین چالیس دن اس

عرفان کی منزل اخیر اس خطہ بہتر از جنات نعیم میں گزاریں۔ مگر

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

شدید مجبوری مانع حاضری یہ تھی کہ وزیر صاحب بالیہ عبد اللہ

سلیمان صاحب کے ذاتی سامان کے حمل و نقل کی لاری مشروط

طور پر صرف پندرہ یوم قیام مدینہ منورہ کے لئے ملی تھی۔ پندرہ یوم

ہم کو تو چشمک برقی کی طرح گزرتے معلوم ہوئے اور کسی طرح جی

چاہتا تھا کہ بالمؤمنین رؤف الرحیم کی سرکار عالی سے مرخص ہوں۔

مدینہ پاک میں ہمارا معمول یہ رہا کہ اذان ہوتے ہی تہجد کے وقت حرم

محترم پاک میں حاضر ہو کر صفہ پر تہجد دو نفلیں ادا کرتے۔ اکثر اسی وقت روح

سید الکونین مولانا و مولیٰ الثقلین نبی الرحمۃ کے دربار عالی سے سگ

آستانے نبوی غلام غلامان ادنیٰ امتی کی یاد فرمائی ہوئی۔ مواجہ اقدس

میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام کے بعد معروضات اپنے اور اقرباء۔ احباب

اولاد کے لئے پیش کئے جاتے۔ جب کونین کی رحمت "اللہ معطی وانا القاسم"
فرمانے والے کی حضوری جس پر تمام زندگی ریاضت۔ عبادت۔ مجاہدات
قربان و تصدق ہیں۔ میسر ہو تو کیوں نہ مانگا جائے۔ کیوں نہ طلب کیا جائے
کیوں اُس کے فضل کے لامتناہی خزانوں کے مواج سمندر سے دامانِ
ہوس لبالب نہ بھر لئے جائیں۔ یا تو کبھی حسرت و یاس سے یہ شعر عالم
وجد میں وردِ زبان رہا کرتا تھا۔ ؎

ناکارہ ہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
میں نے بھی درودوں کی بھجوائی ہیں سوغاتیں

مسلسل بائیس سال کی مدتِ طویل سے بجز ایسی شدید علالت کے کہ نماز
نیز بیٹھ کر ادا کی جا سکی ہو۔ دلائل الخیرات شریف کے ذریعہ روزانہ
معمول الحمدللہ کبھی ناغہ نہ ہوا تھا اور دورانِ ورد ہمیشہ دل میں یہی خواہش اکثر
موجزن رہتی تھی کہ حاضری مدینہ طیبہ میسر ہو جائے۔ جب دل کی یہ سب سے
بڑی تمنا نہ صرف پوری ہوئی بلکہ ذرہ نواز شہنشاہ عالم و عالمیان سراپا
رحمت کہلانے والے۔ نظر جانب ہر گنہگار رکھنے والے۔ کالی کملیا والے
میرے سرکار نے دیدۂ دیدار طلب کو بھی محروم نہ رکھا ہو تو کیوں اُن کے

روبرو دل کی ہر خواہش۔ ہر آرزو۔ ہر تمنا پیش کر دی جائے۔ کیوں اعزّہ
واقربا۔ احباب کیلئے نعائم دارین نہ طلب کی جائیں۔ بہرحال نماز تہجد کے
بعد کی یہ حاضری وحضوری بحمد للہ پندرہ یوم میں بار بار میسر ہوئی۔ نماز
چاشت کے بعد حرم پاک سے جائے قیام لوٹ آتے۔ پھر ظہر کی نماز جماعت
سے حرم پاک میں صفہ پر ادا کی جاتی۔ معمولات دلائل الخیرات شریف وغیرہ
پورے کئے جاتے۔ عصر۔ مغرب۔ عشا باجماعت ادا کرنے کے بعد جائے قیام
پر واپس ہوا کرتے۔ صُفہ ہی ہمارا موقف ہمارا ٹھکانہ ہماری مسجد کئی وجوہات
سے تھا۔ سب سے پہلی اور قوی وجہ تو یہ تھی کہ وہاں نماز ذو قبلتین ادا ہوتی
تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرات اہلِ صُفہ صحابۂ کرام ہی سے جماعت صوفیہ
منسوب ہے۔ اور بحمد للہ ہم کو بھی حضرات صُوفیائے کرام کی کفش برداری کا
افتخار حاصل ہے۔ سلاسلِ عالیہ چشتیہ قادریہ کی اجازت وخلافت حضرت
سیدی ومرشدی ومولائی خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی سے سنہ ۱۳۴۰ھ
میں مرحمت ہوئی تھی۔ سلسلۂ عالیہ رفاعیہ کی اجازت وخلافت حضرت شیخ المشائخ
مدینہ منورہ سید حمزہ صاحب رفاعی مدظلہ سے ہے۔ سلسلۂ قلندریہ حیدریہ کا

اجازت نامہ حضرت شاہ سلیمان صاحب پھلواری نے مرحمت فرمایا تھا سلسلہ ابوالعلائیہ نقشبندیہ کا مجاز میرے حقیقی ماموں حکیم محسن صاحب مرحوم نے فرمایا تھا۔ اس طرح متعدد سلاسل عالیہ صوفیائے کرام سے منسلک ہونے کی وجہ سے اکثر صُفّہ پر حاضری رہتی تھی۔ اکثر نماز تہجد پائیں اقدس میں بھی ادا ہوئی۔ ریاض الجنۃ میں بہت کم نماز پڑھ سکے۔ صُفّہ پر نمازوں کے وقفہ میں کبھی تلاوتِ کلام مجید ہوتی اور زیادہ تر سنہری جالی پر ٹکٹکی لگائے ہوئے درود پڑھنا کا ورد رہا کرتا تھا۔ محترم سنہری جالی کو مسلسل دیکھتے رہنے سے اس کا نقش اس درجہ قلب و دماغ پر کالحجر مرتسم ہو گیا بلا مبالغہ سوتے جاگتے ذرا آنکھ بند کرتے ہی روبرو وہی جالی مبارک آجاتی ہے۔ جس کے اندر کیا کچھ نہیں ہے۔

حرم پاک نبوی کے کچھ اور حالات یہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا کہ تمام مسجد نبوی کا چپہ چپہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی دبیز ریشمی یک رنگ یکساں گہرے مرجانی رنگ کی بیش بہا مصری قالینوں سے پٹا ہوا ہے سنا جاتا ہے کہ تقریباً دو سال ہوئے لاکھوں روپیہ کے خرچ سے حکومت مصر نے یہ جدید حد درجہ جاذب نظر قالین پیش کئے ہیں مگر افسوس یہ ہے کہ منتظمین کی شدید

لاپرواہی ہے۔

قالینوں کی کماحقہ دیکھ بھال نہیں کیجارہی ہے۔ اور اکثر قالین جو بیش دالانوں میں بچھے ہوئے ہیں مسلسل گرد و غبار جذب کرنے کی وجہ سے گردے اٹے ہوئے اور ایسی حالت کو پہونچ گئے ہیں کہ نقش و نگار گرد میں غائب ہو گئے ہیں۔ شاید ہی اور چند سال کام دے سکیں، اسلیئے کہ کوئی عملہ قالینوں کی صفائی کے لئے مقرر نہیں ہے۔ تو اب یہ دروازوں کے دربان اور کچھ مہاجرین نے جو زیادہ تر مہاجر و نسائی ہیں جاروب کشی کی خدمت اپنے ذمہ لے لئے ہیں۔ مگر اتنی بڑی مسجد کی قالینوں کی صفائی چند نفوس کے لئے امر محال ہے۔ کم از کم ڈیڑھ سو خدام اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ ترکی عہد حکومت میں خدمت حرم نبوی کے لئے ڈیڑھ سو اغوات (جمع آغا) بیش قرار تنخواہوں پر مقرر اور متعین تھے۔ مگر ؎

آں قدح بشکست آں ساقی نماند

ندامت کی یادگار ڈیڑھ اغوات میں سے اب صرف (۲۳) رہ گئے ہیں۔ جن کا بظاہر کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اور رسول پاک کی محبت کی وجہ سے حرم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاتے۔ ترکوں کے زمانہ کا عطا کیا ہوا بوسیدہ لباس

نہایت جشن بہاشانی پٹکے باندھے ہوئے صبح سے رات گئے تک قُبّہ کے سامنے کے رُخ بیٹھے رہتے ہیں۔ حرم پاک نبویؐ کی خدمات اُن سے چھین گئی ہیں۔ صرف ہر شب جمعہ کو سبز آہنی جالی مبارک کے محصورہ میں جا کر جاروب کشی کیا کرتے ہیں۔

مزار اطہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محصورہ کے اطراف جو سبز آہنی جالیاں لگی ہوئی ہیں اُس میں اوپر کی جانب سبز دمشقی ریشم کے ترکی عہد کے زمانہ کے پردے آویزاں ہیں۔ وہ اکثر فرسودگی کے باعث بہت خستہ اور دریدہ ہو گئے ہیں۔ مگر علمار نجد تبدیلی پردہ کو بدعت قرار دیکر ہرگز کسی کو تبدیلی کی اجازت نہیں دیتے اندرون مسجد نو نواب صاحب بہاولپور کو جدید رنگ کرنیکی اجازت مل گئی تھی۔ مگر گنبد خضرا پر رنگ کرنے کے علمار بالکل روادار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ بطفیل اپنے حبیب پاک کے علمائے نجدیہ کو صراط مستقیم حبِ نبویؐ کے راستہ پر لادے۔

بمصطفےٰ برسان خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبیست

حرم پاک نبویؐ کے متعلق چند مشورے | حرم پاک نبویؐ میں بجلی کی روشنی

ازحد ناکافی ہے اور جس بجلی گھر سے برقی قوت مہیا کی جاتی ہے۔ وہ فرسودگی کے باعث تقریباً ناکارہ سا ہو رہا ہے۔ پندرہ یوم کی مدت حاضری میں دو مرتبہ عین نماز عشاء سے پہلے بجلی کا انجن فیل ہو گیا۔ اور تمام حرم میں جو زائرین سے بھرپور اور معمور تھا شدید تاریکی پھیل گئی۔ حضرت مولانا قاضی سید محمود صاحب جو مدینہ طیبہ کی بہت سربرآوردہ ہستی ہیں فرماتے تھے کہ ہماری حکومت سرکار عالی نے سابق چیف انجینئر نواب احسن یار جنگ بہادر کو خاص حرم پاک نبوی کی برقی روشنی کی تدبیر وغیرہ کے لئے معائنہ کرنے چند سال قبل بھیجا تھا اور ان کی رپورٹ پر باب حکومت کی جانب سے کئی لاکھ روپیہ کی منظوری بھی ہو چکی تھی۔ مگر چونکہ بجائے انگلستان کے برقی مشینوں وغیرہ کا آرڈر جرمنی کو دیا گیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی اور وہ آرڈر معلق ہو گیا۔ سید محمود صاحب نے فرمایا کہ حکومت عراق نے بھی بہت بڑے پیمانہ پر برقی کا آرڈر انگلستان کو جنگ سے پہلے دیا تھا۔ اور جنگ کے دوران ہی میں سامان بصرہ پہونچا دیا گیا۔ بہرحال برقی روشنی کی بڑے پیمانہ پر حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم میں اشد ترین ضرورت ہے۔ اگر طاقتور برقی پیدا کرنیوالی مشین مہیا ہو جائے تو

روشنی کے علاوہ بڑے پیمانہ پر برقی پنکھے بھی حرم نبوی میں لگائے جاسکتے ہیں۔ موسم گرما عرب کا دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ ایسے موسم میں برقی پنکھوں کی افادیت ظاہر و باہر ہے۔ اس کے علاوہ طاقتور برقی قوت مہیا ہوجانے سے برقی مشینوں کے ذریعہ بآسانی چند منٹوں میں قالینوں کا گرد و غبار روزانہ صاف کیا جاسکتا ہے۔ ترکی حکومت کے زمانہ میں اعلیٰ ترین برقی ڈائنمو اور بہترین روشنی کا سامان مہیا کیا گیا تھا۔ اور تمام حرم پاک میں پچاس ہزار سے زیادہ نہایت طاقتور برقی گولے لگا دیئے گئے تھے۔ ریاض الجنۃ کے مقام پر تمام تر گولے سبز رنگ کے تھے۔ اور ممبر مبارک پر حد درجہ حسین و جمیل روشنی لگائی گئی تھی۔ مغرب سے ذرا پہلے جب سب برقی گولے روشن کیئے جاتے تھے تو جو حسین نظارہ ہوا کرتا تھا وہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا۔ انقلاب حکومت کے بعد یہ چیزیں داستان ماضی بن چکی ہیں۔

ایک اور اہم الاہم اشد ضروری چیز کی طرف اہل خیر حضرات کو فوری توجہ فرمانے کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے کہ باب النساء کی طرف مولوی سید احمدؐ صاحب مہاجر مرحوم نے اپنی جانب سے وضو

کے لئے دو خزانہ آب بنوا کر اُس میں ٹوٹیاں لگوا دی تھیں۔ یہ اچھا کام ہوا۔ مگر حوائجِ بشری میں ایک اشد ضروری حاجت کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی۔ اور بیت الخلاء دور دور تک ندارد ہونے کی وجہ سے ایام حج میں زائرین اور خصوصًا پنجابی و سرحدی حضرات جو اکثر جنگل جانے کے عادی ہیں حرم پاک کے قریب ہر طرف سڑکوں اور گلیوں میں بید گندگی پھیلا دیتے ہیں جو عفونت انگیز اور گھناؤنا منظر پیش کرنے کے علاوہ احترام حرم پاک کے بھی از حد منافی ہے۔ حد یہ ہے کہ وضو کرنے کی ٹوٹیوں کے پاس اور نالیوں کے اندر بھی اِستنجائے صغیر ہی نہیں بلکہ کبیر تک کر ڈالتے ہیں۔ اس لئے اہلِ خیر بالضرور اس طرف توجہ کر کے اگر چند بیت الخلاء بنوا دیں تو بڑا کارِ ثواب ہوگا۔

ایک لطیفہ سنئے۔ ایک رات عشاء کے بعد ہم جائے قیام پر واپس آ رہے تھے۔ خوب تیز سردی تھی اور راستہ نیم تاریک۔ کسی نے زور سے کاندھے پر پیچھے سے ہاتھ مارا۔ پلٹ کر دیکھا ایک زبردست پگڑ باندھے ہوئے کوئی سرحدی صاحب تھے۔ نہایت کرخت آواز میں ارشاد ہوا۔ "منیٰ جا"۔ ہم نے عرض کیا ہم پشتو نہیں جانتے۔ کیا

آپ کو فارسی آتی ہے ' زبان پارسی می دانی ' ۔ اور زور سے کڑک کر
فرمایا او منزجا ہم کو تاؤ سا آگیا ۔ ہم نے کہا نہ منزجا نہ مہلا البتہ
ڈنڈا ۔ یہ سن کر فوراً اسی جگہ سڑک پر آپ نے بے تکلفانہ ایزار کھول
دی اور آزادانہ استنجائے صغیر و کبیر میں مصروف ہو گئے ۔ لَاحَوْلَ
وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔

اشد ضروری اصلاحی مشورہ | ایک اور اہم الاہم بات کے فوری انتظام
کی طرف حکومت سعودیہ عربیہ کو توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے ۔ وہ یہ کہ
حرم پاک نبوی علیہ الف الف تحیات والتسلیم میں خصوصاً اور حرم شریف
مکہ معظمہ میں عموماً بذریعہ عسکریوں کے اس بات کا خاص اہتمام کیا جائے
کہ زائرین ہرگز ہرگز اپنے غلیظ و گندے آلودگیوں سے ملوث جوتے
لے کر حرم شریف کے اندر داخل نہ ہوسکیں ۔ بلکہ تمام زائرین کو اس
بات کے لئے مجبور کیا جائے کہ وہ داخل حرم سے پہلے بوابین یعنے دربانوں
کے پاس اپنے جوتے رکھوا دیا کریں ۔ مدینہ شریف کے حرم پاک میں
اس درجہ بے ادبانہ مناظر دیکھنے میں آئے کہ دل کانپ گیا اور روح
تھرا گئی ۔ اکثر فراعنہ مصری جن کی حرکات مذمومی اور چیرہ دستی

ہر جگہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پتھرا گئیں۔ اپنے گندے اور غلیظ جوتے
نہ صرف اندرون حرم پاک نبویؐ لے آتے تھے۔ بلکہ اکثر کمال بے ادب
خبیثوں نے اس درجہ جرأت وجسارت کی کہ عین مواجہ اقدس کے
سامنے والی کھڑکی میں اپنے جوتے رکھ دیئے۔ اللہ اکبر۔ یہ وہ محترم
ومقدس اور پاک مقام ہے۔ جس کا کمال ادب واحترام عین ایمان
ہے۔ جہاں بڑے بڑے ملائکہ عظام بغیر اجازت واذن لئے داخلے
کی مجال نہ رکھتے تھے۔ اور زمانے کے بعد دست بستہ روح جب الکونین
مولانا ومولائے الثقلین محبوب رب المشرقین والمغربین کے روبرو حاضر رہتے
تھے۔ حرم پاک میں جابجا عسکری بید کی چھڑیاں لئے ہوئے مقرر
اور متعین ہیں کہ کوئی زائر کوئی کام جذبہ بے اختیار محبت سے مغلوب
ہو کر نہ کر سکے۔ مثلاً جالی مبارک کو بوسہ دینے یا مزار اقدس واطہر کی طرف
رخ کر کے بیٹھنے شدت سے روکا جاتا ہے۔ مگر افسوس اگر کوئی
بدنصیب بے ادب مسلوب الایمان گستاخانہ وبے ادبانہ حرکات
کرے تو کوئی عسکری منع نہیں کرتا۔ حد ہو گئی کہ خاص مواجہ اقدس
کی طرف اور کافی بلند کھڑکی پر اس آرامگاہ نبوی ارواحنا فداہ کی

سطح سے بلند گندی جوتیاں رکھی جاتی ہیں جس سے قابل احترام جگہ تمام کائنات میں نہیں ہو سکتی۔

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِی التُّرَابِ اَعْظُمُہٗ
فَطَابَ مِنْ طِیْبِھِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ
نَفْسِی فِدَاءٌ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ
فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

خاص مواجہ اقدس لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ کے مصداق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس درجہ گستاخانہ حرکات کرنے پر بھی کان پر جوں نہیں رینگتی۔

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ترکوں کے زمانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ ذرہ و نشمہ برابر کوئی گستاخانہ حرکت حرم پاک نبوی میں کر سکے۔ کوئی بدنصیب ایسا کرتا تو اسی وقت خدام حرم اس کی چمڑی بید سے ادھیڑ ڈالتے۔ اس حد سے ہوا گستاخی کے علاوہ گرد آلود اور غلیظ جوتیاں حرم نبوی میں لانے سے قالینوں کی حالت بھی ابتر ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ المنان اس امر

ضروری کی طرف تغیرندا گو حکمہ طرق سے حکومت سعودیہ عربیہ کو متوجہ کرنے کی سعی اگر ہو تو وہ کرے گا۔

اس میں شک نہیں کہ اپنی ذات کی حد تک جلالت الملک سلطان ابن سعود بہت ہی بے مثال اخلاق حسنہ رکھنے کے علاوہ ازحد عابد۔ زاہد۔ متقی اور غیر معمولی انسان ہیں۔ اور اُن کی نافذ کی ہوئی اصلاحات حجاز میں بہت ہی قابلِ ستائش ہیں۔ مگر وہ اپنے تنگ خیال۔ تنگ نظر وہابی عقائد کے اشد علمائے نجد اور جماعت اخوان کے دباؤ کی وجہ سے سخت مجبور اور بڑی حد تک معذور ہیں۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بہت سی باتوں کی زائرین کو اجازت حرم پاک نبوی میں دے دی ہے اور پہلے کی بہ نسبت بہت کچھ حالت سُدھر رہی ہے۔ پہلے مواجہ اقدس میں ہاتھ اٹھانا سخت ممنوع تھا اور ہاتھ ادباً باندھ بھی نہ سکتے تھے۔ اور آواز سے صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ورنہ چھڑیوں سے پیٹا جاتا تھا۔ اب ان باتوں سے منع نہیں کیا جاتا۔ پانچوں نمازوں کے بعد نہایت پابندی سے تمام حضار مسجد نبوی مواجہ اقدس میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بطفیل روح پاک سرکار دو عالم و عالمیان جلالت الملک ابن سعود کے

عانی علماء کی بھی بتدریج اصلاح ہوجائے۔ اور اخوان توحید کہہ کر فخر کرنیوالے نجاری اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ توحید وہی توحید مقبول ہے جو بوسیلہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو۔ ایمان کی تکمیل بغیر بغایت حُبِّ رسول اللہ کے ناممکن ومحال ہے۔ خود ارشاد پاک ہے کہ جب تک تم مجھے اپنی جان و مال بال بچوں اور ہر چیز سے بڑھکر نہ چاہوگے مسلمان نہیں ہوسکتے۔ صحابۂ کرام کی کمال فنائیت کا حال احادیث میں پڑھنے کے باوجود علماء نجد کا حُبِّ نبویؐ سے یہ گریز سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ چند ضروری اصلاحی امور تھے جو ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کے متعلق سعی بھی عملاً کیجائے گی۔

مدینہ منورہ کے ملاقاتی حرم پاک نبویؐ میں حاضری کا دوسرا دن تھا کہ صُفّہ پر حضرت شیخ الاخواط سیدی آغا خلیل کے عقب میں ایک گوشہ کے اندر ایک ایسی سرتاپا نور کی مورتی نظر آئی کہ دل لوٹ پوٹ ہوگیا۔ ایک شمع تجلی تھی ایک نور کی صورت تھی۔ ایک موہنی مورت تھی۔

مصر کے سادات گرامی قدر میں سے ایک محترم بزرگ تھوڑے قریب بیٹھے شریف
دائماً ذکر و شغل میں مستغرق تشریف فرما تھے۔ اس درجہ نورانی چہرہ تھا کہ
خود بخود لوگ پروانوں کی طرح اس شمع نورانی پر گرے پڑ رہے تھے
معلوم ہوا کہ مسلسل ساٹھ سال کے عرصہ طویل سے ایام حج میں مصر سے
تشریف لاتے ہیں اور الاستقامت فوق الکرامت۔ ٹھیک اسی مقام قبقبہ
پر تشریف فرما رہتے ایک ہجوم اطراف جمع رہتا۔ ہم نے بھی دست بوسی کے بعد
استدعائے دعا کی۔ بہت التفات خاص فرمایا اور دست دعا بلند کرکے
دیر تک دعائے خیر فرمانے کے علاوہ دونوں دست مبارک ہمارے سر پر
رکھکر کافی دیر تک توجہ باطنی مبذول کی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

ہم خنی الامکان ایک ہفتہ جب تک حضرت مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہے
اکثر قریب میں حاضر رہتے۔ زاہد کاملہ کا یہ حال بچشم خود دیکھا کہ ایک دن مصری
عقیدت مند نے دس پونڈ کا نوٹ نذر دیا۔ بغیر ملاحظہ فرمانے کے قبول کرکے
جائے نماز کے نیچے رکھدیا۔ پانچ منٹ کے بعد ایک حبشی نے عقب سے آکر
نہایت گستاخانہ زور سے حضرت کا کندھا ہلا کر سوال کیا۔ حضرت نے فوراً
وہی نوٹ اس کے حوالہ فرمادیا۔ اسی طرح جتنی نذر آتی تھوڑی ہی دیر میں جو سوالی

کرنا اُس کو سب عطا ہو جاتی۔ بیشک خاصان حق کا یہی خاصہ ہے۔
حضرت کی زیارت اور شرف لقا و توجہ باطنی کو ہم خاص رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف سے غلام نوازی سمجھتے اور فضل باری میں شمار کرتے ہیں۔
دوسرے قابلِ ذکر ملاقاتی حضرت سید محمود صاحب مدنی ہیں
جو حکومت سعودیہ عربیہ کے ایک بڑے عہدہ دار ہونے کے علاوہ اپنی
حکومت ابد مدت آیتیہ سرکار عالی کی طرف سے بھی ایک خاص خدمت
پر فائز ہیں۔ یعنی تمام سکان مدینہ طیبہ جن کی ماہوارات سرکار عالی کی طرف
سے جاری ہیں۔ ان ماہوارات کی تقسیم بھی سید محمود صاحب مدنی کے تفویض
ہے۔ ایک بہت بڑے ادارہ اور یتیم خانہ کو جو مدرسہ دیوبند کا نقش ثانی
معلوم ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ میں بہت کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ از راہ
مسافر نوازی متعدد بار باوجود گوناگوں مصروفیت کے خود ملنے تشریف لائے
چونکہ حکومت سعودیہ میں بحمد للہ قانون شریعت کا جیبہ نفاذ ہے۔ اور حضرت
سید محمود صاحب بھی منصب قضارت پر پوری اختیارات دیوانی و فوجداری
کے ساتھ فائز ہیں۔ اس لئے حضرت کے مشورہ سے والدہ ماجدہ اور بسم اللہ
خالہ صاحبہ کی طرف سے وصیت نامے اور وکالت نامے لکھے جا کر انکی رجسٹری

باقاعدہ بذریعہ کمیشن حضرت کے روبرو اُن کی تصدیق سے جائے قیام ہی پر کروادی گئی۔ ورنہ قانون شرعی کے اعتبار سے اگر کوئی مہاجر بغیر ہماری وصیت کے فوت ہوجائے تو فوراً حکومت اس کا تمام مال واسباب بذریعہ پولیس ضبط کرکے بیت المال میں داخل کردیتی ہے۔ اگر مدت معینہ میں ورثا نے آکر اس کو بہ ثبوت حاصل نہیں کرلیا تو حکومت کا مال ہوجاتا ہے۔

مدنی دعوتوں کا سلسلہ روانگی سے دو روز پہلے حضرت قاضی سید محمود صاحب نے ہم سب کی مع رفقاء کے بعد پُر تکلف دعوت فرمائی۔ صرف چار آدمی مدعو تھے اور کھانا پچاس آدمیوں کا تھا جس میں خاص الخاص عربی اعلیٰ ترین غذا کوزی بھی تھی۔ کوزی کے متعلق سالہا سال سے سنتے تھے اور سلطانی دعوت میں دیکھنے میں بھی آئی۔ مگر سید محمود صاحب کی مخلصانہ دعوت میں خوب شکم سیر ہوکر کھائی گئی۔ جس طرح ہمارے یہاں مرغ مُسلّم تیار کیا جاتا ہے۔ اُسی طرح عرب میں سالم دُنبہ بھونا جاتا ہے جس کا گوشت خوب گل جاتا ہے اس کے پیٹ میں پلاؤ، مخزیات۔ مرغ مُسلّم اور انڈے وغیرہ سب بھرے رہتے ہیں۔ سید محمود صاحب سے معلوم ہوا کہ یہ غذا در اصل افغانوں کی ہے وہ بکرا ذبح کرکے اس پر چمڑا لپیٹ کر مُسلّم انگاروں میں دبادیا کرتے تھے

اور اس طرح پک جانےکے بعد بھونا ہوا گوشت تناول کرتے۔ افغانستان سے ایران اور ترکی ہوتا ہوا یہ کھانا عرب میں آیا۔ اور پہلے پہل عرب میں طریقہ تھا کہ تنگاروں میں دُنبہ بھوننے کیلئے دبا دیا جاتا۔ مگر جب تکلّف بڑھا تو اب خاص تانبے کے بڑے ظروف میں بند کرکے دَم دیا جاتا ہے عرصہ دراز کے بعد ہندوستانی روٹی اور کوفتہ کا سالن وغیرہ کھانے میں آیا۔

ہمارے رفیق و مخلص خاص ماسٹر محمد رمضان صاحب مالک ... محلہ سبزی گ خرم لاہور نے بھی ایک دن اعلیٰ درجہ کا پلاؤ اور عربی طرز کا لن زردہ وغیرہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز کا پکوا کر اغواط کو دعوت دے کر کھلوایا۔ دوسرے روز بالمومنین رؤف الرحیم ہر امتی کے لیے بخشائش چاہتے اور جودوسخا کے سمندر بہا دینے والی سرکار کی طرف سے ہم کو ارشاد ہوا کہ دعوت قبول کرلی گئی۔ سبحان اللہ جو چیز خالص خلاص کامل کی نیت سے کی جائے کیوں نہ شرفِ قبول پائے۔ محرم کی ساتویں تاریخ کو کھچڑا عربی طریق سے پکوا کر والدہ ماجدہ اور ہم لوگوں کی طرف سے حرم پاک نبوی کے بوّاب حضرات کو کھلوایا گیا۔ دس محرم الحرام روزجمعہ

عاشورہ کے دن والدہ ماجدہ کی جانب سے ایک دنبہ کا پلاؤ اور زردہ پکوا کر یتیم خانہ کے یتیموں کو بھیجا گیا۔ عاشورہ کے روز ہم سب لوگوں نے روزے رکھے تھے اور افطار حرم پاک نبوی میں کیا گیا تھا۔ اسی روز حضرت سید احمد صاحب رفاعی نے ہم سب لوگوں کی بہت ہی پُر تکلف دعوت فرمائی اور عربی اغذیہ لطیفہ کھلوائیں۔ جن میں مرغ کا ثرید ایک خاص چیز تھی معلوم ہوا۔ کیونکہ رمضان مبارک ایک عرصہ سے گرمی میں آرہا ہے۔ اس لئے افطار کے بعد عموماً عرب اور مدینہ منورہ میں لوگ ثرید استعمال کرتے ہیں جو ہلکا لطیف اور رقیق ہونیکے علاوہ کافی مقوی اور لذیذ غذا ہے۔

کچھ اور ملاقاتیں | صلاح الدین الیاس برنی صاحب نے اپنے سفرنامہ "حرم طیب" جلد دوم میں داروغہ عبدالغفور صاحب مہاجر مدنی کا حال لکھا ہے۔ مدینہ طیبہ میں جو حفاظ صرف خاص مبارک کی طرف سے حرم نبوی میں قرآن شریف پڑھا کرتے ہیں۔ اُن کے داروغہ ہیں۔ ایک روز عصر کے وقت صُفّہ کے پاس اُن کو دیکھکر ہمارے قلب میں القاء ہوا کہ ہو نہ ہو یہ داروغہ عبدالغفور صاحب عرف خواجہ خضر ہی ہوں گے۔ چنانچہ ہم نے تقدیم کر کے جب ملاقات کی تو وہی نکلے۔ پُر لطف اور مخلص آدمی ہیں۔ ہم نے

سرحسب خواہش کی کہ وہ اپنی ساختہ عربی سنائیں مگر وہ راضی نہ ہوئے۔
دوران قیام میں تقریباً روزانہ ملتے جلتے رہے۔ شروع سفرنامہ میں
ہمارے دوست پیش امام صاحب مسجد چوک اوصم بے افندی کا تذکرہ
ہے کہ انہوں نے ہم سے مدینہ طیبہ میں ملاقات کی پیشین گوئی کی تھی وہ
پوری ہوئی اور وہ بھی صُفّہ پر ہم سے ملے۔ پُرجوش معانقہ ہوا۔ انہوں
نے مدینہ طیبہ میں ڈیڑھ ہزار روپیہ میں مکان خرید کر لیا ہے۔ قیمت ادا
کرنے کے بعد دو سو روپیہ قرضہ باقی رہا تھا وہ ہم نے انکی استدعا پر
باوجود اپنے پاس کم گنجائش ہونے کے فوراً دے دیا۔ یہ سرکار عالم
وعالمیان کے دربار عالی میں ایک غریب بال بچے والے ادنیٰ امتی کی نذر
تھی۔ اخلاص کامل سے پیش ہوئی تھی۔ ضرور درجہ قبولیت کو پہونچی ہوگی
جب۔ ہمارے مدینہ منورہ کے وکیل ایک خوبصورت۔ خوب سیرت نوجوان
آدمی ہیں اور وکیلوں کی طرح لپٹ کر مانگنے سے احتراز کرتے ہیں۔ یہ
سب سے بڑا وصف ہے۔ ان کے نائب عبدالجلیل جو مسجد پاک نبویؐ
کے مؤذن بھی ہیں۔ بہت مستعد۔ خدمت گزار اور ہر طرح واجب الامداد
عیال دار آدمی ہیں۔

وداعی مناظر بتاریخ ۱۴ ارمحرم الحرام ۱۳۶۵ھ یوم سہ شنبہ صبح عربی وقت کے تین بجے مدینہ منورہ سے روانگی مقرر ہوگئی۔ اس لئے رات کو عشار کے بعد ہم لوگ بڑے حضرت شیخ المشائخ سید حمزہ صاحب رفاعی مدظلہ العالی سے رخصتی ملاقات کرنے تیسری منزل پر حاضر ہوئے۔ حضرت سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ دیر تک سامنے بٹھلا کر توجہ باطنی سے سرفراز فرمایا۔ رخصت کے وقت خاص طور پر حضرت نے دیر تک صحت و سلامتی سے ہم لوگوں کے گھر پہونچنے کیلئے دعا فرمائی۔ تہجد کے وقت بجائے صُفّہ پر حسب معمول نماز تہجد ادا کرنے کے پائیں اقدس میں نماز ادا کی۔ اور مواجہ مبارک میں حاضر ہو کر نام بنام تمام احباب۔ اعزہ اور جن لوگوں نے خاص طور پر اپنے نام لکھوا دیے تھے ان سب کیلئے اور اپنے لئے معروضات پیش کئے۔ قلب پر سکینہ کا نہ کا بحمد للہ نزول ہوا۔ پہلے ہی دو جہاں کی رحمت سرکار عالم و عالمیان کی غلام نوازیوں نے بُعد کے منازل قرب سے تبدیل فرما دیے تھے اور بوجدان ہر ذرہ وجود پر رحمت محمدی کو محیط الکل پا رہے تھے۔ اس لئے عوالم ظاہری و باطنی ہر دو میں کسی مفارقت کا شمہ برابر اثر نہ تھا۔ اور بحمد للہ اس کا حق الیقین حاصل تھا کہ گنبد خضرا ے

قلب کے یکین کو انشاء اللہ جب ذرا گردن جھکائیں گے دیکھ لیں گے۔ نماز چاشت کے بعد جائے قیام پر آئے اور رفقاء و حضرت سید احمد صاحب رفاعی محب قلبی کے ہمراہ نہاری کا ناشتہ کر کے والدہ ماجدہ کے پاس رخصتی کے لئے حاضر ہوئے۔ اللہ اللہ اس وقت دل کی بیقراری اور باوجود ضبط بے اختیارانہ آہ وزاری کا کیا حال بیان کیا جائے حضرتہ کو ہمراہ لیکر ہم دونوں بھائی حرم پاک نبوی میں مواجہ اقدس میں پہونچ گئے۔ ہم جاں نثار وعسکر رسول اللہ انصاریوں کے نام لیواؤں نے آج اپنی زندگی کی سب سے زیادہ عزیز متاع سب سے زیادہ قیمتی چیز سرکار دو عالم کی نذر کر دی ہے اور وہ ہماری ربیہ ہماری عزیز حقیقی ماں ہے جنہوں نے اپنے پرایوں کو زندگی کے آرام و آسایشوں کو سرکار کے لئے جیتے جی چھوڑ دیا سب سے منہ موڑ لیا۔ اور بس ایک ہی کی ہو رہیں ایک کے دروازہ پر آپڑیں۔ ایک کی چوکھٹ کی جبہ سائی کو اپنا مقصد زندگی قرار دے لیا۔ کبرسنی اور امراض وصدموں کے سہنے سے ضعف کا یہ عالم کہ چند قدم بغیر ہمت و سہارے کے چل نہیں سکتی ہیں اور ہر وقت کسی دیکھ بھال کرنیوالے کی اشد ضرورت ہے۔ مگر حضرتہ نے حب رسول اکرم میں

سب گوارا کریں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سرکار کے قدم مبارک میں ہجرت کر کے آپڑیں۔ ذکر اس کا تھا کہ ہم لوگوں کے لئے زندگی کی سب سے گرانبہا متاع والدہ ماجدہ کا وجود ہے۔ جن کی بے لوث اغراض سے پاک۔ صلہ سے بے نیاز۔ شفقت ومحبت الہ العالمین ربّ الارباب کی شان ارحم الراحمین کا ایک ظہور خاص ہوا کرتی ہے۔ یہ متاع عزیز جو حضرت والد ماجد قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہم لوگوں کے لئے عزیز تر ہو گئی تھی۔ آج ہم سے چھوٹ رہی ہے۔ ہم اُن کی محبت وشفقت سے دور اور ہزار ہا کوس دُور چلے جا رہے ہیں۔ بیچ میں بے پایاں تواج سمندر حائل ہے ؎

شب تاریک بیم موجِ گرداب چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحل ہا

اور پھر نہ معلوم وقت وبخت مساعدت کر کے دوبارہ زندگی میں ان مبارک قدموں تک ہم کو پہونچا تا بھی ہے۔ یا عالم ظاہری کی یہ آخری ملاقات ہے۔ اور دوبارہ عالم برزخ اور لواء الحمد کے نیچے ملنا ہوتا ہے۔ کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ دل خون ہوا جا رہا تھا۔ مواجہ اقدس میں حضرت نے اُن کے یمین ویسار میں کھڑے ہوئے ہم دونوں بھائیوں کا ہاتھ پکڑ کر پناہِ بیکساں مادیٔ وملجائے مستمندان

سرکارِ عالم دعا میاں سے زیرلب آہستہ آہستہ کچھ معروضات کئے۔ اتنے میں عبدالجلیل صاحب وکیل نے بآوازِ بلند نہایت درد ناکی سے وداعی صلوٰۃ وسلام پڑھوانا شروع کردیا۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرت خاتون جنت کے مقام پر حضرت والدہ ماجدہ مدظلہا نے ہم لوگوں کو رخصت فرمادیا۔ قریب تھا کہ ہم کو غش آجاتا جب کہ حضرتہ نے باربار باصرار ارشاد فرمایا کہ میاں میری غلطیوں کو معاف کردینا۔ اگر میں کبھی خفا ہوئی ہوں تو وہ دنیا کیلئے میری غلطی سے تھا۔ اس کا کوئی خیال نہ کرنا۔ اللہ اکبر۔ رحمت کے اس کمال کے حال کا وہم وگمان تک نہ تھا۔ والدین کو یہ حق حاصل ہے کہ جا ہو یا بے جا ہر وقت اولاد کی اصلاح کے لئے اس کو سرزنش کرتے رہیں اور اولاد کی یہ سعادت مندی وفرض عین ہے کہ وہ ہمیں خوشی والدین کی خفگی کو رحمتِ الٰہی سمجھ کر انگیز کرلیں۔ شفقت اور رحمت کی حد ہوگئی۔ یکایک گوشِ روحانی میں ایک نہایت بلند آواز آئی جس سے دل میں زلزلہ نما کیفیت نمودار ہوگئی۔

دیکھو اور خوب دیکھو ظاہری ماں کی کمال رحمت کا حال تم نے دیکھ ہی لیا۔ اب حقیقی ماں ستر ہزار ماؤں سے زیادہ چاہنے والی ماں

روحِ حبیب الکونین اعتبار عاصی کو بخشوانے ہیں حریفیں ماں اُنکی
کیسی بے پایاں شفقت و محبت قبر میں حشر میں نشر میں ہو گی
اس کو خوب سمجھ لو۔ مجاز میں تو نمونہ دیکھ لیا ہے۔ حقیقت میں بھی
اس سے زیادہ مرحمت کی توقع رکھو۔ جب حقیقت مفارقت
روح کے وقت کامل طور پر برانگندہ نقاب ہو کر اصلی ماں
کے روپ میں سامنے آجائیگی تو ساری کلفتیں دُور ہو جائیں گی۔"

روح نے وجد کیا اور بیشمار بار نعرہ لگایا کہ روحی فداک یا رسول اللہ۔ آپؐ
جان دل تصدق ہو جائیں۔ واقعی آپ نبی اُمّی یعنے تمام کائنات کی اصلی
حقیقی ماں ہیں۔ عالم وجد میں روتے ہوئے والدہ ماجدہ سے عرض کی کہ آپ
دُعا اور خاص طور سے دعا فرمائیے کہ میں نے بھاؤ نیو رکے متعلق جس عظیم الشان
کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ بطفیل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مجھے اس میں کامیابی عطا فرماویں تاکہ میں سُکان مدینہ طیبہ رسول کریم کے
پڑوسیوں کی کماحقہٗ دل کھول کر خدمت کر سکوں یا اور کوئی ایسی غیبی امداد
مجھے بہم پہونچ جائے کہ آئندہ سال میں مع اپنے تمام عیال و اطفال بیوی
بچوں کے مدینہ منورہ حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کر سکوں۔

بادلِ بریاں وچشمِ گریاں حضرت کو بمقام خاتون جنت کے بائیں حرم پاک نبوی میں چھوڑ کر مرخص ہو گئے۔ اور باب النساء کے بوّاب کو نذر دیتے ہوئے تیار موٹر لاری تک آکر سوار ہو گئے۔ بہت سے لوگ لاری تک رخصت کرنے آرہے تھے۔ لاری چلی اور باب العنبریہ یثرب پاک۔ مدینہ طیبہ کے آخری دروازہ پر پہونچی تو وہاں حضرت اخی روحی محب قلبی سید احمد صاحب رفاعی معہ اپنے تمام بھائیوں کے رخصت کرنے اتنے دور مقام پر آکر منتظر پائے گئے۔ یہ بھی شہنشاہِ کونین سرکارِ دوعالم ارواحنا فداہ کی طرف سے اپنے جاں نثاروں اور غلاموں کے لئے ایک خاص عزت افزائی تھی کہ اپنی آل۔ اپنے جز اپنے نواسوں کو غلاموں کے مرخص کرنے باب المدینہ تک بھیج دیا تھا۔ حضرت سید احمد صاحب رفاعی کے نہ صرف بڑے صاحبزادے اور اُن کی طرف سے خلیفہ مجاز اور صحیح جانشیں ہیں بلکہ اپنے والد محترم کے کمالات روحانی میں بالکل قدم بقدم ہیں۔ معانقہ کرکے وعدہ فرمایا کہ حتی الوسع جلد وہ ہمارے وکیل جاوہ صالح لسیونی کے پاس ہماری فرمائش جس کی استدعا کی گئی تھی بذریعہ پارسل روانہ فرمادیں گے۔ ہماری فرمائش و استدعا کیا تھی اُس کا بھی

حال سنیئے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمِ ظاہری سے پردہ فرمالینے کے بعد حجرۂ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار کی آرامگاہ قرار پایا۔ جس کی دیواریں خام اور کھجور کے تنوں پر کھجور کے پتوں سے چھت پائی ہوئی تھی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے جو خلفائے بنی امیہ میں خلفائے راشدین کی سچی مثال تھے۔ اس خام حجرہ کو بجنسہ بحال رکھکر اس کے اطراف ایک بہت مستحکم حصار تعمیر کروادیا تھا۔ اسی حصار پر خلفائے عثمانیہ میں سے جو خلیفہ تخت نشین ہوتا تھا وہ سبز ریشم کا غلاف پہنایا کرتا تھا۔ چنانچہ موجودہ غلاف سلطان محمد رشاد خاں کا پیش کردہ ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے محصورہ تیار کردینے کے بعد سے تیرہ سو سال کی مدت طویل سے کبھی کوئی شخص اس محصورہ کے اندر خاص الخاص حجرۂ پاک میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس محصورہ کے اطراف ایک غلام گردش غلام گردش کے ہر طرف سبز آہنی جالیاں لگا دی گئی ہیں۔ ترکوں کے زمانہ میں صرف اغوات جو خدام حرم پاک نبوی عہد سلطان صلاح الدین ایوبی سے قرار پاچکے ہیں اس بندجالی کے اندر غلام گردش میں جاکر جھاڑو

دیا کرتے تھے۔ اور روزانہ شام کو جواہر نگار شمعدانوں میں قدآدم کافوری

موم بتیاں جس میں مشک و عنبر کی آمیزش ہوتی تھی روشن کرتے تھے۔ سلطان

صلاح الدین ایوبی نے حرم پاک نبوی کیلئے خصوصیت سے اغواط کا انتخاب

اس لئے کیا تھا کہ اغواط جو عموماً سوڈان وغیرہ میں پیدائشی طور پر خنثہ تولد

ہوتے ہیں۔ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ اور ذکور وانات خادم اگر خدمت حرم پاک

کے لئے رکھے جاتے تو ہر دو کے قدرتی طور پر جنبی و ناپاک دفعتاً ہو جانیکا احتمال

تھا۔ حکومت ترکیہ عثمانیہ کے زمانہ میں سوڈان سے تلاش کر کے حرم پاک کے

لئے اغواط روانہ کئے جاتے تھے اور ان لوگوں کو جیش قرار ماہوار اس خدمت

جلیلہ کے صلہ میں ملتی تھی۔ انقلاب حکومت کے بعد مملکت سعودیہ عربیہ کے زمانہ

میں اغواط تو باقی رکھے گئے۔ مگر ان کے گزارہ کا کوئی بندوبست بجز زائرین

کی نذر کے نہیں رہا۔ اور اب ان کے سپرد صرف آہنی بنرجالیوں کے

زمانہ رمضان میں ایک بار شب جمعہ کی جاروب کشی کی خدمت باقی رکھی گئی ہے۔

ہمیشہ سے شیخ الاغواط ان کے صدر کا خاص مرتبہ اور باطنی طور پر خاص مقام

ہوا کرتا ہے اور ان کو شرف ہمکلامی سرور عالمین کا افتخار حاصل ہے۔ سابق

شیخ الاغواط نعمہ رضا صاحب مرحوم کی کافی عمر ہوئی اور جواں تک ان سے

ملے ہیں اُن کا بیان ہے کہ وہ نیم مجذوب ہو گئے تھے اور گم سم بیٹھے رہتے تھے۔ موجودہ شیخ الاغوات آغا خلیل صاحب سے ہم صُفّہ پر تقریباً روزانہ ملتے تھے اور اُن کے قریب ہی بیٹھے رہتے تھے۔ یہی دیکھا کہ وہ بھی گم سم چشم نیم باز سے جالی مبارک کو تکتے ہوئے بیٹھے رہتے۔ اگر کوئی آ کر ہم کلام ہوا تو اس سے متوجہ ہو کر بات چیت کر لی۔ اور اُچٹتی نظر سے دیکھ بھی لیا ورنہ پھر ایک ہی جانب ٹکٹکی لگی رہتی۔ آہا۔ ہا۔ ہا۔

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سُننا تجھ میں گم ہونا
طریقت معرفت اہلِ حقیقت اس کو کہتے ہیں

بہر حال ذکر اس کا تھا کہ تیرہ سو سال کی مدت طویل سے کبھی کوئی متنفس اصل حجرہ پاک نبوی کے اندر داخل نہ ہوا تھا۔ مگر سلطان عبد المجید خاں مرحوم خلیفہ ترکی نے جو بڑے حضرت شیخ المشائخ سید حمزہ صاحب رفاعی کے عاشقِ زار مرید تھے۔ حضرت کے پاس خاص طور سے یہ فرمائش روانہ کی کہ آپ کے بڑے صاحبزادے سید احمد رفاعی مقصورہ کے اندر داخل ہو کر اصل حجرہ پاک میں جا کر وہاں سے مزارِ اطہر خاص آرامگاہ نبوی کی مٹی تبرکاً لے آئیں تاکہ سلطان اس کو مرنے کے بعد اپنے کفن میں لے جا سکیں۔ سلطان المعظم کے

خاص حکم سے حضرت سید احمد صاحب رفاعی کا بیان ہے کہ انہوں نے محصورہ کے اندر داخل ہو کر جب اصل حجرہ پاک میں داخلی کا شرف حاصل کیا تو دیکھا کہ بجنسہ حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جوں کا توں عہد نبوی کا تعمیر کردہ کھجور کے پتوں کی چھت اور کھجور کے تنوں اور مٹی کی دیواروں پر قائم تھا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آرامگاہ نبوی علیہ الف الف تحیات و التسلیم کے علاوہ صرف ایک اور قبر کی جگہ اصل حجرہ میں باقی تھی جو حسب پیشین گوئی حدیث صحیح حضرت عیسیٰ روح اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ تربت اطہر واقدس پر حضرت خالد ابن ولید سیف اللہ کا پیش کردہ ایک لکڑی کا غلاف تھا۔ سید احمد صاحب کا بیان ہے کہ خالی مقام پر جو حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مرقد بننے والا ہے کھڑے ہو کر جیسے ہی انہوں نے "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا جَدِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" عرض کیا یکایک چمک برق سے زیادہ تیز و تند اور روشن ایک تجلی عظیم مرقد انور سے نمایاں ہوئی جس کی وہ کسی طرح تاب نہ لا سکے اور بے اختیار چیخ مار کر قطعی بیہوش ہو گئے۔

تو باین جمال و خوبی سر طور گر خرامی
ارنی بگو سر آنکس کہ بگفت لن ترانی

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا یکایک بڑے حضرت شیخ المشائخ سید حمزہ صاحب نے جو مقصورہ کے باہر ٹھیرے ہوئے تھے بذریعہ کشف اندر کی حالت معلوم کرلی اور بہ سرعت تمام اپنے ہمراہ تین اصل نسل سادات اپنے خلفاء و ذاکر شاغل سلوک طے کئے ہوئے لوگوں کو لیکر اندر تشریف لیگئے وہ لوگ حضرت سید احمد رفاعی کو باہر نکال لائے اور بڑے حضرت نے لکڑی کا غلاف مبارک ہٹاکر مزار اطہر و اقدس سے جو بالکل خام مٹی کی تھی۔ خاک پاک حسب التجائے سلطان المعظم حاصل کرلی۔ اس خاک پاک میں سے جن کی قیمت تمام جہان دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ ہے۔ بڑا حصہ سلطان المعظم عبدالمجید خاں صاحب مرحوم کے لئے روانہ کردیا گیا۔ کچھ حصہ حضرت سید احمد صاحب رفاعی کے پاس موجود رہے جس میں سے تھوڑی سی انہوں نے خود ہمارے ظل اللہ امیر المومنین عاشق محبوب رب العالمین اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کو پیش کی تھی۔ ہم لوگوں کی روانگی کے دن جب کہ انہوں نے ازراہ تلطف و مہمان نوازی

ہمارے ہمراہ ناشتہ میں شرکت فرمائی تو ہم نے بعجز و الحاح اُن سے التجا کی کہ حضرت اگر ایک چاول برابر وہ خاک پاک ہم کو بھی مرحمت ہو جائے جو تیرہ سو سال میں کسی کو میسر نہ ہو سکی تھی تو ہم قبر میں اس کو اپنی آنکھ کے اندر رکھ کر ساتھ لے جائیں گے۔ بقول حضرت امجدؔ۔

عصیاں سے ہے سینہ چاک طیبہ والے

ناپاک کو کر دے پاک طیبہ والے

بھر دے چشم حریص میں امجدؔ کی

اپنے قدموں کی خاک طیبہ والے

جواباً حضرت سید احمد صاحب رفاعی نے فرمایا کہ آپ نے بہت تنگ وقت میں فرمائش کی ہے۔ وہ تبرک بہت ہی حفاظت سے مکان کی چوتھی منزل پر ایک بہت محفوظ مقام میں ایسے مستحکم صندوق میں ہے جس پر قفل ابجد پڑا ہوا ہے۔ اس قفل کو میرے سوائے کوئی کھول نہیں سکتا۔ اس میں دیر لگے گی۔ انشاء اللہ میں آپ کے وکیل جدہ کے پاس بذریعہ پارسل وہ تبرک روانہ کر دوں گا۔

مدینہ منورہ تا مکہ معظمہ | ۱۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ یوم شنبہ تین بجے عربی وقت

مدینہ طیبہ سے لاری پر ہم لوگ روانہ ہوئے۔ حبشی ڈرائیور علی عرف
ثمامتہ العنبر نے جو اپنے گھر مکہ معظمہ لوٹ جانے کا کئی دن سے متقاضی تھا۔
موٹر کو کمالِ سرعت سے اڑانا شروع کر دیا۔ اور جلد جلد منازل طے کرتا ہوا
دوپہر کو بیر حسان پہونچکر تھوڑی دیر کے لئے لاری کو روک دیا۔ پھر بہت ہی
دشوار گزار منزل خالص صحرائی ریت کی شروع ہوئی۔ کمال فن سے
ثمامتہ العنبر نے اس ڈیڑھ سو میل کی منزل کو چند گھنٹوں میں عبور کرایا
مغرب کے تھوڑی دیر بعد ہی رابغ پہونچا دیا۔ راستہ میں متعدد موٹریں
خراب ہو کر رکی ہوئی پائی گئیں۔ یہ بھی مالک کا فضلِ خاص تھا کہ بغیر کسی حادثہ
کے ہماری لاری دشوار ترین منازل سے صحیح سلامت نکل گئی۔ رابغ میں
انڈے بہت سستے چار چار قرش کو مل رہے تھے۔ ہمارے پنجابی رفقاء
نے بلا مبالغہ فی کس چالیس پچاس انڈوں سے زیادہ کھائے۔ مدینہ
منورہ سے چلتے وقت ہمارے پیر کے زخم پھر ہرے ہو گئے تھے۔ رابغ
پہونچتے ہی ان میں بہت درد اور ٹیسیں ہونے لگے۔ مرہم پٹی کا سامان ہمراہ تھا
حسب عادت ہم نے خود مرہم پٹی کر لی۔ رات کو کھانا نہیں کھایا۔ اور اس
خیال سے لیٹ گئے کہ جلد سو جائیں گے۔ مگر توبہ کیجئے نیند کافور ہو گئی۔

اول تو سونے کے لئے جو کرسی نما چارپائی ملی تھی وہ ازحد تنگ اور اُس میں

بھی لکڑیاں ٹیڑہی ہونیکی وجہ سے نشیب و فراز پھر ہمارے بستر کے بازو

ہی بیت الخلا رعام تھا۔ تمام رات اِس قدر نحنت وشدید تھن آتی رہی کہ

دم اُلٹ گیا بمشکل نصف گھنٹہ رات بھر میں سو سکے تھے۔ صبح نماز کے بعد

پھر جو چلے تو خدا کے فضل سے ظہر کی نماز سے پہلے جدہ پہونچ گئے معظم الاخوان

نائب قونسل شاہجہان کبیر سے ملنے چلے گئے۔ حج سے قبل شاہجہان کبیر نے

بدو بنگالی میں حصول دوا کے لئے بہت سے وعدے وعید کئے تھے۔ مگر عین

وقت پر طوطے کیطرح آنکھیں بدلیں۔ اُن کا وعدہ تھا کہ ہم ۱۲ ڈسمبر کے جہاز

میں ضرور جگہ دلوائیں گے۔ مگر اس میں تو کیا جگہ دیتے۔ کہنے لگے کہ ۲۰

جنوری کے بدترین جہاز جہانگیر شاہجہاں کے پدر بزرگوار کے ہم نام

کے اوپر جگہ دیں گے۔ لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ۔ نماز ظہر کے بعد جدہ میں

ہم لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھ لیا۔ اور عصر سے پہلے جدہ سے

روانہ ہوکر مغرب سے قبل مکہ معظمہ پہونچکر اپنے معلم عبید الرحمٰن کے یہاں

پہونچ گئے۔

مولوی عبید الرحمٰن مکی ہمارے مکہ معظمہ کے معلم عبید الرحمٰن صاحب

بہت خوب انسان ہیں۔ مکہ معظمہ کے معلمین کی طوطا چشمی بے مروتی کے
افسانے ایک زمانہ سے حجاج کی زبانی سنا کرتے تھے۔ مگر عبدالرحمٰن صاحب
کو اس کے بالکل خلاف پایا۔ ازحد بامروت۔ سیر چشم ہیں۔ اور عجیب بات
یہ ہے کہ عام مکہ والوں کے برخلاف جو عموماً مغلوب الغضب سخت محرور المزاج
ہوا کرتے ہیں وہ ازحد سلیم الطبع اور بے زبان آدمی ہیں۔ ہم نے خود
مشاہدہ کیا ہے کہ منیٰ میں بعض اہل حدیث امرتسری ان کو بلا وجہ علانیہ
گالیاں دیتے اور برا بھلا کہہ رہے تھے۔ مگر انہوں نے سب انگیز کر لیا
اور خاموشی اختیار کر لی۔ عام طور سے معلم لوگ جیسی شاقہ محنت اور
مزدوروں کی طرح مشقت حجاج کے لئے برداشت کرتے ہیں اور ان کے
آرام و آسایش کا بندوبست کرتے ہیں۔ اس کے صلہ میں ان کی جو خدمت
بھی دامے درمے کی جائے وہ واجبی ہے۔ مگر کچھ تو اس وجہ سے کہ
حجاج اُن کا خیال نہیں رکھتے اور کچھ اس باعث کہ سال بھر میں یہی ذریعہ
آمدنی ہے۔ عام طور پر مطوف لوگ بھی ہر جائز و ناجائز طریقہ سے حجاج سے وصولی
کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ مگر عبدالرحمٰن صاحب کو ہم نے تجربتاً نہایت
قانع پایا جو کچھ دیا جائے اس کو بخوشی قبول کر لیتے ہیں۔ کوئی اصرار

نہیں کرتے۔ کوئی مطالبہ نہیں کرتے۔ ناجائز طور سے حصول منفعت کا شائبہ

تک ان میں نہیں پایا جاتا۔ انہی صفات حسنہ کے باعث تمام پنجاب کے

عموماً اور دہلوی حضرات خصوصاً سب کے سب انہی کو اپنا معلم بناتے

ہیں۔ اور جو حجاج ان کو اپنا معلم بنائیں گے۔ انشاء اللہ بہت آرام

و آسائش پائیں گے۔

قیام مکۂ معظمہ سب سے پہلے مغرب کی نماز حرم شریف میں ادا کرکے

طواف عمرہ کرنیکے بعد سعی صفا و مروہ سے فراغت کی۔ پھر سر کے

بالوں کا قصر کرواکے معلم کے پاس واپس آکر احرام اتار کر معمولی لباس

پہن لیا۔ معلم صاحب کی طرف سے بافراط عمدہ کھانا آیا۔ کھاکر سو گئے

رفقاء کو مچھروں کی شدید یورش سے نیند بہت کم آسکی۔ اس معاملہ میں

ہم تو ہمیشہ سے سخت و شدید عجیب ہیں۔ ہم کو نہ تو مچھروں کے کاٹنے کا

کوئی احساس ہوتا نہ کھٹمل کی کبھی ہم نے کوئی شکایت کی۔ اس کی اصل وجہ

یہ ہے کہ بقول در عالم جوانی کار دو جہانی بساز۔ ہم نے اپنے شباب

میں بہت سے اشغال و اذکار کئے تھے۔ اور اب ایک خاص دھن ہے

نیند سے پہلے حد درجہ مستغرق اور دنیا و مافیہا سے بفضل ربی بالکل غافل

ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس کا احساس کہ مچھر کاٹ رہے ہیں یا کھٹمل کچھ نہیں ہوتا۔

۱۶ رمحرم الحرام ۱۳۶۵ھ یوم پنجشنبہ کو معلم الاخوان نے باب الوداع کے پاس سابق قیام گاہ کے مکان میں اس کا اعلیٰ ترین وسیع کمرہ جو حج کے زمانہ میں ڈہائی ہزار ریال میں افریقہ کے حاجیوں کو دیا گیا تھا۔ دو ریال یومیہ کرایہ پر ٹھیرا لیا۔ اور سب سامان اس میں منتقل کر کے ہم لوگ آگئے۔ یہ کمرہ بہت آرام دہ۔ وسیع اور حرم شریف سے بالکل متصل ہے۔ حتیٰ کہ نماز با جماعت میں اس کے اندر سے شرکت کی جا سکتی ہے۔ الحمد للہ پانچوں وقت کی نماز حرم شریف میں باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ اور جس قدر ممکن ہو سکے طواف کی نعمت جو تمام جہان میں صرف کعبۃ اللہ میں میسر ہو سکتی ہے با فراط حاصل ہو رہی ہے۔ اکثر تہجد کے وقت حرم شریف میں پہونچ کر طواف صبح کی نماز تک کرتے رہتے ہیں اور ہر نماز باجماعت کے بعد بھی بحمد للہ کئی طواف کر لئے جاتے ہیں۔

طوفِ حرم میں قول ہے تیرے تمرا بخوار کا
حلقۂ کعبہ دور ہے بادۂ خوشگوار کا

حالتِ طواف میں عجیب مدہوشی، عجیب سرشاری میسر ہوتی رہتی ہے مندرجہ

ذیل اشعار باوقات مختلف بیت اللہ شریف خانہ کعبہ کے روبرو ازحد

قرب کا موجب ہوئے۔ از حضرت احمد کل۔

(۱) یارب اک تو ہی رہنما ہے میرا

جز تیرے جہاں میں اور کیا ہے میرا

ہے ننگ تجھے کہ میں تیرا بندہ ہوں

ہے فخر مجھے کہ تو خدا ہے میرا

---

(۲) تا چند مصیبت میں گزاروں یارب

کیوں در پہ تیرے سر کو نہ ماروں یارب

لے دے غریب کو سہارا ہے تیرا

جب تو نہ سنے کسے پکاروں یارب

---

(۳) جھولی بندے کی بندہ پرور بھر دے

کشکول میں مقصود کے گوہر بھر دے

صدقہ تیرے میخانہ کے میخواروں کا

اے ساقی کوثر میرا ساغر بھر دے

دوسری بار مندرجہ ذیل عرضی نے خانہ کعبہ کے دروازہ کے روبرو کچھ عجیب ہی لطف دیا۔

دستِ طلب نہیں رہا دستِ کرم تو ہے دراز
مل ہی رہے گا کچھ نہ کچھ ہاتھ یوں ہی بڑھائے جا
اے نگرانِ کائنات میں ہوں ترا ہی عکسِ ذات
بگڑی ہوئی میری بات جیسے بنے بنائے جا

گنبدِ خضرائے مدینہ کے سبز جالیوں کا نقش کچھ ایسا قلب و دماغ پر کالحجر مرتسم ہوگیا اور جم گیا ہے کہ طوافِ کعبہ میں برابر یہی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سبز جالیوں کے اطراف طواف ہو رہا ہے۔ ان سبز جالیوں کا جس کے اندر اللہ اللہ وہ برقی تجلی وہ سراجاً منیراً مستور ہے جس کے پَرتو سے تمام عالمین میں رحمت کاملہ کی روح طاری و ساری ہے وہ قلبِ عظیم دھڑک رہا ہے جس کی مبارک حرکت سے تمام کائنات میں روح حیات متحرک ہے۔ ہاں وہ سبز جالیاں جس کے اندر تمام جب کائنات کی روحِ اعظم مصداقِ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُورِی مرأتِ جمالِ لم یزالی۔ نقطۂ ظہورِ اولین، خاتم المرسلین، محبوبِ ربّ العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ!

صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس نعت فرماتے ہیں ؎

مسند آرائے نبوت باعثِ ارض و سما
سیدِ عرب و عجم سرکردۂ ہر دو سرا
برگزیدۂ انبیاء و اولیاء و اصفیاء
صد صلوٰۃ و سلام از من بتو صبح و مسا
یا حبیبی سیدی اللہ اُنظر حالنا
سیدا ارواح خدا کن اک نظر بر حالِ ما
گمراہاں را رہنما و رہرواں را مقتدا
نہ فلکِ معراج تو عرشِ مجید ت متکا۔

اَرْوَاحُنَا فِدَاہُ مِنْ یَوْمِنَا ھٰذَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

اخی روحی حضرت امجد صاحب دام مجدہٗ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ایمان کی تکمیل اے امجد ہوتی ہے نبی کی زیارت سے
تم کعبہ جسے کہتے ہو وہ نصف مکان مدینہ ہے

ہمارے طریق میں مشاہدات غیبی کا بہت اخفا کیا جاتا ہے۔ مگر سبز جالیوں کے ذکر پر دل نہیں مانتا۔ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے۔ ہم نے بار بار

ابنِ سعود نے بہت اہتمام سے حرمین شریفین میں بیدریغ روپیہ صرف کر کے روٹیاں تقسیم کرائیں۔ ہمارے وطن حیدرآباد دکن سے بھی ماشاء اللہ ایک خطیر رقم یعنے آٹھ ہزار روپیہ ماہوار مدینہ طیبہ اسی غرض سے ارسال کیا جاتا ہے۔ مگر اس خصوص میں جو کچھ ہم نے مدینہ طیبہ میں نہایت معتبر لوگوں سے سنا اس کو مطلق دُہرانا نہیں چاہتے۔ حضرت والد ماجد قبلہ علامہ لقمان الملک حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام مدت العمر کی کمائی تقریباً ڈہائی لاکھ روپیہ صرف کر کے طیبہ منزل کے نام سے کناٹ پلیس نئی دہلی میں ایک بلڈنگ وقف کی تھی جس کا افتتاح ہمارے ظل اللہ جہاں پناہ نے بہ نفسِ نفیس اپنے دستِ مبارک سے فرمایا تھا۔ وہ جائیداد اس غرض سے وقف کیگئی تھی کہ مدینہ منورہ میں ایک جامعہ طبیہ قائم کر کے طب اسلامی کا عرب میں خصوصاً اور ممالک اسلامیہ میں عموماً احیاء کیا جائے۔ فی الحال ہمارے ناچیز مشورہ سے وقتاً فوقتاً دو ڈہائی سال سے کافی رقومات روٹی کی تقسیم کے لیے سفیر صاحب مملکت نجد و حجاز مقیم بمبئی کے ذریعہ حکومت کے حوالہ کر دیے جاتے ہیں اور ہمارے تجربہ و مشاہدہ میں یہی طریق سب سے زیادہ اسلم و غیر مشتبہ ہے بہرحال ہمارا ایمان ہے کہ سلطان کی یہ خدمت جو انہوں نے حرمین شریفین کے

ابنِ سعود نے بہت اہتمام سے حرمین شریفین میں بیدریغ روپیہ صرف کرکے روٹیاں تقسیم کرائیں۔ ہمارے وطن حیدرآباد دکن سے بھی ماشاء اللہ ایک خطیر رقم یعنی آٹھ ہزار روپیہ ماہوار مدینہ طیبہ اسی غرض سے ارسال کیا جاتا ہے۔ مگر اس خصوص میں جو کچھ ہم نے مدینہ طیبہ میں نہایت معتبر لوگوں سے سُنا اس کو مطلق دُہرانا نہیں چاہتے۔ حضرت والا جاہ قبلہ علامہ نعمان الملک حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام مدت العمر کی کمائی تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ صرف کرکے طیبہ منزل کے نام سے کناٹ پلیس نئی دہلی میں ایک بلڈنگ وقف کی تھی جس کا افتتاح ہمارے ظِلّ اللہ جہاں پناہ نے بنفسِ نفیس اپنے دستِ مبارک سے فرمایا تھا۔ وہ جائیداد اس غرض سے وقف کی گئی تھی کہ مدینہ منورہ میں ایک جامعہ طبیہ قائم کرکے طبِ اسلامی کا عرب میں خصوصاً اور ممالکِ اسلامیہ میں عموماً احیاء کیا جائے۔ فی الحال ہمارے ناچیز مشورہ سے وقتاً فوقتاً دو ڈھائی سال سے کافی رقومات روٹی کی تقسیم کے لیے سفیر صاحب مملکت نجد و حجاز مقیم بمبئی کے ذریعہ حکومت کے حوالہ کردیے جاتے ہیں اور ہمارے تجربہ و مشاہدہ میں یہی طریق سب سے زیادہ اسلم و غیر مشتبہ ہے بہرحال ہمارا ایمان ہے کہ سلطان کی یہ خدمت جو انہوں نے حرمین شریفین کے

باتیں ہوں گی ۔ ارحم الراحمین کو پسند آگئی اور اس نے بطور بنیادی اعظم اجر پٹرول کے اتنے بڑے چشمے حجاز میں برآمد فرما دیئے ۔ مبصرین و ماہرین امریکہ کا اندازہ ہے کہ ایرانی چشموں سے حجازی چشمے تقریباً پانچ گنا بڑے ہیں ۔ ابھی مکمل طور پر برآمدگی کا بندوبست نہیں ہوا ہے نہ پائپ لائن بنائی گئی ہے ۔ مگر سنا گیا ہے کہ روزانہ ایک لاکھ ریال کی رقم خطیر بطور حق مالکانہ ملک الحجاز کو مل رہی ہے اور پٹرول حجاز میں اس قدر سستا ہے کہ کوئی چیز اس سے زیادہ سستی نہیں ۔ بارہ گیلن کا ایک بڑا پیپہ چار ریال کو مل جاتا ہے ۔

مراجعت | پہلی بار الحمد للہ تقریباً ایک اربعین چالیس روز مکہ معظمہ میں قیام رہا تھا ۔ مدینہ طیبہ سے واپس آکر دس روز شرف قیام حاصل رہا ۔ جدہ سے اطلاع مل گئی کہ ۲۰ ؍ دسمبر کے جہاز علوی میں شاہجہاں کبیر صاحب نائب کونسل نے جگہ دے دی ہے اور معظم الاخوان بھائی صاحب کا ٹکٹ ڈک سے بدل کر فرسٹ کلاس کا کر دیا گیا ہے ۔ مگر ہمارا ٹکٹ شاہجہاں صاحب نے تبدیل نہیں کیا ۔ دوسری بار کی حاضری مکہ معظمہ میں بحمد للہ دوسرا جمعہ حرم بیت اللہ شریف میں خاص مقام ابراہیم میں پڑھ کر آخری طواف وداع کیا گیا ۔ جذبات کا دریا قلب میں موجزن تھا ملتزم پر بہت ہی خشوع و خضوع سے اپنے احباب ۔ اقربا ۔ احبار اور اعداء

کے لئے دعائے خیر کیگئی اور مکین لامکاں کے گھر کعبۃ اللہ شریف کو نظرِ حسرت سے دیکھتے ہوئے اُلٹے پاؤں باب الوداع تک آکر دروازہ پر آخری بار دعا کرکے باب ابراہیم پر حکومت کی عطیہ لاری میں سوار ہوگئے اور دو گھنٹے میں عصر سے پہلے جدہ پہونچ گئے۔ اپنے وکیل صالح بسیونی صاحب کے یہاں سہ منزلہ پر جہاں پہلے قیام ہوا تھا ٹھہر گئے۔ دوسرے روز تاریخ ۲۹ ردسمبر ۱۹۴۵ء اس قدر سخت وتند طوفان باد آیا کہ سورج چھپ گیا۔ گرد وغبار کی کثرت سے چند قدم کے مناظر نظر سے مستور ہوگئے۔ تاریکی سی چھاگئی اور ہر چیز گرد سے اَٹ گئی۔ ہوا میں ایسی شدت تیزی وتندی تھی کہ مکان کی تیسری منزل کی دیواریں بار بار ہل جاتی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے زلزلہ آرہا ہے اور مکان خدانخواستہ منہدم ہوجائیگا۔ صبح صادق سے طوفان شروع ہوگیا۔ ہمارے پنجابی رفیق جید پریشان ہوگئے۔ ہم نے کہا کہ سفرِ حج وزیارت انتہائی امتحان عبدیت وتشتر ہے جسمیں متعدد پرچے دیئے جاتے ہیں۔ ایک پرچہ شکر کا ہے۔ ایک پرچہ خدمت خلق کے متعلق ہے۔ ایک ادب کا پرچہ ہے کہ ہر ایک مقام پر اِس جگہ کا احترام کما حقہٗ ملحوظ رکھا گیا یا نہیں۔ اب آخری نفس کیلئے نہایت درجہ شاق اور کٹھن پرچہ صبر تسلیم ورضا کا ہم لوگوں کیلئے باقی رہ گیا ہے۔ اِسی پرچہ کی یہ ابتدا ہوچکی ہے

مُصمم ارادہ کر لیجیئے کہ ہر مشیت کو یہ خندہ پیشانی انگیز کر کے پورے نہ سہی نصف نمبر تو اس پرچہ میں حاصل کر لیں۔ باقی رہی یہ طوفانی ہوا اس کے چلنے کی پیشنگوئی آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ ہم بار بار مکہ معظمہ میں کر چکے تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آج ہی پہلی شب کو یہ طوفان باد ختم ہو جائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور بارہ بجے رات کے بعد ہوا تو ہوا ہوگئی اور نزول باران رحمت ہونے لگا اطلاع ملی کہ طوفان کی وجہ سے جہاز علوی بجائے ۳۰ تاریخ کے ۳۱ دسمبر کو روانہ ہوگا۔

ملک الحجاز والنجد سلطان ابن سعود اور اُن کے وزیر مالیہ عبداللہ سلیمان صاحب کی طرف سے بتاریخ ۳۰ دسمبر یوم یکشنبہ مطابق ۲۴ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ ہجری معظم الاخوان حکیم عبدالقادر صاحب انصاری سلطان کے معالج کو خلعت شاہانہ عطا ہوا خلعت میں دو شالے تریں عقال۔ زرین عربی جبّے۔ دو عدد طلائی گھڑیاں جن پر ان کی حکومت کا شاہی نشان مرتسم تھا۔ عطا ہوئیں۔

اور عین اُسی روز اُسی تاریخ کو اس غلام غلامان آلِ محمدؐ خاک پائے آلِ عبا، خادم الغرباء فقیر دعاگو خسرو شاہ نظامی کو اتنی بڑی نعمتِ عظمیٰ حاصل ہوئی۔ جس کے مقابلہ میں صحیح معنوں میں دولتِ ہفت اقلیم بھی ہیچ دیوچ ہے جس پر اگر دنیا و ما فیہا کو قربان و تصدق کر دیا جائے تو بجا و درست ہے

منزل ھاھوت میں اڑائے لئے چلے جا۔ ہے تجھے اڑائے لئے چلے جارہے ہیں تجھے کیا عرض کروں کہ کیا دیکھا؟ "آنکھ محو دید تھی اتنا تو مجھ کو ہوش ہے"۔ انوارِ لامتناہی کا مواج و متلاطم سمندر پھٹ پڑا اور نور کے بادلوں میں ملفوف دیکھا کہ میرا پیارا خواجہ میرے رسول کا لاڈلا فرزند دلبند وہ گنبدِ خضرٰی والے اپنے جدِ محترم کی ہمراہی میں امتِ مرحومہ کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو کھجور کے درخت کی عالم برزخ والی ہیکل کبرٰی میں جوڑنے اور باندھنے والا' وہی میرا پیارا خواجہ' بہ ہزاراں اندازِ محبوبی دلربائی متبسمانہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا ہے' ہاں دیکھ رہا ہے' اور وہ جس نے بہر دل بردن من' آپ کی شباہت میں اپنے کو دکھلایا تھا وہ' تو دیکھتا ہی رہتا ہے' ہر لحظہ و ہر آن نئی نئی شان سے دیکھتا ہی رہتا ہے' بر عکس رخ خویش نگارم نگران شد۔ مزا یہ تھا میری روح کی کھلی ہوئی آنکھ بھی اُسے دیکھ رہی تھی دید کے مزے لوٹ رہی تھی ضَلِّ کَاَنَّكَ تَرَاهُ آج پورا ہو چکا' اور

"ہم خدا در ذاتش آمد"

کی منزل بحمد اللہ پوری ہو گئی اور "ہم رسول" والی منزل تو سالہا سال پہلے انجام کو پہنچ چکی ہے کہ حجرۂ آثارِ مبارک سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں آٹھ سال قبل تجلی شب کے وقت عین عالمِ بیداری میں دیکھا گیا تھا' کہ ایک چاند نے اس مقام پر جلوہ فرمائی کی ہے جہاں آثارِ اقدس میرے پیارے خواجہ آپ کے جدِ محترم کے رکھے ہوئے ہیں اور جہاں ہمیشہ صلوٰۃ و سلام گزرانا جاتا ہے' چہرۂ اقدس و انور کی آفتاب مثال لمعانیاں اس درجہ ضوفشاں تھیں کہ حجرے کے سامنے والا دالان سیلابِ نور سے بھر گیا تھا اور تاریکی میں لگے ہوئے قطعاتِ قرآن میں سے کٓھٰیٰعٓصٓ والا قطعہ دفورِ نور سے جگمگا گیا تھا منبعِ نور کو جب پھر دیکھا تو وہی چہرۂ انور تھا جس کی قسم مالک نے وَالشَّمس کہکر قرآن میں کھائی ہے' ہاں وہ تو وہی تھے مرآتِ جمالِ لم یزالی'

تو بہ این جمال و خوبی سرِ طور گر خرامی
ارنی بہ گوید آنکس کہ بہ گفت لن ترانی

اور زیادہ غور سے دیکھا تو حلیہ بعینہٖ میرے خواجہ ابن رسول اللہ کا تھا' چیخ مار کر پروانہ وار تصدق ہوا اور روح نے بے شمار سجدے روحِ جسد الکونین کو یہ کہتے ہوئے کئے۔ کہ

قبلۂ دین کعبۂ جان یارسول اللہ توئی — سجدۂ مسکین حسن ہر لحظہ بادا سوئے

بہرحال تذکرہ تو آج ۱۴ رجب ۱۳۶۱ھ والی چودھویں رات کی واردات کا تھا اور تمام کڑیاں خود بخود جڑ گئیں

چون تو ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

غلام غلامان
خسرو شاہ نظامی

فرمادی۔ اور مجھے وہ پارسل ٹھیک اسی روز اور اسی تاریخ کو جدہ میں وصول ہوا جب کہ معظم الاخوان بھائی صاحب قبلہ کو سلطان حجاز کی طرف سے خلعت مرحمت ہوا تھا۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا۔ بتاریخ ۱۳؍ دسمبر ۱۹۴۵ء یوم دوشنبہ صبح سویرے ہم لوگوں کو حکومت سعودیہ کے سرکاری موٹر لانچ نے ساحل جدہ سے جہاز علوی تک پہونچا دیا اور ایک اعزازِ حکومت کی طرف سے یہ بھی عطا ہوا کہ ہمارے لیے کو قرنطینہ سرکاری حکم سے کھول کر قریب ترین راستہ سے ہمارا سامان بغیر معائنہ چنگی کے گزار دیا گیا۔ ساحل تک معلم عبدالرحمٰن وغیرہ چھوڑنے آئے۔

جہازِ علوی

امام المشارق والمغارب اسد اللہ الغالب حضرت علیؓ ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ العزیز کا زمانہ خلافتِ راشدہ کس درجہ پُر آشوب تھا۔ تواریخ اس کی تفصیلات سے پُر ہیں۔ سرکار کے نام نامی سے منسوب جہاز علوی پر محبانِ علیؓ کس طرح ابتلا آزمائش کا مرحلہ سے بچ سکتے تھے۔ ہم نے تو جدہ میں رفقاء سے بطورِ پیشگوئی کہہ دیا تھا کہ آخری سب سے زیادہ کٹھن اور سخت پرچہ امتحان صبر تسلیم و رضا کے لئے تیار رہیں۔ چنانچہ

جہازِ علوی میں بحمد للہ ہم لوگوں کو اس امتحان کی آگ سے گزرنا پڑا۔ اور توقع و امید ہے کہ کم از کم سو میں سے پچاس نمبر تو منصف حقیقی کے فضل بے نہایت سے مل گئے ہوں گے۔ نائب پرنس کونسل جدہ شاہجہاں کبیر صاحب جو اپنے آپ میاں مٹھو بننے اپنی دستخط میں اپنے کو ٹیس کبیر تحریر فرمایا کرتے ہیں۔ چونکہ صوبہ بنگال کے باشندہ ہیں اور اُن میں صوبہ داری تعصب اور عصبیت حدِ اعتدال سے بہت زیادہ ہے۔ ایسے اہم عہدہ جلیلہ پر فائز شخص کے لئے یہ تعصب حد درجہ بار نما اور حجاج کے لئے بے حد تکلیف دہ ہے۔ انہوں نے محض بنگالی محب وطن ہونے کا ثبوت دینے کے لئے صوبہ بنگال کے جس قدر حجاج جدہ میں جمع تھے۔ بلا تامل اُن سب کو جہاز علوی میں سوار کروا دیا۔ حالانکہ ہمیشہ سے حجاج کو اُن کی آمد جدہ کے اعتبار سے تاریخوار مقدم و موخر جہازوں میں جگہ دینے کے قاعدہ کی از حد پابندی کیجاتی ہے۔ مگر شاہجہاں کبیر صاحب نے مقدم۔ موخر آنیوالے حجاج کا کوئی خیال نہ فرمایا۔ جہاز علوی کی ابتدائی گنجائش سات سو حجاج کی ہے۔ اور کپتان جہاز کے شدید احتجاج کے باوجود انہوں نے ساڑھے بارہ سو حاجی جہاز میں سوار کروا دیئے۔ ظاہر ہے کہ گنجائش سے تقریباً دُگنا حجاج بھر دینے کے بعد جہاز کا کیا حال ہوگا۔ چلنے پھرنے کے راستے تو

درکنار۔ جہاں بیٹھ سکنے کی بھی جگہ مل سکتی تھی۔ حاجی بھرے ہوئے تھے۔ کرینوں
کی مشینوں میں گھسے ہوئے۔ بیت الخلا کی دیواروں سے ملے ہوئے۔
ڈک کے نیچے اوپر آنے جانے کی سیڑھیوں کے درمیانی حد درجہ تنگ
مقام پر بعض حاجی اس حالت میں دیکھے گئے کہ لیٹنے کی جگہ کافی نہ ہونے سے
نصف حصہ جسم تو لٹکا ہوا۔ اور سر سیڑھیوں پر لٹکے ہوئے جگہ حاصل کرنے
کیلئے بعض سرحدی پٹھانوں نے جو حج کرنے کے جذبہ خود کا تقابل کرد
وجہ سے اُن کی سنگدلی مضاعف ہو گئی تھی۔ اکثر مقامات پر دیکھا گیا
کہ انہوں نے دوسرے حجاج کو زیادہ جگہ حاصل کرنے کیلئے بہت زدوکوب کیا
حتیٰ کہ ہماری جگہ کے روبرو قندھار کے بعض پٹھانوں نے ایک احمد آباد گجرات
کے حاجی کو ڈک کے آہنی فرش پر اس زور سے دے مارا کہ غریب کا گھٹنہ
اور کہنی پھوٹ گئی اور زخمی ہو گیا۔ ہم نے بہت سمجھایا بجھایا کہ تم لوگوں نے حج
بیت اللہ شریف کیا ہے۔ سخت افسوس ہے کہ اب دوسرے مسلمانوں کو
ضرر شدید پہونچا کر حج کے ثواب کو زائل کر رہے ہو۔ بیچ بچاؤ کر دیا۔ اور
قندھاریوں کو مجبور کیا۔ ضرر رسیدہ سے معافی مانگیں۔ بہر حال جو کچھ ہو
اصرار شاہجہاں کیپٹن نائب کونسل نے ہمارا ڈک کا گیٹ فرسٹ کلاس سے

اس لئے مبدل نہیں کیا تھا کہ آٹھ دوسرے بنگالی ڈک مسافروں کو
وہ فرسٹ کلاس میں بدلوا چکے تھے۔ اس لئے بہت جدوجہد کے بعد
ہم تین ڈک مسافروں کو ایک جہاز مختصر جگہ ڈک کے سب سے نچلے
تختہ تیسری منزل کی آمدورفت کے سیڑھیوں کے عین نیچے ملی۔ ایک
رفیق سفر محمد رمضان صاحب چونکہ اپنے ہمراہ کیمپ کھاٹ لائے
تھے۔ جہاز جاتے ہوئے تو اس کی ضرورت نہ ہوئی۔ مگر واپسی میں
انہوں نے ایک مناسب جگہ اپنی کیمپ کھاٹ بچھالی اور مزے میں
رہے۔ اب رہے ہم اور دوسرے رفیق میونسپل کمشنر لاہور چودھری
محمد شریف صاحب تو دونوں کو سیڑھیوں کے نیچے کی جو جگہ ملی تھی وہ
اس قدر تنگ تھی کہ بمشکل دو آدمی لیٹ سکتے تھے۔ اس پر طرّہ یہ کہ
علاوہ ہر وقت سیڑھیوں پر چڑھنے اترنے والوں کی آواز کے سیڑھیوں
کے کچھ تختے شکستہ ہو کر اُن کے رخنوں میں سے ہم لوگوں کے سر دن
اور جسموں پر محترم حاجیوں کے جوتیوں کی مٹی بکثرت گرتی رہتی تھی۔
اس کے علاوہ دن میں بہت مرتبہ دھو کر کے اوپر کے ڈک سے آنیوالے
حاجی اپنے لوٹے میں جو تقیۃ الوضو پانی لایا کرتے تھے اترتے ہوئے وہ

پانی دن میں کئی بار اُن لوگوں کی بے احتیاطی سے ہم لوگوں پر گرتا اور شرابور کر دیتا۔ چودھری صاحب ٹھیرے پنجابی بہت مغرور المزاج وہ از حد برہم ہو کر جھگڑے پر آمادہ ہو جاتے۔ مگر ہم ان کو یہ کہہ کر ساکت کر دیتے کہ خبردار چودھری صاحب امتحان کے دور سے گزر رہے ہو اور یہ سب کارروائی احکام کے تحت ہم لوگوں کے امتحان صبر و ضبط کیلئے کروائی جارہی ہے۔ ہرگز ہرگز چوں وچرا نہ کرو۔ ورنہ فیل ہو جاؤ گے۔ وہ غریب دم بخود ہو جاتے۔ اور بعض اوقات زچ آ کر اپنے آپ میں بڑبڑایا کرتے۔

اور سنئے جہاز کے ساحلِ جدہ چھوڑ کر روانہ ہو جانے کے ٹھیک ایک دن بعد دوبارہ طوفان نے آلیا۔ اور جہاز بلند موجوں پر تنکے کی طرح ہچکولے کھانے لگا۔ تاڑ سے زیادہ بلند موجوں پر اوپر اٹھتا اور پھر ایک ہی لحظہ میں بجلی کی تیزی سے اتنا ہی نیچے اترتا۔ حاجیوں کا بُرا حال تھا۔ بستروں پر لیٹے ہوئے آدھ آدھ گز اچھل رہے تھے۔ اور تمام جہاز کے ساڑھے بارہ سو حاجیوں میں سے شاید ہی چند نفوس ایسے ہوں گے جو متلی اور قئے اور استفراغ کے حملہ سے بچ رہے ہوں

ان محفوظ لوگوں میں سے بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ایک ہم بھی تھے۔ جن کو قے و استغراق تو کیا ہوتا خفیف سا چکر بھی محسوس نہ ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم اپنی اُدھیڑ بن میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ رفیق سفر چودہری صاحب کا حال بہت ابتر ہوا۔ حتیٰ کہ ایک بار انکو غشی کا دورہ پڑا۔ فوری دوا استعمال کرائی گئی اور بحمد اللہ چند منٹ میں افاقہ ہو گیا۔ نچلے طبقہ کے ڈک کے جس ہال میں ہمارا قیام تھا۔ اس ہال میں تین سو سے زیادہ مسافر تھے اور تین سو حاجیوں کے لئے صرف ایک بالٹی استفراغ کرتے سیڑھیوں کے قریب ٹھیک ہمارے سرہانے رکھدی گئی۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ بالٹی میں ہی طوفان آکر اُبل جاتی۔ اور اُس کی گندگی بہ کر ہم لوگوں کے بستر کو آلودہ کر دیتی عفونت کا حال ناقابل بیان تھا۔

یہ سب سے زیادہ کٹھن پرچہ امتحان تھا۔ تین دن تک یہی حال رہا۔ آخر عنانِ ضبط ہاتھ سے نکل ہی گئی اور حکیم صاحب نے شاہ صاحب کو بھجاڑ دیا اور خم ٹھوک کر اکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ تنگ آمد بجنگ آمد کی مصداق بن کر ہم نے امیر الحج صاحب کو ایک رقعہ اس مضمون کا لکھا کہ آپ کو اس لئے ڈک کے مسافر ہوتے ہوئے اعزازی امیر الحج مقرر کیا گیا ہے۔

کہ آپ روزانہ ڈک کے مسافروں کی شکایت معلوم کرنے دورہ کیا کریں اور بچشم خود ان کی حالت کا معائنہ کر کے کپتان جہاز کے ذریعہ رفع شکایات کی سعی کریں۔ اگر جہاز کے عملہ صفائی نے دن میں متعدد بار استفراغی بالٹی کی صفائی نہ کر کے ایسی ہی غفلت مجرمانہ برت کر حاجیوں کی صحت و عافیت کو سخت خطرہ میں ڈالا۔ تو میں مجبوراً ٹرنر ماریسن کمپنی عرف مغل لائن پر مقدمہ دائر کرنے کے علاوہ تمام اخبارات میں اس کا حال شائع کرادوں گا۔ بارے اِس تحریری نوٹس کا حسب دلخواہ نتیجہ نکلا اور باشندہ لاہور امیرالحج صاحب نے جو ڈک کا ٹکٹ ہونے کے باوجود فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ کنج عافیت سے نکل کر دورہ بھی کرنا شروع کردیا۔ اور دن میں دو مرتبہ بالٹی کبھی صاف ہونے لگی۔ ایک بیہودہ سی مثل مشہور ہے کہ جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کا خواب۔ وہی مثل کچھ ہم پر صادق آجاتی ہے کہ ہمارے اندر ایک خاص الخاص کمزوری زمانہ دراز سے یہ ہے کہ حواس خمسہ اشتغال کی وجہ غیر معمولی تیز ہوجانے سے خصوصیت سے ہمارا مزاج بدبو کو مطلق نہ برداشت کر سکنے میں تاناشاہی واقع ہوا ہے۔ اگر ہم کو ذرا بھی

بدبو کا احساس ہوتا ہے تو ہم فوراً خوشبو جلواتے ہیں اور بار بو دفع کرنیکا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ ورنہ مسلسل بار بو سونگھنے کے بعد ہم کو واقعی غشی طاری ہونے لگتی ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے خرید کردہ سکونتی مکان میں جس کا نام نظامی نشیمن ہے کافی سے زیادہ رقم بیت الخلا کے فلش بنانے میں صرف کر دی تھی۔ شاید حکیم علی الاطلاق میرے ارحم الراحمین کو میری اس کمزوری کو بڑی حد تک دور فرما دینا منظور تھا کہ اس بارہ میں سب سے زیادہ مشکل پرچہ امتحان کا عطا ہو گیا۔ ایک دن تک واقعی تعفن کی وجہ سے مجھ پر غشی کی حالت طاری رہی۔ اس کے بعد غیب سے یہ انتظام ہو گیا۔ ایک دہلوی درگاہ شریف کے پیرزادہ صاحب نے بلا طلب کافی مقدار میں گلاب اور خس کا عطر ہم کو عنایت کر دیا جس سے طبیعت تھمی رہی۔

چونکہ معظم الاخوان بھائی صاحب اور بھاوج صاحبہ فرسٹ کلاس میں تھے اس لئے ہم رفع ضروریات وغیرہ کے لئے فرسٹ کلاس میں چلے جایا کرتے تھے۔ جہاز کی مسافرت کا دوسرا دن تھا۔ ایک مرتبہ جب کہ بھائی صاحب باتھ روم میں تھے اور ہم باہر

پڑے ہوئے تھے۔ ایک بنگالی صاحب جنہوں نے اپنا ٹکٹ ڈک سے
شاہجہاں کبیر کی مہربانی سے فرسٹ کلاس میں مبدل کروالیا تھا۔ اپنے
کیبن سے برآمد ہوئے اور ہم کو دیکھکر کمال غیظ و غضب میں آ گئے۔
ارشاد ہوا کہ "تم لوگ ڈک والا دو کوڑی کا آدمی ہم فرسٹ والوں کے
باتھ روم میں کیوں آتا ہے۔ ہم تم پر نالش کر دیگا" ہم نے کمال سکون سے
عرض کیا کہ ہم باتھ روم میں نہیں ہیں بلکہ باتھ روم میں ایک فرسٹ کلاس
ہی کا مسافر گیا ہوا ہے۔ باہر کھڑا جرم نہیں ہے۔ تمام فرسٹ کلاس کے
سامنے کے راستے میں ڈک کے مسافر پڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے
سکون سے بنگالی صاحب کا پارہ اور اوپر چڑھ گیا اور ارشاد ہوا "تم
ڈک والا دو کوڑی کا لوگ، ہم فرسٹ کلاس والوں کو جواب دیتا ہے
تم کو ہم فرسٹ کلاس والوں سے دب کر بات کرنا چاہیے۔ تم جھوٹ
بولتا ہے۔ ہم نالش کریگا"۔ عرض کیا گیا کہ نہیں نالش ہرگز کافی نہیں
آپ کو اس معاملہ کیلئے تو پریوی کونسل تک ضرور جانا چاہیئے۔ اتنے
ہی میں بھائی صاحب باہر نکل آئے اور انہوں نے بنگالی صاحب سے
کہا کہ "اس جھوٹ بات کیا ہے کیا ہم جو اندر تھے فرسٹ کلاس کے مسافر

نہیں ہیں"۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگالی صاحب نے باتھ روم مقفل کروا دیا۔ اگرچہ کہ ہر فرسٹ کلاس والے کے پاس اس کی کنجی موجود تھی اور بھائی صاحب نے اصرار کیا کہ ہم ان سے کنجی لے لیا کریں مگر ہم نے کہا کہ قاعدہ کے اعتبار سے ہم ہرگز حق پر نہیں ہیں۔ ہم ڈیک والوں کو درحقیقت فرسٹ کلاس کے باتھ روم کا استعمال جائز نہیں ہے اور خلاف قاعدہ ہے۔ اس لئے اب ہم اس طرف ہرگز نہیں آئینگے ڈیک والوں کے بیت الخلاء کا حال یہ تھا کہ تین سو مسافروں کے لئے صرف پانچ عدد ایسے بیت الخلاء تھے جس میں انسان بمشکل تمام شدیا تنگی کی وجہ سے بیٹھ سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بیت الخلاء کے قریب ایک میلہ لگا رہتا اور شدید ہجوم رہا کرتا۔ بیت الخلاء سے ملی ہوئی جو تنگ گلی سی تھی وہ تمام تر غلاظت کے انبار سے پٹی رہتی۔ اس لئے کہ بعض لوگ جو اندرونی دباؤ کو زیادہ دیر سہہ نہ سکتے تھے وہ اضطراراً گلی میں فارغ ہو جاتے۔ اس لئے ہم نے اپنا معمول یہ بنا لیا تھا کہ صرف دو بجے رات کو تہجد کے وقت جایا کرتے اور نماز ظہر کے وضو کو التزاماً عشاء تک قائم رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل یہ تھا کہ موسم طوفانی

اور سرد تھا ور نہ نچلے طبقہ کے ڈک میں جس کا فرش، دیواریں، چھت سب آہنی تھیں۔ اس قدر شدید گرمی ہوتی کہ شاید قوت برداشت جواب دے دیتی۔ نچلے حصہ کے ڈک چونکہ دھوئے نہیں جاتے اس لئے تعفن وگندگی حد سے سوا تھی۔ پھر ہمسفر پٹھان اور بنگالی۔ دونوں ازحد غلیظ وگندی عادتوں کے مظاہرہ کے عادی۔ ہر طرف پسوؤں کا طوفان۔ ڈک کی آہنی سطح پر دو دو انچہ کے سفید رنگ کے کیڑے رینگتے نظر آتے تھے اور بڑے بڑے چوہے رات کا دھاوا بول کر مسافروں پر یورش کرتے تھے۔ ہم نے اپنے نفسِ لعین سے جو وعدے اس کو کمال درجہ اذیت پہونچانے کے لئے کئے تھے وہ جہاز علوی میں سب بدرجۂ ادنیٰ پورے ہو گئے۔ طوفان سے جہاز دوچار رہا۔ پھر بادِ مخالف چلنے لگی۔ اس وجہ سے جہاز بجائے نو دن کے تیرہ دن میں کراچی پہونچ سکا اور یہ تیرہ دن ہفت خوان رستم سے کم نہ تھے۔ شدت تکالیف سے اس تیرہ دن کے اندر جہاز میں نو اموات ہوئیں اور نو حاجی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بیشک ان لوگوں پر خاص نظر رحمت تھی کہ حج کرنے اور گناہوں سے پاک ہو جانے کے بعد مشیت ایزدی کو گوارا نہ تھا کہ وہ

لوگ دوبارہ دنیا میں آکر آلودگی گناہ میں مبتلا ہوں۔ اس لئے پاک وصاف حالت میں ان کو اٹھا لیا گیا اور اپنے دربارِ عالی میں بلا لیا گیا۔ ہماری زبان تو ادائے شکر میں گونگی ہے ارحم الراحمین کا محض خاص الخاص فضل اور توفیق تھی کہ ان تمام مصائب کو ہم نے نہایت خندہ پیشانی سے انگیز کر لیا اور رنش سے مَس نہ ہوئے۔ اندیشہ تو یہ تھا کہ شاید فرِش ہو جاتے۔ اس کے برخلاف صحت اور بہتر ہو گئی۔ اور ہم انتہائی طلاطم میں بھی جب کہ جہاز بہت زور سے ہچکولے کھا رہا تھا اور چلنا پھرنا درکنار کھڑا ہونا بھی مشکل تھا اِدھر اُدھر پھر کر خدمت خلق کا ثواب حاصل کرتے رہے۔ محترمہ بھابی صاحبہ طوفان نمودار ہونے ہی حد درجہ علیل اور نزِش ہو گئیں مسلسل چار دن تک کوئی غذا نہیں پہونچی تھی۔ تشنج کے دورے ہونے لگے اور زیست سے ناامیدی ہو گئی انہوں نے ہم کو بلا کر وصیت بھی کر دی۔ ہم نے یہ دیکھ کر کہ بھائی صاحب کا دماغ شدت پریشانی سے معطل سا ہو رہا ہے۔ علاج اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایسی حالت میں شہد نے مسیحائی کا کام کیا اور تیرہ دن جہاز سے اترنے تک انکو صرف ماء العسل اور بسکٹ پر رکھا گیا۔

۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء بروز جمعہ جہاز علوی نے صبح آٹھ بجے کراچی
پہونچ کر لنگر ڈال دیا۔ اور ہم لوگوں نے مع الخیر دوبارہ ساحل سندھ پر قدم
رکھا۔ جہاز کی لاسلکی کے ذریعہ بڑے بھائی صاحب حکیم عبدالحی انصاری
کو دہلی آمد کا اطلاعی تار دیا گیا تھا۔ مگر کراچی والوں نے تار یہ کہہ کر
مسترد کر دیا کہ حالات جنگ ابھی تک باقی ہیں خانگی تار نہیں لئے جا سکتے۔
اس لئے بھائی صاحب قبلہ کراچی تشریف نہیں لا سکے۔ کراچی والوں کے
لاسلکی تار مسترد کر دینے سے جو بالکل خلاف توقع تھا۔ اکثر حجاج کو بہت سخت
وشدید زحمت کا سامنا کرنا پڑا اور کافی سے زیادہ نقصانات بھی ہوئے
آسام کے ایک بہت ہی دور دراز علاقہ کا ایک غریب حاجی نے جو کچھ علیل
تھا جدہ سے اپنے اقربا کو بحری تار دلوایا تھا کہ ۱۰ لوگ کراچی اس کو
لینے آجائیں۔ اس کا جب جہاز میں انتقال ہو گیا تو اس کے تنا سا ہموطن
حاجیوں نے بذریعہ لاسلکی تار دلوا دیا کہ اس کے اقربا کراچی نہ آئیں:
تاکہ ان لوگوں پر اس قدر دور دراز ڈیڑھ ہزار میل سے زیادہ کے سفر کے
سینکڑوں روپیے کا بار نہ پڑے مگر کراچی والوں کے لاسلکی تار نہ قبول
کرنے سے وہ لوگ کراچی پہونچ گئے اور بندرگاہ پر زار و قطار رو رو کر

بنہایت دردناک منظر پیش کرتے تھے۔

کراچی کراچی میں سر عبداللہ ہارون صاحب کے بنگلہ پر قیام ہوا۔ گودی سے ہم لوگ موٹر پر سیدھے اسٹیشن گئے۔ اور دوسرے دن یعنے ۱۲ جنوری کے لئے لاہور میل میں سکنڈ کلاس کی پانچ سیٹیں رزوڈ کروائی گئیں شام کو سرسری طور پر کراچی شہر کی سیر کی گئی۔ یہ ضرور ہے کہ مدراس۔ کلکتہ اور بمبئی کے بہ نسبت کراچی سب سے زیادہ صاف ستھرا شہر ہے اور عمارات دیدہ زیب ہیں۔ فی الحال تو سب سے بڑا یورپ۔ عراق۔ مصر جانے کے لئے ہوائی اڈہ ہے۔ مگر عنقریب سب سے بڑا بندرگاہ بھی بن جانیوالا ہے۔ اس لئے کہ بمبئی سیاسی تحریکات کا آماجگاہ بن جانے اور ایک جنگی جہاز میں دوران جنگ میں آگ لگ کر شدید نقصانات ہوجانیسے بمبئی کی بندرگاہ ناقابل اعتبار قرار پاگئی ہے۔ بہرحال ہم کو امور سیاسی سے کیا غرض۔ ہم حیدرآباد دکن والوں کے لئے حجاز جانیکا نزدیکی راستہ بمبئی ہے اور کراچی۔ حیدرآباد سے نہ صرف ازحد دور دراز ہے بلکہ وہاں تک جانے میں بحد مصارف کا بار پڑجاتا ہے۔ ایک رات دن کراچی میں قیام رہا اور ہماری میزبان لیڈی عبداللہ ہارون صاحبہ نے کمال مہربانی سے حق میزبانی ادا فرمایا اور ہم

لوگوں کی بہت خاطر تواضع کی۔ ۱۲ر جنوری کو ہم لوگ لاہور میل سے روانہ ہوگئے اور ۱۳ر جنوری یوم یکشنبہ کو رات کے نو بجے لاہور پہونچ گئے۔ بھائی صاحب معظم الاخوان اور دوسرے لاہوری رفقار کے استقبال کے لئے ان کے احباب اسٹیشن پر آئے تھے۔ ہم نیلا گنبد انارکلی بازار میں بھائی صاحب کے یہاں ٹھہر گئے۔ دوسرے ہی دن بڑے بھائی صاحب قبلہ حکیم عبدالحی صاحب انصاری جن کا ارادہ تھا کہ لاسلکی تار ملتے ہی دہلی سے کراچی ہوائی جہاز کے ذریعہ آجائیں گے۔ لاہور پہونچ گئے۔ پانچ یوم لاہور میں قیام رہا۔ سردی ہم حیدرآبادی لوگوں کے لئے جو معتدل موسم کے خوگر ہیں حد سے زیادہ تھی اس پر طرہ یہ ہوا کہ بارش ہوئی۔ اولے برسے۔ کشمیر میں سخت برف باری ہونے سے ایسی سرد ہوا چلنے لگی کہ جسم کو برماتی اور کاٹتی تھی۔ پانچ روزہ قیام لاہور لاہور میں دو شعر بہت ہی اچھے ہاتھ لگے جو ہمارے سفر حج کا ماحصل ہیں۔

دل جانب مدینہ ہے اور قبلہ رُخ ہوں میں
اب انتہائے کشمکش دل نہ پوچھئے۔
معراج دید ہوگئی حاصل مدینہ میں۔
اب کیا ہے میری زیست کا حاصل نہ پوچھئے۔

۱۹ر جنوری کی رات کو لاہور سے دہلی بڑے بھائی صاحب قبلہ کی معیت
میں روانہ ہو گئے۔ حالانکہ چار یوم قبل سے دہلی کے لئے سیٹ محفوظ کرائی گئی تھی
مگر بے سود ہوا۔ جبہ برت کے ڈبے میں نو مسافر تھے۔ ۲۰ر جنوری صبح نو بجے
دہلی پہونچ گئے۔ درگاہ شریف جانیکے لئے کافی وقت نہ تھا۔ اس لئے اسٹیشن ہی
سے تمام بزرگان دہلی کو عموماً اور بارگاہ سلطان السلاطین سلطان المشائخ
سلطان نظام الدین اولیا محبوب الٰہی میں خصوصاً نذر فاتحہ گذران دی گئی۔
چونکہ دوسرے ہی دن حیدرآباد دکن کو روانگی مقرر تھی اور کراچی سے تار دلوا کر
سیٹ رزرو ڈ کیگئی تھی۔ اس لئے اپنا تمام سامان سوائے بستر کے اسٹیشن
انسپکٹر بابو الطاف علی صاحب کے یہاں امانت رکھوا دیا گیا۔ ہم کو حجاز میں علالت
پانی کی قلت اور مختلف وجوہات سے غسل کرنے کا بہت کم موقع تھا۔ تین ماہ کے
عرصہ طویل میں صرف تین مرتبہ غسل کا اتفاق ہوا تھا۔ اس لئے اسٹیشن سے سیدھے
فتحپوری گئے کہ وہاں کے شہرۂ آفاق ترکی حمام میں خوب نہائیں گے اور کئی ماہ
کا جسمانی میل کچیل صاف کروائیں گے۔ مگر فتحپوری جانے پر معلوم ہوا کہ سب سے
بڑا اور مشہور حمام بند ہو چکا ہے۔ مجبوراً ایک دوسرے حمام میں غسل کیا گیا۔ حمامی
نے حسب منشا نہ تو جسم کا میل کچیل صاف کیا اور نہ مشت ومال کی۔ البتہ مٹی کے

سخت جھانوے سے جابجا جسم کی کھال اُدھیڑ دی اور پانچ روپیہ وصول کر لیے۔ فتحپوری سے خواہشِ نفس کی سزا میں کہ جسم کا میل تحصیل صاف کرایا جائیگا۔ جابجا سے کھال اُدھڑوائے ہوئے نئی دہلی کناٹ پیلس لیبہ منزل واپس پہونچ گئے۔ ایک شبانہ روز قیام رہا۔ دوسرے دن شام کو بذریعہ گرانڈ ٹرنک اکسپریس حیدرآباد دکن روانہ ہو گئے۔ چونکہ پہلے سے سیٹ محفوظ کروائی تھی جگہ اچھی مل گئی۔

ورودِ حیدرآباد دکن

۲۲ جنوری ۱۹۴۶ء م ۱۷ صفر ۱۳۶۵ھ

یوم سہ شنبہ مسافر حجاز نے تقریباً چار ماہ کے بعد اپنے وطن حیدرآباد دکن کی سرزمین پر دوبارہ قدم رکھا۔ ٹرین جب سکندرآباد پہونچی تو دیکھا کہ برادرم قاضی انعام الحق صاحب انصاری اور محب مخلص قلبی سلیم صدیقی صاحب استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلا پھولوں کا ہار سلیم صدیقی صاحب نورِ نظر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہنایا۔ نام پلی اسٹیشن پر جمیع احباب تھا۔ اخی روحی حضرت امجد صاحب دام مجدہٗ فقیر نواز محترم نواب قطب اللہ خاں صاحب۔ محمد یوسف صاحب ریلوے والے۔ یوسف صاحب صحافی محب قلبی خوش اقبال

نظامی کی علالت کی وجہ سے اُن کے صاحبزادے میاں محمود صاحب نظامی وغیرہ احباب جمع تھے۔ نواب بشارت علی خاں صاحب جاگیردار اپنی موٹر پر ہم کو گھر پہونچانے تکلیف فرما کر خود تشریف لائے تھے۔ حاجی صاحب پھولوں کے ہاروں سے لدے ہوئے جس میں آخری ہار قاضی انعام الحق صاحب کا تھا۔ رحمت باغ کا چیکگوڑہ پہونچ گئے۔ سب سے پہلے حجرۂ آثار مبارک سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر صلوٰۃ وسلام کے بعد دو رکعت نماز شکرانہ ادا کیگئی۔ حضرت امجد صاحب اسٹیشن سے گھر پر تشریف لائے۔ روانگی حجاز کے وقت انہوں نے ایک رباعی مرحمت فرمائی تھی۔ جس کا سفرنامہ میں مفصل تذکرہ موجود ہے۔ دیر تک ہم دونوں اسی رباعی کے مضمون پر اشکبار رہے تھے۔ واپسی میں بھی اخی روحی وام مجدہٗ جب اسٹیشن سے ہمارا استقبال کرکے اپنے مکان آغاپورہ تشریف لیگئے تو فوراً فی البدیہ ایک رباعی موزوں فرمائی اور اس کو خود اپنے قلم سے لکھکر لے آئے۔ رباعی یہ ہے۔ ؎

بحضرت خسرو سر بہ دل۔

بحضرت محسنِ و سیّدِ دل

اے کوچۂ محبوب میں جانے والے

یہ کہیو رہِ جاناں میں پیچھے والے

اپنے قدموں کی خاک دیتے جانا

سرکار کے دربار سے آنے والے

از حضرت امجد

۱۸ صفر ۱۳۶۵ھ

او کوچۂ محبوب میں جانیو الے
آنکھیں رہ جاناں میں بچھانیوالے
اپنے قدموں کی خاک لینے دے مجھے
سرکار کے دربار سے آنیوالے

رباعی سُن کر دونوں کو وجد طاری ہو گیا اور ہم دونوں دیر تک اشکبار رہے۔ بڑی ہمشیرہ محل برادرم سمیع اللہ شاہ صاحب اور منجلی بہن اہلیہ مسٹر محمد احمد صاحب بیرسٹر ملنے آئیں۔ اور بھی مریدین وغیرہ جمع ہو گئے تھے۔ ہم نے بہنوں کو سفرنامہ کے بعض حصے خصوصًا مدینہ طیبہ کے وداعی مناظر سنائے۔ خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی زار وقطار رُلایا۔ چونکہ اسٹیشن پر سن لیا تھا کہ آج سیدی ومرشدی شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مدظلہ العالی آج ہی شام کو دہلی واپس تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس لئے دوپہر کو حضرت کی جائے قیام سیف آباد جا کر شرف قدمبوسی حاصل کر آئے اور حجاز کے تحائف مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا تحفہ پیش کر دیا۔

دعوتوں کا سلسلہ | نواب بشارت علی خاں صاحب جاگیردار المعروف بہ نواب

چھچگوڑہ خود زحمت فرما کر ہم کو اسٹیشن سے استقبال کر کے گھر لے جانے تشریف لائے تھے۔ انھوں نے ازراہِ فقیر نوازی بہت اصرار سے ہم کو جمعہ ۲۰ صفر المظفر کو مدعو کیا اور حضرت آمجد صاحب کو بھی بلوایا تھا۔ نواب صاحب کے والد ماجد نواب عنایت علیخاں صاحب مرحوم و مغفور سے تقریباً اکیس سال کی مدت طویل ہوئی کہ خصوصی رشتہ مودت و اخلاص استوار ہو گیا تھا۔ نواب صاحب مرحوم و مغفور کو ہم سے از حد تعلق خاطر اور عقیدت تھی۔ اپنے تمام اہم اُمور بغیر ہماری مشورت کے سرانجام نہیں دیتے تھے۔ وضعداری قدیمانہ و شان امیرانہ انکسار درویشانہ میں فرد یگانہ تھے۔ افسوس کہ یہ آفتاب اخلاص و محبت آٹھ سال ہوئے کہ برجِ خاکی میں غروب ہو گیا۔ فقیر خسرو نے ان کے سینۂ بے کینہ پر خاکِ درِ رسول اپنے ہاتھ سے بطور تحفہ آخری ان کی تربت میں رکھدی۔ اور دلِ پُر درد سے اک آہِ جگر سوز کھینچی۔ ان کے بلند اقبال صاحبزادے نواب بشارت علی خاں صاحب بالکل اپنے والد محترم کے قدم بقدم ہیں۔ اور غیر معمولی عقل و فہم و فراست کے علاوہ بعض ایسی خصوصیات کے حامل ہیں جن کو طبقۂ امرا میں عنقا کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اول یہ کہ وہ نہایت درجہ نماز کے پابند اور خوش اوقات ابرار ہیں۔ دوسرے مردم شناسی اور معاملہ فہمی میں اپنا



نواب محمد بشارت علی خان جاگیردار
چنچل گوڑہ

جواب نہیں رکھتے۔ واہب الطیات نے ان کو ایسا ذہن رسا مرحمت فرمایا ہے کہ وہ ذرا سے اشارہ پر اہم سے اہم معاملات کی فوراً تہہ کو پہونچ جاتے ہیں۔ چونکہ خود بہت اعلیٰ کردار و اخلاق کے مالک ہیں اور نفسیات انسانی کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس لیے پہلی ملاقات میں آدمی کے تمام خصائص نیک و بد سمجھ کر جو پختہ رائے قائم کر لیتے ہیں بارہا تجربہ ہوا کہ وہ ہمیشہ صحیح ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ ساٹھ ستر ہزار سے زائد آمدنی کی وسیع جاگیر کا ایسا بہتر انتظام کر رہے ہیں کہ بڑے بڑے محکمہ مال و بندوبست کے دیرینہ تجربہ کار حکام نے خراج تحسین ادا کیا ہے۔ خلوص محبت قدیمانہ وضعداری۔ فقیر نوازی یہ سب صفات حسنہ اپنے والد ماجد سے ورثتاً پائی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جدید تہذیب کی چکا چوند کر دینے والی روشنی جسنے طبقہ امراء کو غرق کر لیا ہے۔ انکی آنکھوں کو خیرہ نہ کر سکی اور تمام مشرقی روایات انہوں نے اپنے یہاں برقرار رکھی ہیں۔ بہرحال ذکر اس کا تھا کہ نواب صاحب نے اس فقیر اور حضرت امجد دام مجدہٗ کو اپنے یہاں مدعو فرمایا۔ وہاں یوسف نواز جنگ بہادر معتمد اصلاحات بھی موجود تھے۔ جن کا ذوق عبادت۔ صفات درویشی اور مکارم اخلاقی ہر آئینہ طبقہ حکام میں عدیم المثال ہے۔ پر تکلف دعوت کھائی۔ اپنے سفرنامہ کے وہ حصے جو حاضری

مدینہ طیبہ کے متعلق تھے۔ نواب صاحب کے اصرار پر منائے گئے۔ گیارہ بجے رات کو نواب صاحب نے پھول پہنا کر رخصت کیا۔

دوسری دعوت رحمت باغ کاچی گوڑہ میں ہمارے ذاتی مکان کی زمین نزولی ہے اور اس کے مالک رحمت باغ کے زمیندار مرزا مظہر اللہ بیگ صاحب ہمارے خاص الخاص محب ہونیکے علاوہ ہمارے مخلص قلبی سلیم صدیقی صاحب کے برادرنسبتی ہیں۔ یہ تمام خاندان ماشاء اللہ نقیر دوست پابند صوم وصلوٰۃ اور صلحا اشخاص کا ہے۔ مولوی مظہر اللہ بیگ صاحب کو ہم سے بہت تعلق خاطر ہے۔ اور وہ ہمیشہ عقیدتاً جذبۂ بے اختیار شوق میں ہمارے یہاں بکثرت تشریف لایا کرتے ہیں اور ان کے خلوص ومحبت سے ہمارا قلب بہت متاثر ہے۔ ہم نے سفرنامہ نوٹری حد تک قیام حرمین شریفین ہی میں بعجلت تمام لکھ ڈالا تھا۔ مگر ہماری کمزوریوں میں سے ایک بڑی کمزوری یہ بھی ہے کہ ہم حد درجہ بدخط واقع ہوئے ہیں اور بجز عادی اشخاص کے ہماری تحریر پڑھنا مشکل ہے۔ ہم پریشان خاطر تھے کہ ہمارے سفرنامہ کو جب کاتب پڑھ نہیں سکیگا تو کتابت کیونکر کرے گا۔ گر مولوی مظہر اللہ بیگ صاحب نے محض لوجہ اللہ خدا ورسول کی خوشنودی کے لئے

ہمارے سفرنامہ کو صاف لکھنے کا تہیہ فرمالیا اور باوجود گوناگوں کمال
مصروفیات کے التزاماً روزانہ تشریف لاکر سفرنامہ کو صاف لکھدیا۔ اللہ تعالیٰ
بطفیل حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ترقی معانی کونین مرحمت فرمائے
تذکرہ دعوت کا تھا۔ مولوی مظہر اللہ بیگ صاحب نے بتاریخ ۲۳ صفر المظفر
۱۳۶۵ھ یوم دوشنبہ رات میں مدعو فرمایا۔ کامل خلوص و محبت دلی کی دعوت
کیسے رد کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ہم معہ برادرم قاضی انعام الحق صاحب انصاری
کے مظہر اللہ بیگ صاحب کے مکان گئے۔ محب قلبی سلیم صدیقی صاحب
راہنمائی کررہے تھے۔ بہت پر تکلف دعوت کھائی اور نہایت معطر
پھولوں کا غیر معمولی بڑا ہار پہنکر گھر لوٹ آئے۔ نفس خبیث سے مخاطب
ہوکر دریافت کیا کہ کیوں جناب ہم نے اپنا وعدہ جو شروع سفر حجاز میں
آپ سے کیا تھا وہ جہاز علوی میں پورا کیا یا نہیں۔ آپ کا خوب اچھی طرح
سر کچلا گیا۔ یا ابھی کچھ کسر باقی ہے۔ ہماری دانست میں تو آپ بڑے
پاک بے حیا ذات شریف ہیں۔ آپ کی خباثتیں دبگئی ہیں مگر زائل ہونا
امر محال معلوم ہوتا ہے۔ آپ جیسے گئے تھے ویسے ہی پھر کر آگئے ہیں
ہم کو تو ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے۔ لوگ ہاتھ چومتے ہیں۔ آنکھوں سے لگاتے

ہیں۔ کہ حاجی حرمین شریفین ہیں۔ بیت اللہ شریف ہو آئے ہیں۔ دربار نبوی علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر حاضری دی ہے۔ شاہ صاحب قبلہ شاید اور زیادہ تقدس مآب ہو گئے ہیں مگر او شقی نفسِ لعین مجھ سے زیادہ اور کون مجھ سے واقف و آگاہ ہو سکتا ہے۔ تیرا میرا تو دم کے دم۔ سے ساتھ ہے اور آخری دم تک ساتھ رہیگا۔ میں تجھے خوب جانتا پہچانتا ہوں کہ تو کتنے پانی میں ہے۔ بطون کے آئینہ مجلّا میں دیکھا کہ دم بخود ہماری زجر و توبیخ کو سن رہا ہے اور بالکل ٹکٹکی دیئے دم نہ کشیدہ کی حالت میں ہے اور کمال مسکینی سے بڑبڑا رہا ہے کہ مجھ سے ہرگز جواب طلب نہ کیجئے۔ جلوہ گاہِ خاص کعبۂ حقیقی، واصلی اپنے قلب کے پر تو انوار کی بے نہایت بارش سے دریافت کر لیجئے کہ آیا اس کی کرن بار بار ہم پر پڑ رہی ہے یا نہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ ان کرنوں کی تجلی سے میرے اندر کیا انقلابات بپا ہو رہے ہیں۔ مگر اتنا مجھے معلوم ہے کہ اس بارش انوار سے ایسا لطف آ رہا ہے کہ میں اب اپنی خاص ڈیوٹی بہکانے کی جیسے بھولتا جا رہا ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ چالیس سال کے عرصہ طویل کے بعد مجھے روح ہم سب کی حاکم اصلی و اعلیٰ پردہ نشین حجابات بے نہایت کی

دید کا حد درجہ اشتیاق ہو گیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ پردے اٹھیں اور میں بے حجاب کچھ دیکھ سکوں۔ ہم نے نفس کو بہت غور سے نظر باطن سے دیکھا اور جانچا کہ آیا وہ غلط بیانی سے ہم کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ یا درحقیقت "چوں آید۔ منوز خر باشد۔" نہیں رہا۔ دیکھا کہ فی الواقعی اس کے اندر آہستہ آہستہ انقلاب کا دور دورہ ہے اور انشاءاللہ المستعان مجاہدات قلب و روح کے باعث وہ لوامہ کی حالت سے تدریجی ترقی کرتا ہوا مطمئنہ کاملہ ہو جائے گا۔ جب وہ مطمئنہ ہو جائیگا تو وہی دن ہماری کامل فتح مبین کا ہوگا۔ اور اسی دن کو حضرات صوفیائے کرام نے یوم فتح سے منسوب فرمایا ہے۔

تیسری دعوت تیسری دعوت برادرم مولوی محمد احمد صاحب بی۔ سی، یل، بار ایٹ لا ہمارے بہنوی اور چچا زاد بھائی کی جانب سے بتاریخ ۲۶ صفر ۱۳۶۵ھ یوم پنجشنبہ بعد مغرب مقرر تھی۔ چنانچہ ہم یوم و وقت معینہ پر گلی چراغ علی میں بھائی صاحب کے یہاں حاضر ہو گئے۔ بھائی صاحب نے نہایت کمسنی میں ولایت کی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل فرمائی ہیں۔ اور عرصہ تک اولاً الٰہ آباد میں بہ حیثیت جونیر ممبر تیج بہادر سپرو کے ہمراہ بعد ازاں مستقل

طور پر ایسی شاندار وکالت کی ہے کہ دور دراز کے موکل انکے یہاں رجوع ہوتے تھے۔ اور مہاراجہ پٹیالہ کے شہرۂ آفاق مقدمہ میں انہوں نے نیکنامی حاصل کی۔ اب چند سال سے حیدرآباد دکن اپنے وطن میں حد درجہ نیکنامی سے بہت کامیاب وکالت کر رہے اور پبلک وحکام ہر دو میں ہر دلعزیز اور مثل اپنے والد بزرگوار عم محترم نواب اصغر یار جنگ بہادر سابق رکن عدالت العالیہ کے شہرۂ آفاق ہیں۔ ماشاءاللہ آپ جماعت جونیر وکلاء میں ہر وقت گھرے رہتے ہیں اور سمندر قانون کے اسد رجہ اعماق میں غوطہ زن ہو چکے ہیں کہ فنافی القانون کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ تمام دنیا ومافیہا اعزا و اقربا سب کو اس کمال مصروفیت قانونی ہمہ وقتی نے فراموش کر دیا ہے۔ کاش ہم تصوف کے دعویدار دل کو اس کا عشر عشیر انہماک اپنے خالق حقیقی سے لو لگانے میں ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے۔ دعوت میں برادرم قاضی انعام الحق صاحب انصاری اور بھائی صاحب کے ایک قدیمی دوست محمد اعظم صاحب بلگرامی سابق مددگار صدر محاسب و برادرم عبدالفتح انصاری صاحب وغیرہ شامل تھے۔ ظاہر ہے کہ حاجی صاحب کو جو بھی دعوت دینا ہے تکلفات ضرور کرتا ہے۔ چنانچہ دعوت نہایت



روشن دلِ محمد یوسف خوش اقبال شاہ نظامی

پُرتکلف تھی اور لکھنوی باورچی نے اپنے کمالاتِ فن کا مظاہرہ کیا تھا

اس سے بھی زائد۔ بے تکلف احباب کی مزید ار لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی

لطفِ صحبت بہم پہونچا رہی تھی۔ بھائی صاحب نے نہایت اشتیاق سے

سفرنامہ کے بعض حصے سنے۔ ساڑھے دس بجے رات کو دعوت سے

فارغ ہو کر گھر لوٹ سکے۔

چوتھی دعوت مولوی محمد یوسف خوش اقبال روشن دل نظامی نے

میرے ایسے اخص الخاص محب قلبی و روحی ہیں کہ ان سے زیادہ قریب

میرے محارو حلقہ احباب میں کوئی فرد نہیں ہے۔ تقریباً ربع صدی

پچیس سال کے عرصہ طویل سے وہ میرے صحیح معنوں میں دکھ سکھ کے

ساتھی اور ہمدم و رفیق کلی ہیں۔ اکثر طول طویل مسافرت میں میرا ان کا ساتھ

رہا ہے۔ اور سفرِ حج کے موقعہ پر ان کے لئے ممکنہ کوشش حصولِ اجازت

و ٹکٹ کیلئے کیگئی۔ مگر حج کمیٹی دہلی کے متعدد ارکان حکومتی نے ایک

دسنی اور کوئی سعی بار آور نہ ہوسکی۔ اور میرے یہ رفیق و ہمدم جن کے

متعلق طنز سے بعض احباب حضرات نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ شاید

خسرو شاہ اور خوش اقبال کے مزارات بھی پہلو بہ پہلو بنیں گے

ہمراہی حج سے محروم رہ گئے۔ برادرم روشن دل خوش اقبال صاحب نظامی نے بتاریخ ۲ ربیع المنور ۱۳۶۵ھ یوم پنجشنبہ بعد مغرب اپنے حاجی پیر بھائی کی از حد تزک واحتشام سے اپنے مکان خوش اقبال منزل واقع چھگلوڑہ میں دعوت فرمائی اور تقریباً تمام حلقہ احباب کو اس میں مدعو فرمایا۔ تقریباً پچیس تیس منتخب حضرات تشریف لائے تھے مثلاً برادرم قاضی انعام الحق صاحب انصاری۔ مولوی مقبول احمد صاحب سیوہاروی ماہر تعلیم اطفال ہندوستان کے مشہور اہل قلم اور صاحب تصانیف متعددہ۔ مولوی سلیم صدیقی صاحب پروفیسر آرٹس کالج مولوی عبدالمقتدر خاں صاحب وکیل ہائیکورٹ وغیرہ۔ نظامی دسترخوان میزبان کی سیر چشمی، خلوص قلبی و فراغدلی سے الوان نعمت سے بھرا تھا۔ حاجی صاحب کیلئے بہت سے مختلف النوع اعلیٰ ماکولات تیار کئے گئے تھے۔ واقعی سچی پر خلوص محبت کا رشتہ بھی کچھ عجیب رشتہ ہے کہ محب اپنے محبوب کیلئے جذبۂ بے اختیار شوق سے مغلوب ہوکر چاہتا ہے کہ دنیا کے ہر معلوم نفیس اشیاء اس کو مہمان بنا کر پیش کردے۔ موسیٰ علیہ السلام کا شبان اپنے نزدیک سب سے

اعلیٰ ترین سامان دعوت و مدارات اپنے مہمان کے لیئے مہیا کرنے کا
وعدہ کر رہا تھا اور کہتا کہ اے خدا۔ اے آسمان و زمین کے مالک۔
تو کہاں ہے آجا۔ آجا میرے ٹوٹے جھونپڑے میں بھی آجا۔ آجا کہ
میں تیرا چاکر بن سکوں۔ تو آجائے کہ میں تیرے سر میں کنگھی کر سکوں
تیرے پیر دھوؤں۔ تجھے ٹھنڈا ٹھنڈا تازہ تازہ دودھ پلاؤں۔ تو
جانے لگے تو میں تیرے قدم پر گر پڑوں۔ تجھے جانے نہ دوں۔ بیمار
ہو جائے تو تیمار داری کروں۔ ہم نے اپنے نفس سے سوال کیا کہ کیا
تم واقعی اس قابل ہو گئے ہو کہ اس نظامی دستر خوان پر مہمان خاص
بن کر الوان نعمت کھاؤ جو بیشمار بار تمہارے مرشد پاک سیدی مولائی
حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مد ظلہ العالی اور جماعت نظامیہ
کی بہت دھوم دھام کی دعوں کا سماں دیکھ چکا ہے۔ بنظر باطن نے
دیکھا کہ نفس مطمئنہ جس کا قلب کی بارش انوار نے احاطہ کر لیا تھا اپنے
مقام نیلو فری پر نہایت سکون سے متمکن ہے۔ اور لب بام ٹکٹکی
لگائے ہوئے اس درجہ محو ہے کہ جیسے گراں گوشی سے اس نے ہماری
بات ہی نہیں سنی۔ ایسی حالت میں ہماری مجال نہ تھی کہ اس کو حب عادت

قدیم زجر و توبیخ کرتے یا دو چار جلی کٹی سنا دیتے۔ البتہ اگر وہ مثل سابق امّارہ پایا جاتا تو ہم ہرگز سرکوبی سے نہیں چوکتے۔ ہم نے قلب صنوبری کے معائنہ اور مشاہدہ سے عروج کر کے قلب مدور کی طرف جو مقام جمع الجمع ہے نظرِ باطنی کو جما دیا۔ دیکھا کہ جو آفتاب عالمتاب داخلی کعبہ محترم کے موقع پر ہمارے نقطۂ قلب میں سما گیا تھا وہ کمال رعنائی سے اپنے چہرۂ زیبا کی لامتناہی تجلیوں کی بجلیاں چمکا رہا ہے۔ نظرِ باطن خیرہ ہو گئی۔ رُوح وجد میں آئی۔ جسم کا رُواں رُواں کانپ سا گیا۔

امروز شاہ شاہاں مہماں شداست مارا
جبریلؑ با ملائک درباں شداست مارا

جی چاہا کہ عالم جذب و شوق میں بلند آواز سے ایک نعرہ لگائیں۔ معاً نفسِ فلکی نے آواز دی کہ خبردار عِنانِ ضبط کو ہاتھ سے نہ دینا۔ انتہائے سکوت و خاموشی اختیار کر لو کہ آس پاس والوں کو جن میں سے اکثر نااہل اور ناآشنائے راز ہیں۔ پتہ بھی نہ چلے کہ درحقیقت اور دراصل کون بلند طالع اور بلند اقبال روشن دل و روشن خیال خوش اقبال کی دعوت قبول فرمائے بنفس نفیس آ گیا ہے اور منزل اجلال فرما رہا ہے

اور عرشِ قلب سے اپنے تجلیوں کی بجلیاں چمکا رہا ہے۔ اِس للکار پر
ہم ایسے انجان و خاموش ہو گئے کہ اشارتاً و کنایتاً کوئی بات ظاہر نہ
ہونے دی۔ بلکہ قلندرانہ مشرب کی بناء پر گفتگوئے رندانہ اندازمیں کرنے لگے۔
تاکہ عام دعوتیوں کے روبرو اَسرار فاش نہ ہو جائیں۔ اللہ اللہ۔
یہ دل جب سے کہ خلوت خانہ اس آئینہ رُو کا ہے۔ ؎

ملا ہے دیدۂ حیراں کو عہدہ پاسبانی کا

مگر ایک امر خاص میں ہماری عقل ظاہری سخت حیران و پریشان
ہے اور ہم اس کے متعلق بیحد سرگرداں ہیں کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے۔
ایک طرف شب گذشتہ یہ تنبیہ و ہدایت کہ خبردار راز فاش نہ ہونے
پائے۔ دوسری طرف آج بتاریخ ۸ ربیع المنور ۱۳۲۵ھ بار بار شدید
اصرار کہ شب گذشتہ کے تمام اسرار سفرنامہ کے لئے قلمبند کر دالو۔

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی
بازارِ خویش و آتش ما تیز می کنی

یا الٰہی یہ عجیب معاملہ ہے۔ آخر یہ سفرنامہ شائع ہونیوالا ہے
اور ہر کس و ناکس۔ ہر مکتبِ خیال۔ ہر دوست و دشمن کے ہاتھ آئیگا

توکیا اسرار فاش نہ ہوں گے بعلوم ہی ہوتا ہے کہ شامت ہمارے سر پر منڈلا رہی ہے اور ہم کو ہدف سہام ملامت ودشنام بنا کر اُن کو لطف اندوزی مطلوب ہے۔ اِس لئے کہ اُن کو عشاق کے ہاؤ ہُو کا لپکا ہے اور ہائے وائے سے وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ ؎

خوشنما باد نالۂ شبہائے تو

ذوق باد ارم بہ یارب ہائے تو

یہ اندیشے تو سب عقل خام کے ہیں۔

عقل میگو باد کہ خود را پیش کُن۔

عشق میگو ید کہ ترکِ خویش کن

باقی رہے ہم۔ ہم تو پاک بے حیا ہیں۔ ہمارا مشرب ہمارا مذہب تو ہر حال میں راضی بہ رضا رہنا ہے۔ ہمارا نصب العین تو یہ ہے کہ۔ ؎

رحمتِ آں تست لعنت آن تو

من کیم قرباں ہمہ قرباں تو

ذکر برادرِ طریقت مولوی محمد یوسف روشن دل خوش اقبال نظامی صاحب کی دعوت محبت ومودت کا تھا کہ مامور قلم نے کیا کچھ لکھ ڈالا۔ بہر حال مجمع احباب

بے تکلف ہیں دوستانہ مخلصانہ نوک جھوک۔ اور لطائف وظرائف کے چٹخاروں نفیس ولذیذ اغذیہ و اطعمہ خوب کھائیں۔ تکلف کا اندازہ صرف اس سے فرمالیجئے کہ شیرینی ہیں چار اقسام کے صد درجہ نفیس میٹھے تھے۔ بقول اس ستم ظریف مرحوم کے فقیر کے جو کہتا ہے کہ ایک پیسہ لوں گا۔ اور سوگانی دوں گا۔ میزبان سے یہ کہکر کہ شکریہ کیسا نہ رسمی الفاظ دہرانا ہم خلوص و یگانگت کی اہانت سمجھتے ہیں۔ گھر لوٹ آئے۔ قلبی شاہدہ سے شدید جذب وکیف طاری ہوگیا تھا۔ تقریباً تمام شب جاگتے اور ٹہلتے گزر گئی۔ الوداع خدا حافظ و ناصر۔

"طے ہوئی آج کی منزل پہ مسافت میری"

۸ ربیع المنور ۱۳۶۶ھ

صحیفہ از قلم مرزا مظہر اللہ بیگ صاحب

۲۴ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

رحمت باغ۔ کاچی گوڑہ۔ حیدرآباد دکن

اختتام

اختتامِ کتاب پر اگر ایک خاص ظہورِ فضلِ ربانی کا نہ کر دیا جائے تو ناسپاسگذاری ہوگی کتاب کی ابتدا میں ایک مقام پر روانگی حج سے قبل لکھا گیا تھا کہ ہم اپنی ترقی کے معاملہ کو بالکلیہ معلق چھوڑ کر حرمین شریفین روانہ ہوگئے تھے ہمارے غیاب میں سر سعید الملک نواب صاحب چھتاری صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی نے ترقی کیلئے دو نام بارگاہ بندگانعالی حضرت ظلّ اللہ جہاں پناہ میں روانہ کر دیئے۔ ایک ہمارا اور دوسرا نام سید احمد خان صاحب کا تھا۔ میرے سلطان ذیشان امیر المومنین محبوب المسلمین اعلیحضرت بندگانعالی متعالی کی بارگاہِ عالی سے از راہ مرحمت خسروانہ اپنے اس قدیم الخدمت خاندانی خادم کی ترقی کیلئے فرمان واجب الاذعان بتاریخ ۲۶ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۵ھ شرف صدور لایا۔ اور وَمن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ کی سچی تصویر نظر آگئی۔ سچ ہے۔ "کارساز ما بفکر کار ما"

تمت بالخیر

کاتب۔ محمد علی سکنہ محلہ لنگر حوض
۱۴/۳/۵۶ف



حکیم عبدالغنی انصاری خسرو شاہ نظامی

تکمیل

دید و شنید

ایک خط:-

۱۷ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ

از یوسف پور

سیدی مرشدی مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب قبلہ مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ میرے خواجہ روحی فداک شب ۱۴ ہے چاندنی کا سماں ہے۔ زمین پر سے ایک نور تا آسمان ہے حقیقت دکھلاتا ہے خواجہ کا چہرہ سے

نہاں جس کو سمجھے ہوئے تھے عیاں ہے

چاند اپنے تابانیاں دکھلا رہا ہے میرے دل میں بھی آج ایک سورج چمکا ہے' رات کے دو بجے ہیں سناٹا' اور ہر طرف نفیر خواب بلند ہے' سگِ کوئے خواجہ غلام غلامانِ آلِ محمدؐ یا ابن رسول اللہ آپ کے جدِ امجد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی انصاریوں کا نام لیوا "رَجُلٌ يَسْعٰى" خسرو شاہ صرف دو رکعت نماز تہجد ادا کرتا ہے' سورہ یٰسٓ شریف قلب القرآن پڑھی جاتی ہے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمٍ ۝ قلب القلب فرقانِ حمید آیت۔ خاص شاہد زلیتِ سرمدی عامل اسرارِ خفی و جلی پر رکعت تمام کر کے جب سجدہ کا مقام لاہوتی آتا ہے تو دَنٰی رَبّی کی عالم وجد کامل میں بے شمار تکرار مزید کر کے یکایک بعد بہ ہزاران انداز محبوبی ایک آوازِ دل نواز گوشِ جاں میں بے صوت صدا آنے لگی کہ "عبدی عبدی عبدی" ہر ذرۂ وجود اس صوتِ سرمدی سے معمور و بھرپور ہو کر جذبۂ بے اختیارِ شوق میں رقصاں ہو گیا' تحت الارض سے فوق السما تک صرف یہی آواز محیط الکل محسوس ہوتی تھی اور

مل گیا صوت سرمدی میرے شکستہ ساز سے
نغمے کی آتی تھی صدا نالۂ دل گداز سے

جس طرح آوازِ کن کے بعد ہر وجود نیستی سے ہستی میں آگیا اسی طرح اس صوتِ دل نواز نے دل کی بند آنکھیں یک لخت کھول دیں اور اس رگِ جاں سے زیادہ قریب رہنے والے کی کامل دید میسر ہو گئی' ہوش و خرد کا وہاں کیا کام' وہم و گمان تو منزلِ دل کے نشانِ راہ پر ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں' جذبۂ بے اختیار شوق میں صرف طلب و عشق صادق کے دو لازوال پر' زمان و مکان سے مبرا و منزّہ

منزل ھاھوت میں اڑائے لئے چلے جا۔ ہے مجھے اڑائے لئے چلے جا رہے تھے کیا عرض کروں کہ کیا دیکھا؟ "آنکھ محو دید تھی اتنا تو مجھ کو ہوش ہے"۔ انوار لامتناہی کا مواج و متلاطم سمندر رہیٹ اور نور کے بادلوں میں ملفوف دیکھا کہ میرا پیارا خواجہ میرے رسول کا لاڈلا فرزند دل بند وہ گنبد خضرٰی والے اپنے جد محترم کی ہمراہی میں امت مرحومہ کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو کھجور کے درخت کی عالم برزخ والی ہیکل کبریٰ میں جوڑنے اور باندھنے والا' وہی میرا پیارا خواجہ' بہ ہزاران انداز محبوبی دلربائی متبسمانہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا ہے' ہاں دیکھ رہا ہے' اور وہ جس نے بہر دل بردن من آپ کی شباہت میں اپنے کو دکھلایا تھا وہ تو دیکھتا ہی رہتا ہے' ہر لمحہ و ہر آن نئی نئی شان سے دیکھتا ہی رہتا ہے' برعکس رخ خویش نگارم نگران شد۔ مزا یہ تھا میری روح کی کھلی ہوئی آنکھ بھی اُسے دیکھ رہی تھی دید کے مزے لوٹ رہی تھی صَلِّ کَاَنَّکَ تَرَاہُ آج پورا ہو چکا' اور

"ہم خدا در ذاتش آمد"

کی منزل بحمد اللہ پوری ہوگئی اور "ہم رسول" والی منزل تو سالہا سال پہلے انجام کو یوں پہنچ چکی ہے کہ حجرۂ آثار مبارک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں آٹھ سال قبل پچھلی شب کے وقت عین عالم بیداری میں دیکھا گیا تھا' کہ ایک چاند نے اس مقام پر جلوہ فرمائی کی ہے جہاں آثار اقدس میرے پیارے خواجہ آپ کے جد محترم کے رکھے ہوئے ہیں' اور جہاں ہمیشہ صلوٰۃ و سلام گزرانا جاتا ہے' چہرۂ اقدس انور کی آفتاب مثال لمعانیاں اس درجہ ضو فشاں تھیں کہ حجرے کے سامنے والا دالان سیلاب نور سے بھر گیا تھا اور تاریکی میں لگے ہوئے قطعات قران میں سے کھیعص والا قطعہ دفور نور سے جگمگا گیا تھا منبع نور کو جب پھر دیکھا تو وہی چہرۂ انور تھا جس کی قسم مالک نے وَالشَّمس کہکر قران میں کھائی ہے' ہاں وہ تو وہی تھے مراٰتِ جمالِ لم یزالی'

تو بہ این جمال و خوبی سر طور گر خرامی

ارنی بہ گوید آنکس کہ بگفت لن ترانی

اور زیادہ غور سے دیکھا تو حلیہ بعینہٖ میرے خواجہ ابن رسول اللہ کا تھا' چیخ مار کر پروانہ وار تصدق ہوا اور روح نے بے شمار سجدے روح جسد الکونین کو یہ کہتے ہوئے کیے۔ کہ

قبلۂ دین کعبۂ جان یا رسول اللہ توئی سجدۂ مسکین حسن ہر لحظہ بادا سوئے

بہر حال تذکرہ تو آج ۱۳ رجب ۱۴۱۶ھ والی چودھویں رات کی واردات کا تھا اور تمام کڑیاں خود بخود جڑ گئیں

چون تو ذاتِ پیر را کردی قبول

ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

غلام غلامان

خسرو شاہ نظامی

رکن ہیں۔ پہلا رکن کلمہ دوسرا رکن نماز تیسرا رکن روزہ چوتھا رکن حج پانچواں رکن زکات ۔ لیکن بہت تھوڑے حاجی ایسے ہوتے ہیں جو ارکان حج کے ساتھ مدینے منورہ کی زیارت کے لئے وہ کامل ذوق اپنے اندر رکھتے ہوں جس کی ہر مسلمان کے لئے ضرورت ہے لہٰذا میرے خیال میں حکیم خسرو شاہ نظامی کے اس سفرنامے میں یہ بڑی خصوصی چیز ہے کہ ارکان حج کے ساتھ ذوق زیارت کو بھی بہت نمایاں انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ کا ارشاد

سلطان الہند حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ نے ارشاد فرمایا ہے جو درگاہ کے خاص کتب خانے میں موجود ہے کہ میرے سلسلے چشتیہ کے فقرا کا فرض ہے کہ وہ جب حج کا ارادہ کریں تو پہلی نیت زیارت مدینے منورہ کی کریں اور حج کی نیت سے پہلے مدینے منورہ کی زیارت کرکے اپنے وطن کو واپس چلے جائیں۔ پھر دوسری نیت کرکے حج کا سفر کریں۔ حج کے طفیل میں زیارت نہ ہو اور زیارت کے طفیل میں حج نہ ہو۔ مسلمانوں کو حج کا راستہ مدینے والے نے بتایا ہے۔ لہٰذا پہلے راستہ بتانے والے کے پاک مقام کی زیارت کی جائے اور اس زیارت کی نیت میں کسی اور چیز کا دخل نہ ہو اور زیارت سے فارغ ہونے کے بعد دوسری نیت میں حج کا سفر کیا جائے۔

آج کل حالت یہ ہو گئی ہے کہ سب لوگ حج کرنے جاتے ہیں اور راستے کی مشکلات کے سبب بغیر زیارت کے واپس چلے آتے ہیں حالانکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جس نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اگرچہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حج کرکے چلے آتے ہیں اور مدینے منورہ کی زیارت نہیں کرتے در حقیقت وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

لہٰذا حکیم خسرو شاہ نظامی نے اس انداز سے یہ سفرنامہ لکھا ہے کہ سب پڑھنے والوں

کے دلوں میں مدینے منورہ کا ذوق زیارت پیدا ہو جاتا ہے اور یہ سب سے بڑی خوبی اس سفرنامے کی ہے اور میں نے اردو علوم عالم کی ایک لاکھ کتابوں کی نشریات میں اسی غرض سے اس کو شریک کیا ہے اور اس کی جلد بھی بنوائی ہے اور قیمت باوجود گرانی اسباب طباعت کے چار روپے سے زیادہ نہیں بڑھنے دی۔ حسن نظامی دہلوی

مئی ۱۹۴۹ء بمقام حیدرآباد

فہرست تصاویر سفرنامہ مکہ مدینہ

صفحہ